اُردو کا کلاسیکی ادب

کُلیاتِ سالکؔ

از

قربان علی بیگ سالکؔ

مُرتّبہ:

کلبِ علی خاں فائق

مجلس ترقّیِ ادب ۔ لاہور

بعونِ صناعِ مکین و مکان و بفضلِ خلاقِ زمین و زمان

۷۳

اُردو کا کلاسیکی ادب

کُلّیاتِ سالکؔ

مُرتّبہ
کلب علی خاں فائق

ناشر

مجلسِ ترقیِ ادب ۲۔ نرسنگھ داس گارڈن کلب روڈ لاہور

کلیات سالک

طبع اول : نومبر ۱۹۶۶

تعداد : ۲۱۰۰

ناشر : سید امتیاز علی تاج ، ستارۂ امتیاز
ناظم مجلس ترقیِ ادب لاہور

مطبع : مطبع عالیہ لاہور

مہتمم : سید اظہارالحسن رضوی

قیمت : گیارہ روپے

فہرست

قصائد

غزلیات

ردیف الف

نمبر شمار	مصرع اول	صفحہ

ردیف ب

ردیف پ

ردیف ت

ردیف ٹ

نمبر شمار مصرع اول صفحہ

ردیف ث

ردیف ج

ردیف ح

ردیف خ

ردیف د

ردیف ر

ردیف ز

ردیف س

ردیف ض

ردیف ط

ردیف ظ

ردیف ع

ردیف غ

ردیف ن

ردیف و

نمبر شمار	مصرع اول	صفحہ

ردیف ہ

ردیف ی

نمبر شمار	مصرع اول	صفحہ
۲۵۸	کیا کیا گناہ کرتے ھیں اور پھر رسید ھے - - - -	۳۷۲
۲۵۹	کہتا ھوں اپنا حال بہت اختصار سے - - - - - -	۳۷۴
۲۶۰	فرط جذب شوق کا ڈر ھے دل نخچیر سے - - - -	۳۷۵
۲۶۱	روئے جنت میں بھی ھم کر کے بیان دھلی - - - -	۳۷۷
۲۶۲	مجھ پر ایسی جفا کی کثرت کی - - - - - - -	۳۷۹
۲۶۳	غلط ھے ضبط الفت ، سوء ظن ھے - - - - - -	۳۸۰
۲۶۴	انتہا صبر آزمائی کی - - - - - - - - - -	۳۸۱
۲۶۵	اٹھیے آج آن سے فیصلہ کرکے - - - - - - -	۳۸۲
۲۶۶	نشاط وصل کا حاصل مقرر ھجر کا غم ھے - - - -	۳۸۲
۲۶۷	نہ پوچھو مجھ سے نالے کو کہ کیا ھے - - - - - -	۳۸۳
۲۶۸	ھے عبث چارہ گرو فکر دوا دینے کی - - - - - -	۳۸۴
۲۶۹	گریے کے میرے بعد بھی آثار رہ گئے - - - - -	۳۸۵
۲۷۰	کیوں جاتے جاتے جانب اغیار رہ گئے - - - - -	۳۸۶
۲۷۱	صورت مری ستم زدگی کی گواہ تھی (مصرع ثانی) -	۳۸۷
۲۷۲	آئی صبا کے ساتھ جو بو زلف یار کی - - - - - -	۳۸۸
۲۷۳	کیا خوب تم تو دیتے ھو یوں گالیاں مجھے - - - -	۳۸۹
۲۷۴	بس شکایت کیا مری فریاد کی - - - - - - - -	۳۹۰
۲۷۵	کھٹکے خزاں کے ، نے خلش خار و خس مجھے - - -	۳۹۰
۲۷۶	بڑھائی ماہ نے خوبی تمھارے روے انور کی - - - -	۳۹۱
۲۷۷	مائل کیا ھے کس پہ دل بے قرار نے - - - - - -	۳۹۳
۲۷۸	خفا ھی آئے وہ کل اور گئے خفا ھم سے - - - -	۳۹۴

نمبر شمار	مصرع اول	صفحہ

نمبر شمار | مصرع اول | صفحہ

رباعیات

رباعیات در وفات برادر :

نمبر شمار　　　　مصرع اول　　　　صفحہ

نمبر شمار | مصرع اول | صفحہ

قطعات تاریخی :

نمبر شمار	مصرع اول	صفحہ

مقدمه

از

کلب علی خان فائق

حیات سالک

خاندان :

نواب عاشور علی بیگ خاں غالب جنگ دھلی کے عمائدین سے تھے ۔ اُن کا تعلق ازبک قبیلے سے تھا اور شاہ عالم ثانی کے عہد میں قدیم امرا کی طرح خارِ وطن کو سنبل و ریحان سے خوش تر سمجھ کر اپنی زندگی گزارتے رہے ۔ لیکن اُن کے بیٹے نواب میرزا عالم بیگ خاں اور نیاز بہادر خاں حالات کی ناسازگاری سے مجبور ہو کر ترک وطن پر آمادہ ہوئے اور ریاست حیدرآباد دکن کا رخ کیا ۔ جد و جہد کے بعد دونوں وہیں رہ پڑے ۔ تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ مرزا عالم بیگ خاں کے بھائی رن بہادر خاں[1] تھے اور وہ حیدر آباد دکن کے نواب تاڑ(؟)ن کے خالہ داماد ہو چکے تھے ۔ میں اس کی تائید اور تردید سے قاصر ہوں کہ رن بہادر خاں اور نیاز بہادر خاں ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں یا جداگانہ شخصیتیں ہیں ۔ سالک نے اپنے بھائی رضوان کا جو مرثیہ لکھا ہے اُس میں ایک شعر ہے :

عزمِ شہید پاس بنے گا مزار کیا
مٹی الٰہی کیا مری خاک دکن سے ہے

اس شعر کا مندرجہ ذیل حاشیہ سالک کا تحریر کردہ ہے :

---

۱ ۔ خمخانۂ جاوید ، ج ۴ ، صفحہ ۳۹ ۔

۲ ۔ تلامذۂ غالب ، از مالک رام ، صفحات ۱۴۰ ، ۱۴۱ ۔

''لیاز بہادر خاں کہ مزار شان در حوالیِ حیدر آباد است ۔''
(کلیات سالک ، صفحہ ۳۶۶)

غالب بھی سالک کو اس کے چچا کے مرنے پر تسلی دیتے ہوئے لکھتے ھیں :

''میری جان ! کن اوھام میں گرفتار ھے ۔ جہاں باپ کو پیٹ چکا اب چچا کو بھی رو ۔''

(خطوط غالب مرتبۂ مولانا غلام رسول مہر ، ناشر کتاب منزل طبع دوم ، صفحہ ۱۱۱) ۔

بہر حال مرزا عالم بیگ خاں اور نیاز بہادر خاں اطمینان سے زندگی گزارنے لگے ۔ میرزا عالم بیگ والی دکن کی ملازمت میں آ چکے تھے ۔ مؤلف تذکرۂ ''روز روشن'' کا بیان ھے :

''قومش اوزبک و وطن پدر و جدش دارالخلافہ ''شاہ جہاں آباد ۔'' والدش مدتے بہ ملازمت والی دکن در شہر ''حیدر آباد'' رحلِ اقامت انداخت ۔''

(تذکرۂ ''روز روشن'' از مظفر حسین صبا ، صفحہ ۵۵۳)

سالک کی ولادت :

نومبر ، دسمبر ۱۸۲۴ع ، مطابق ربیع الثانی ۱۲۴۰ھ میں مرزا عالم بیگ خان کے یہاں حیدر آباد میں ایک مولود سعید پیدا ہوا جس کا قربان علی نام رکھا گیا ۔ پہلی اولاد کی ھر ایک کو چاھت ہوتی ھے ۔ قربان علی ماں باپ کی آنکھوں کا تارا بنے رھے ۔ بسم اللہ کی تقریب حیدر آباد میں ھوئی اور وھیں ابتدائی تعلیم شروع ھوئی ۔ جب چھٹے سال[1] میں داخل ھوئے تو مرزا عالم بیگ خاں

---

۱ ۔ چھٹا شش سالگی میں حیدرآباد بنے یہ شش جہت حیرت کا شش در
(کلیات سالک ، صفحہ ۲۴۵)
(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

حیدر آباد کی ملازمت ترک کرکے دهلی روانه هوگئے ۔

دهلی میں آمد :

اگست ۱۸۳۰ع کے لگ بهگ قربان علی اپنے والد کے همراه دهلی آئے اور اپنے وطن آبائی میں تعلیم کا سلسله جاری هوا ۔ غالباً مدرسۂ غازی‌الدین خاں میں جو دلی کالج' کہلانے لگا تها اور جہاں مشرقی تعلیم کے علاوه مغربی تعلیم کا بهی سلسله شروع هو چکا تها ، سالک کی تعلیم هوئی هوگی ۔

بهر حال مدرسۂ غازی‌الدین خاں میں داخل هونے سے پہلے اُن کی ابتدائی تعلیم گهر پر هونا قرین قیاس هے ۔ جیسا که دهلی میں شرفا کا معمول تها که وه بچوں کو تعلیم اپنے گهر پر دلایا کرتے تهے ، لیکن مدرسه غازی الدین میں مغربی تعلیم کا شعبه قایم کرنے سے امرا میں بهی دل‌چسپی پیدا هوگئی ۔ چنانچه پہلی بار نواب جهجر اور سوهن لال وزیر بهادر شاه نے اپنے بچوں کو دلی کالج میں داخل کرکے دوسرے امرا اور شرفا کے لیے داخلے کا راسته کهول دیا ۔

سالک کی والده کا انتقال :

۱۸۳۵ع کے لگ بهگ قربان علی کی والده کا انتقال هوگیا ۔ اس طرح وه لڑکپن هی میں والده کی شفقت سے محروم هوگیا ۔ رضوان کے مرنے پر جو رباعی کہی هے اُس میں اس محرومی کا ذکر کیا هے :

(پچهلے صفحے کا بقیه حاشیه)

دو به سال ششم از ولادت والدش اورا به شهر دهلی ، وطنِ اصلی کشید" ۔

(روز روشن صفحه ۵۵۴)

۱ ۔ تفصیلات کے لیے دیکهیے "مرحوم دلی کالج" از ڈاکٹر مولوی عبدالحق ، مطبوعه کراچی ۔ نو روز نمبر رساله "ادبی دنیا" ۱۹۳۲ع ، مدیر تاجور صفحات ۳۲ تا ۳۸ ، مضمون ۔ مقبول احمد صمدنی ۔

کیا دارِ فنا میں ہم نے آ کر دیکھا
آغاز سے انجام برابر دیکھا
ایامِ طفولیت میں ماں سے چھوٹے
اب پیر ہوئے داغِ برادر دیکھا

آغاز شاعری :

۳۹ - ۱۸۳۸ع (۱۲۵۴ھ) میں جب کہ وہ علوم متداولہ میں قدرے دست رس بہم پہنچا چکے تھے ، دلی کے ادبی ماحول سے بے نیاز نہ رہ سکے اور شاعری کے میدان میں قدم رکھا ۔ طبع موزوں راہ پر بنی لیکن اس وقت کے عام طریقے کے مطابق ایک مبتدی کا بغیر استاد کے اس کوچے میں قدم رکھنا خطرناک سمجھا جاتا تھا ۔ اس وقت مومن خاں کی شاعری کا ڈنکا بج رہا تھا ۔ قربان علی بھی قربان تخلص رکھ کر تلامذۂ ''مومن'' میں داخل ہوگئے ۔

غالب اگرچہ قربان کے پڑوسی تھے لیکن مومن سے تعلقات خاندانی زیادہ ہوں گے اسی لیے نظر انتخاب پہلے مومن پر پڑی ۔ یہ بھی وجہ ہوسکتی ہے کہ غالب چونکہ بادہ پرستی کی وجہ سے بد نام تھے ، مرزا عالم بیگ خاں نے قربان کو غالب کی صحبت میں جانے سے روکا ہو ۔ بہر حال میدان سخن میں بھی اپنے جوہر دکھانے لگے ۔ مظفر حسین صبا کا بیان ہے :

> ''زمانے کہ بہ پانزدہ سالگی رسید بہ موزونی فطری بہ سخن سنجی گرائید ۔ مدتے پیش حکیم محمد مومن خاں دهلوی بر زانوے تلمذ نشست ۔''

(روز روشن ، صفحہ ۵۵۴)

شطرنج بازی :

مومن نہ صرف شاعری میں شہرت رکھتے تھے بلکہ حکمت ، نجوم اور شطرنج میں بھی یکتا تھے ۔ اُن کا دیوان خانہ ارباب فن کا مرکز تھا ۔ شاگردوں کے لیے اُستاد کی ذات باعثِ فخر تھی ، قربان بساط شطرنج کے شیدائی بن گئے اور اس حد تک اُستاد سے فیض اُٹھایا کہ ۱۸۶۶ء میں شطرنج بازی کی جو انجمن[1] دھلی میں قائم ہوئی اُس کے ایک رکن یہ بھی منتخب ہوئے ۔

تعلیم سے فراغت :

تعلیم سے فراغت ۱۸۴۴ء میں پاچکے تھے ۔ تذکرہ نویسوں کے بیانات سے یہ بات واضح نہیں کہ ۱۸۵۷ء سے پہلے اُن کی زندگی وطن میں کس طرح گزرتی تھی ۔ قیاساً یہ کہہ سکتے ھیں کہ آبائی اندوختہ اتنا تھا کہ متوسط طبقے کی مانند زندگی فراغت سے گزار رہے ہوں گے ۔

غالب کی شاگردی :

۱۲- مئی ۱۸۵۲ء بروز چہارشنبہ ۔ (مطابق ۲۲ رجب ۱۲۶۸ھ) کو مومن دنیا سے سدھار گئے[1] ۔ اب قربان علی بیگ کی عمر پختہ ہوچکی تھی اور اُن کو غالب سے تعلقات رکھنے میں کوئی رکاوٹ نہ رھی تھی ۔ چنانچہ غالب کی خدمت میں حاضر ہوکر زانوے تلمذ تہ کیا ۔ شیفتہ بھی مومن کی وفات کے بعد غالب سے اصلاح لینے لگے تھے ۔ صبا لکھتے ھیں :

---

۱ - سنا ہوگا تم نے کہ مومن خان مر گئے آج ان کو مرے ہوئے دسواں دن ہے ۔ [نادرات غالب ، مرتبہ آفاق حسین آفاق (خط نمبر ۱۹ بہ نام نبی بخش حقیر ۲۱ - مئی جمعہ ۱۸۵۲ء) طبع اول ۱۹۴۹ء کراچی صفحات ۲۴ ، ۲۵] -

''زمانے پنجۂ ابکارِ افکارِ خود را حنائے اصلاح میرزا اسد اللہ خاں غالب دھلوی بست ، سالک تخلص اختیار نمود و از ہم نوایان نظم اردو و فارسی قصب السبق ربود'' ۔ (تذکرۂ روز روشن ، صفحہ ۵۵۴)

سالک ، مومن اور غالب سے اصلاح کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ھیں :

''راھرو مسالک تلاش و تفحص ، قربان علی بیگ سالک تخلص عرض پرداز است کہ اوّل روزگارے بہ استفادۂ والا خدمت بابرکت . . . . حکیم ''محمد مومن خاں مومن'' مستفید و بیش تر زمانے بہ استفاضۂ تربیت جناب . . . میرزا ''اسد اللہ خاں بہادر غالب غفراللہ ذنوبہا مستفیض بودہ ، بہ افاضۂ تلقین و رھنمائی آں قطبین اوجِ سخنوری سخن پروری'' . . . .

(ھنجار سالک، دیباچہ از سالک، صفحات ۷ ، ۸ مطبوعہ ، مطبع بدر الدجیٰ دھلی ۱۸۷۱ع)

سالک کا یہ بیان کہ اُس نے تھوڑی مدت مومن سے فائدہ اٹھایا اور غالب سے زیادہ عرصے تک ، حقیقت پر مبنی ھے ۔ مومن سے چودہ سال تک فیض پایا اور غالب سے سترہ سال تک ۔ بہر حال سالک نے شاعری کے میدان میں قدم رکھ کر اپنی علمی صلاحیتوں سے کام لیا ۔

سلسلۂ تعلیم :

سالک کے استادوں کے نام نہیں معلوم ھوسکے لیکن اُن کے کلام سے یہ ظاھر ھوتا ھے کہ وہ اپنے معاصرین میں علمی حیثیت سے ممتاز تھے ۔ دلی کالج نے تعلیم کا دروازہ ھرکس و ناکس پر

کھول رکھا تھا ۔ طلبا کی ہمت افزائی کے لیے وظیفے دیے جاتے تھے ۔ باہر کے طلبا کو بھی اس کا موقع دیا جانے لگا تھا کہ وہ مقابلے کے امتحان میں بیٹھ کر وظیفہ حاصل کر سکیں اور اپنی تعلیم جاری رکھ سکیں ۔ سالک کا ۱۸۶۸ء میں ایک اردو انگلش منظوم کتاب موسوم بہ ''مفید الاطفال'' پر تبصرہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ انگریزی زبان سے واقف تھے اور غالباً اسی وجہ سے وہ مہاراجا شیو دھیان سنگھ کے عہد میں وکیل سرکار کے عہدے پر سرفراز ہوئے تھے ۔ اس بنا پر یہ رائے بعید از قیاس نہیں ہے کہ سالک فارسی زبان میں مہارت کامل رکھنے کے علاو عربی اور انگریزی زبان سے بھی با خبر تھے ۔ بیس سال کی عمر میں وہ علوم متداولہ کی تکمیل سے فراغت پاچکے تھے ۔

صابر نے ۷۰ - ۱۲۷۱ھ (مطابق ۵۳ - ۱۸۵۴ء) میں سالک کی شاعری کے بیان پر اکتفا کیا ہے ۔ وہ عموماً معاصرین کے بارے میں جو زیر تعلیم تھے ، حوالہ دیتا ہے ۔ مثلاً عبد الکریم سوز (خلف صہبائی) ، محمد بیگ محوی ، سکندر خاں سکندر وغیرہ کا زیر تعلیم ہونا ظاہر کیا ہے لیکن سالک کے بارے میں صرف اُس کی شاعری کا بیان کرتا ہے ۔ ملاحظہ ہو :

> ''سالک تخلص قربان علی مرد اشراف اور نیک نہاد ، صاحب طبع اور خاندان نجبا سے ہے ۔ پہلے اپنے نام کی مناسبت سے قربان تخلص اور مومن خاں مومن تخلص مرحوم سے مشورۂ سخن کرتا تھا ۔ اب کہ مرزا اسد اللہ خاں غالب کی شاگردی کی راہ میں سلوک کرتا ہے ، تخلص سالک مقرر کیا ۔''

(گلستان سخن ، طبع اول ، ۱۲۷۱ھ صفحہ ۲۶۸-)

اس سے واضح ہوتا ہے کہ سالک ۱۸۵۴ع سے پہلے فارغ التحصیل ہوچکے تھے۔

دھلی کے نوخیز شعرا:

ظہیر دھلوی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ جنگ آزادی کی تحریک مئی ۱۸۵۷ع سے پہلے سالک اور اُن کے ساتھی شعر و سخن کی محفل کو گرم کیے ہوئے تھے۔ ملاحظہ ہو:

> اُن بزرگوں کے بعد چند نوجوان، نوخیز، نوعمر، شوخ طبع، بامذاق، جدت پسند، نازک خیال ہم عصر تھے۔ زمانۂ حال کے موافق اگر غور کیا جائے تو ہر ایک یگانۂ روزگار تھا۔ نواب مرزا خان داغ۔ میر مہدی حسین صاحب مجروح۔ سید شجاع الدین عرف امراؤ مرزا تخلص انور۔ مرزا قربان بیگ صاحب سالک۔ مولوی عبدالکریم سوز۔ حکیم غلام مولیٰ قلق۔ شہزادے صاحب اشکی۔ مرزا پیارے صاحب شہرت۔ مرزا قادر بخش صاحب صابر۔ میاں خدا بخش صاحب تنویر۔ غلام احمد صاحب تصویر۔ عبد القادر صاحب توقیر۔ یوسف علی خان صاحب عزیز۔ مولوی امیر مرزا خورشید۔ میاں تشنہ صاحب۔ آغا مرزا صاحب شاغل...اس قدر احباب ایک مکان پر وقت شام بلا ناغہ ہم جلیس ہوتے اور باہم داد سخن دیتے تھے۔"

(داستان غدر طبع اول صفحہ ۷)

ظہیر دھلوی نے جن شعرا کے نام گنائے ہیں، واقعی یہ دھلی کے نام روشن کرنے والے ثابت ہوئے۔ سالک اس فہرست میں ممتاز نظر آتے ہیں۔ یہ جلسے اپریل ۱۸۵۷ع تک اسی طرح ہوتے رہے۔ ۱۶- رمضان ۱۲۷۳ھ مطابق ۱۱- مئی ۱۸۵۷ع کو دھلی میں

میرٹھ سے آزاد فوج آئی اور بہادر شاہ ظفر کو جو انگریزوں کا پنشن خوار اور دعا گو تھا، مغل سلطنت کا آزاد تاج دار مقرر کیا۔ دھلی کے باشندے جو سپاھیانہ صفات اور اصولِ جہاں بانی سے بیگانہ ھوچکے تھے، گھبرائے۔ بہادر شاہ نے مرھٹوں اور انگریزوں کی پناہ میں زندگی گزاری تھی، اس عظیم بار سلطنت کو نہ سنبھال سکے۔ عوام تو جنگ آزادی میں شامل ھوگئے مگر خواص تذبذب کا شکار رھے اور اس طرح انگریزوں کو یہ موقع مل گیا کہ وہ دھلی کی مرکزیت مٹاسکیں۔ ستمبر ۱۸۵۷ع میں دھلی پر دوبارہ انگریزی جھنڈا لہرانے لگا۔ بہادر شاہ کو گرفتار کرکے مقدمہ چلایا گیا۔ شاھی خاندان کے افراد یا مارے گئے یا فرار ھونے پر مجبور ھوئے۔ ایسی حالت میں ھر ایک انگریزوں کے ظلم کا نشانہ بن گیا۔ بے شمار لوگ قتل ھوئے اور باقی آبادی جان بچانے کے لیے فرار پر مجبور ھوئی۔ جو بھاگ نہ سکے انھیں انگریزوں نے جبریہ شہر سے نکالا، سامان چھین لیا گیا اور خالی ھاتھ پا پیادہ قافلے کے قافلے نواح دھلی میں پناہ لینے چل پڑے۔ ظہیر دھلوی نے ''داستان غدر'' میں اپنی مصیبتوں کا بیان کیا ھے۔ ''فغان دھلی'' کے مطالعے سے حالات کا اندازہ لگایا جاسکتا ھے۔

مولوی امام بخش صہبائی کا پورا خاندان انگریزوں کے انتقام کا شکار ھوا، مفتی صدرالدین آزردہ، نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ وغیرہ جیسے مشاھیر قید ھوئے، جائدادیں ضبط ھوئیں۔ داغ افتاں خیزاں ریاست رام پور پہنچے اور میر مہدی مجروح پانی پت میں پناہ گزیں ھوئے۔ سالک نے الور کا رخ کیا۔ جہاں مولوی امین اللہ خاں عرف امو جان دھلوی دیوان تھے اور مرزا اسفند یار بیگ دھلوی نائب دیوان۔ غرض جس کا جدھر منہ اٹھا چل پڑا، اپنے اپنے رشتہ داروں اور احباب کی پناہ

حاصل کرنے اہل دہلی نے سیکڑوں میل کا سفر برداشت کیا
ظہیر دہلوی کا خاندان اپریل ۱۸۵۸ع میں رام پور پہنچا تھا۔
سالک نے ستمبر ۱۸۵۷ع ہی میں دہلی کو چھوڑ دیا تھا۔ انگریزوں
نے دہلی پر قبضہ کرنے کے بعد عرصے تک دہلی کو ویرانہ
بنائے رکھا۔ جو لوگ چوری چھپے سے اپنے گھروں میں آجاتے۔ ان
کو مجرم سمجھا جاتا اور سزا ملتی۔ غالب کے خطوط میں ان مظالم
کا ذکر ہے۔ ۲ فروری ۱۸۵۹ع کے خط میں مجروح کو لکھتے ہیں:

"روز اس شہر میں اک حکم نیا ہوتا ہے
کچھ سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ کیا ہوتا ہے

میرٹھ سے آکر دیکھا کہ یہاں بڑی شدت ہے اور
حالت یہ ہے کہ گوروں کی پاسبانی پر قناعت نہیں ہے۔
لاہوری دروازے کا تھانے دار مونڈھا بچھا کر سڑک
پر بیٹھتا ہے۔ جو باہر سے گورے کی آنکھ بچا کر آتا
ہے اس کو پکڑ کر حوالات میں بھیج دیتا ہے۔
حاکم کے ہاں سے پانچ پانچ بید لگتے ہیں یا دو روپے
جرمانہ لیا جاتا ہے، آٹھ دن قید رہتا ہے۔ اس کے
علاوہ سب تھانوں پر حکم ہے کہ دریافت کرو، کون
بے ٹکٹ مقیم ہے اور کون ٹکٹ رکھتا ہے، تھانوں
میں نقشے مرتب ہونے لگے ہیں ...... پانچ ہزار ٹکٹ
چھاپے گئے ہیں۔ جو مسلمان شہر میں اقامت چاہے
بہ قدر مقدور نذرانہ دے۔ اس کا اندازہ قرار دینا حاکم
کی رائے پر ہے۔ روپیہ دے اور ٹکٹ لے۔ گھر برباد
ہوجائے، آپ شہر میں آباد ہوجائے۔ آج تک یہ صورت
ہے، دیکھیے شہر کے بسنے کی کون مہورت بنے۔ جو
رہتے ہیں وہ بھی اخراج کیے جاتے ہیں۔"

(خطوط غالب ، مرتبہ مولانا غلام رسول مہر ، صفحہ ۲۷۳
ناشر کتاب منزل ، طبع دوم)

اس خط کی روشنی میں سالک کی ذہنی پریشانی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے ۔

"کلیات سالک" میں ایک قطعہ قیام الور کا ملتا ہے جس کا عنوان یہ ہے :

"قطعہ بہ عالم گوشہ نشینی از بیم مخبراں بہ محمد تفضل
حسین خاں کوکب در الور نوشتہ شد ۔"

اس میں اپنی پریشانی اور کوکب سے جدائی کا بیان کرتے ہوئے مطالبہ کرتے ہیں :

"غرض اس سب سے ہے یہ بات کہ بلواؤ مجھے
اور جو بلوانے میں نقصان ہو پیدا مجھ کو
بھیجیے لکھ کے جو احوال ہوا ہو معلوم
کچھ تو تسکیں کا مری کیجیے ایما مجھ کو
جانتے ہو کہ میں آوارہ و بازاری ہوں
مرتبہ حضرت یوسف کا نہ دینا مجھ کو"

("کلیات سالک" صفحات ۲۶۱ ، ۲۶۲)

سالک آخر ۱۸۵۸ء میں معافی کے اعلان کے بعد دہلی آئے ہوں گے ۔ راجا شیو دھیان سنگھ اس وقت نابالغ تھے اور اختیارات پنچوں کے ہاتھ میں تھے لیکن وہ اپنے والد راجا بلونت سنگھ کی مانند مسلمانوں کو پسند کرتے تھے ، اس لیے وہ دہلی کے مسلمان پناہ گزینوں سے ہمدردی رکھتے تھے ۔ سالک کی پرورش اس عرصے میں راجا شیو دھیان سنگھ نے کی ہوگی ۔

بعد میں سالک کو دہلی کا قیام تو نصیب ہوگیا لیکن ذرائع معاش مسدود تھے ، اس لیے تنگ و دو کی تو الور میں بہتری

کی صورت نظر آئی ۔ غالب کو بھی الگزنڈر ہیڈرلے کی وجہ سے
الور میں جو فلاح کی امید تھی ، وہ اس کے مرنے سے (۷۔ جولائی
۱۸۶۱ع) جاتی رہی ۔ میر مہدی مجروح ، میر سرفراز حسین ، میرن،
سالک اور رضوان غالب کو اپنے شاگردوں میں زیادہ عزیز تھے ۔
سالک ہمسایہ تھے ۔ غالب نے نواب علاؤالدین احمد خاں علائی
کو جو خطوط لکھے ہیں ، ان میں سالک اور رضوان کی ملازمت
پر زور دیتے ہیں لیکن نواب امین الدین احمد خاں علائی کے
والد رضوان کی ملازمت پر آمادہ تھے ۔ سالک کو کسی وجہ سے
ناپسند کرتے تھے ۔ ایک خط میں لکھتے ہیں :

> ''صاحبین کی رائے کا اختلاف مشہور ہے ۔ مجھ سے کچھ
> نہیں ہوسکتا ، مگر ہر ایک قول جدا جدا لکھوں ۔ آج
> نہ لکھا نہ سہی ، دو چار دن کے بعد لکھوں گا ۔ تم
> سمجھ تو گئے ہوگے کہ صاحبین مرزا قربان علی بیگ
> اور مرزا شمشاد علی بیگ ہیں ۔''

(خط نمبر ۱۲ ، صفحہ ۶۸ ، خطوط غالب)

دوسرے خط میں تحریر کرتے ہیں :

> ''کل مرزا شمشاد علی بیگ ناقل تھے کہ مجھ سے
> علی حسین کہتے تھے کہ نواب صاحب فرماتے ہیں کہ
> لوہارو چلو گے اور ہماری دال روٹی قبول کرو گے ؟
> میں نے کہا کہ میں دال روٹی چاہتا ہوں مگر پیٹ
> بھر کے ۔ غالب کہتا ہے کہ اس بیان سے یہ معلوم ہوا
> کہ سالک سے سلوک منظور نہیں ۔ تنہا ہوائے شمشاد
> درسر است ۔''

(خط نمبر ۱۴ ، یک شنبہ یکم فروری ۱۸۶۲ع صفحہ ۶۸ ، خطوط غالب
از مولانا مہر)

یکم مارچ ۱۸۶۲ع کے خط میں علائی کو لکھا ہے کہ مغلچوں (سالک ، رضوان) کے مقدمے کو طبیعت امکان پر چھوڑو ، میں دخل نہ کروں گا ۔ ہاں اگر خود مجھ سے پوچھیں گے یا میرے سامنے ذکر آجائے گا تو میں اچھی طرح کہوں گا ۔ مارچ ۱۸۶۳ع کے خط بہ نام علائی سے واضح ہوتا ہے کہ سالک نے لوہارو جانا قبول نہ کیا اور اُن کے چھوٹے بھائی شمشاد علی بیگ رضوان نے علائی کی مصاحبت قبول کرلی ۔ تنخواہ کا تصفیہ نہ ہوا ۔ یکم جنوری ۱۸۶۴ع کے خط سے پتا چلتا ہے کہ رضوان پندرہ روپے ماہانہ مانگتے تھے اور نواب امین الدین احمد خاں سات روپے دینا چاہتے تھے ۔

سالک کی الور میں دوبارہ آمد آخر ۱۸۶۳ع[۱] میں ہوئی ہوگی ۔ میر مہدی مجروح کو ایک خط میں غالب لکھتے ہیں :

> ''لو صاحب ایجنٹ بہادر راجستھان کا حکم الور کے ایجنٹ کو آیا کہ پہلی ستمبر کو راج کے کاغذ جو تمھارے پاس ہیں اور راج کا اسباب جو تمھارے تحت میں ہے ، وہ سب راجا صاحب کو دو اور تم الگ ہوجاؤ ۔ ستمبر کی بیسویں کو ہم الور جائیں گے ، راجا صاحب کو مسند پر بٹھائیں گے ۔ خلعت شاہی ان کو پہنائیں گے ۔

---

۱ ۔ ملاحظہ ہو ، ۱۸۶۳ع میں راجا کو اختیارات ملے ۔ کچھ مدت تک کام بڑی اچھی طرح جاری رہا لیکن پھر بد نظمیاں پیدا ہو گئیں اور راجپوت موقوف ہونے لگے ، جن سے راجا کو سخت نفرت تھی ۔ اس کے برعکس مسلمانوں کے ساتھ گہرا میل جول تھا ۔ ۱۸۷۰ع میں پھر راجا صاحب بے اختیار کر دیے گئے اور اکتوبر ۱۸۷۴ع کو وفات پائی ۔ (غالب از مولانا غلام رسول مہر ، طبع چہارم ، عالم گیر الیکٹرک پریس لاہور ص ۲۲۷)

(شنبہ ۲۲ اگست ۱۸۶۳ع ، صفحہ ۳۰۸ ، خطوط غالب ، از مولانا مہر)

"کلیات سالک" میں قطعۂ خلعت مسند نشینی ملتا ہے جس کی تاریخ مطبوعہ نسخے میں ۱۲۸۴ھ ظاہر کی گئی ہے۔ یہ بہ ظاہر غلط معلوم ہوتا ہے۔ ستمبر ۱۸۶۳ع میں خلعت مسند نشینی راجا شیو دھیان سنگھ کو پہنایا گیا ، جیسا کہ غالب کے خط سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ قطعے کے دو شعر ملاحظہ ہوں :

خلعت مسند نشینی کا یہ جشن
جشن جمشیدی سے بھی کچھ بڑھ گیا
اس ہمایوں جشن کا "سالک" نے سال
"خلعت مسعود" لکھا ہے بجا

۱۲۸۰ھ

کلیات سالک میں "جا" کے ۴ عدد شامل کرکے ۱۲۸۴ھ قرار دیے گئے ہیں ، حالانکہ پہلے مصرع میں تعمیے کا کوئی اشارہ نہیں ہے۔ اس سے ہمارے دعوے کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ سالک ستمبر ۱۸۶۳ع میں الور پہنچ چکے تھے۔ غالباً اسی کے لگ بھگ میر افضل علی عرف میرن بھی الور پہنچے تھے۔

غالب مجروح کو ایک خط میں لکھتے ہیں :

"کلکتے[1] جاتے وقت فرما گئے ہیں کہ میں آکر "اسداللہ" کو بلاؤں گا .... ظاہرا ہمارے تمھارے واسطے زمانہ انتہائے مصیبت اور وقت پیش آمد دولت ہے۔ اب مجھ کو میرن صاحب کی خوشامد کرنی پڑے گی۔ وہ

۱۔ شیو دھیان سنگھ ۱۸۶۴ع میں کلکتے گئے تھے۔ حاشیہ ۱ ، صفحہ ۲۲۸ ، غالب ، از مولانا مہر، طبع چہارم۔

مقرب بنیں گے ۔"

(خط نمبر ۳۸ ، صفحہ ۳۱۰ ، خطوط غالب ، از مولانا مہر)

شیخ محمد مخدوم عالم کے بیان سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے ۔ وہ بیان کرتے ہیں :

بعد بیکنٹھ باشی ہونے مہاراجہ بنیے سنگھ بہادر کے ساتوں بدی نومیں سمت ۱۹۱۴ کو سریر حکومت راج پر نزول اجلال فرمایا ۔ منشی امو جان اور مرزا اسفند یار بیگ عہدہ جات دیوانی پر مامور و سرفراز تھے ۔........ سمت ۱۹۱۵ میں کپتان امپی صاحب بہادر ایجنٹ مقرر ہوئے ۔ نظم و نسق ملک کا ایجنٹی کی تفویض میں آیا ۔ اسفند یار بیگ نکالا گیا........ سمت ۱۹۲۰ میں مہاراجہ صاحب کو اختیار مل گیا........ حضرات دہلی کی کچھ روک ٹوک نہ رہی ۔"

ارزنگ تجارہ ، از شیخ محمد مخدوم عالم ، صفحات ۸۳ تا ۸۵ ، مطبع آگرہ اخبار)

سالک نے اٹھارھویں سال گرہ پر جو قطعہ مدحیہ کہا ہے اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ۱۸۶۲ع میں سالک کا تعلق راجا شیو دھیان سنگھ سے ہوگیا تھا یا احتیاطاً یہ کہہ سکتے ہیں کہ دہلی سے انھوں نے یہ قطعہ راجا کی خدمت میں ارسال کرکے اپنے تعلقات استوار کیے تھے ۔ آخری شعر ملاحظہ ہو :

شمار میں ہے یہ اٹھارھویں گرہ سالک
دعا یہ مانگ کہ دی جائیں بے شمار گرہ

شیو دھیان سنگھ کی شادی پر سالک نے سہرا کہا ہے ۔ مقطع سے ظاہر ہوتا ہے کہ سہرا دہلی سے الور بھیجا گیا ہے ۔ مقطع یہ ہے :

صرف کر خوب گھرہائے مضامین سالک
جائے گا نذرِ مہاراج کو الور سہرا

شیو دھیان سنگھ کے یہاں جب وارث ریاست پیدا ہوا تو سالک نے قطعہ تہنیت کہا ۔ سمت اور ھجری کی تاریخیں اس قطعے سے برآمد ہوتی ہیں ۔ سمت کی تاریخ ۱۹۲۶ لکھی ہے لیکن مصرع سے ۲۰۷۷ برآمد ہوتے ہیں ۔ تخرجہ مصرع سے ظاہر نہیں ہوتا ۔ اس شعر سے ۱۲۸۵ھ برآمد ہوتے ہیں ۔ (مطابق ۲۴ اپریل ۱۸۶۸ع تا ۱۲ اپریل ۱۸۶۹ع) :

دیکھ بزم و جشن عشرت خیز کے آغاز کو
فیض و لطف و مکرمت کی پھر نظر کر انتہا

شیو دھیان سنگھ نے بیٹے نام ''لال جی'' رکھا تھا ۔ اس کی پہلی سالگرہ پر سالک نے قطعہ مدحیہ پیش کیا ہے ۔ کہتے ہیں :

زمانِ عمرِ مہاراج لعل جی سالک
دراز زندگی خضر سے بھی بڑھ کر ہو

یہ قطعہ ۷۰-۱۸۶۹ع میں کہا گیا ہوگا ۔

غالب نے ۱۱ - جولائی ۱۸۶۴ع کو سالک کو جو خط لکھا ہے اس سے پتا چلتا ہے کہ سالک دہلی سے باہر ہیں ۔ لکھتے ہیں :

گھر میں تمھارے سب طرح خیریت ہے ۔ محمد مرزا پنج شنبے اور جمعے کو داستان کے وقت آجاتا ہے ۔ رضوان ہر روز شب کو آتا ہے........خط بھیجتے رہا کرو۔'' (خطوط غالب ، از مولانا مہر ، صفحہ ۱۱۲)

یہ خط بھی اسی بات کی تائید کرتا ہے کہ سالک الور پہنچ چکے تھے ۔ ان کے بعد چھوٹے بھائی شمشاد علی بیگ دسمبر ۱۸۶۵ع میں پہنچ گئے ۔ غالب خط محررہ ۶ - دسمبر ۱۸۶۵ع میں

رام پور سے علائی کو لکھتے ہیں :

''شمشاد علی بیگ کہاں الور پہنچا اور اس طرح گیا کہ شہاب الدین خان سے مل کر بھی نہ گیا ۔''

(صفحہ ۹۹ ، خطوط غالب از مولانا مہر)

یہ تعین مشکل ہے کہ سالک الور میں کب وکیل سرکار ہوئے ۔ لیکن ''مفید الاطفال'' کی تقریظ سے وکیل راج الور ہونا ثابت ہے ۔ اور شمشاد علی بیگ رضوان کی تقریظ سے یہ تعین ہو جاتا ہے کہ رضوان ۹ جون ۱۸٦۸ع کو دهلی میں تھے اور ریاست الور میں ان کا عہدہ ڈپٹی کلکٹر تھا ۔ دونوں تقریظوں کے آخر ''العبد'' کے تحت درج ہے :

''قربان علی متخلص به سالک وکیل مہا راؤ راجه بہادر والی الور دام اقبالهم شمشاد علی عفی عنه ۔ ڈپٹی کلکٹر راج الور به مقام دهلی المرقوم ۹ جون ۱۸٦۸ع ۔''

سالک سے زیادہ ان کے بھائی شمشاد علی بیگ کا عروج بڑھ گیا تھا ۔ مؤلف ''ارژنگ تجارہ'' کا بیان ہے :

''اخراجاتِ فضولی آمدنی سے بڑھ گئے ۔ پھر قرض پر نوبت پہنچی ۔ سمت ۱۹۲۵ میں کفایت خرچ کو تخفیف کی گئی.........پنڈت روپ نرائن صاحب یہ حال دیکھ کر کنارہ کش ہوئے ۔ عہدۂ گرد آوری پر منشی رشک لال جیو ، اور فوجداری پر شیخ عبدالرحیم اور ڈپٹی کلکٹری پر شمشاد علی بیگ سرفراز کیے گئے ۔''

(ارژنگ تجارہ از مخدوم عالم صفحہ ۸۷)

لیکن ریاست کی مالی حالت نہ سدھر سکی ۔ راجا شیودھیان سنگھ کے یہاں لڑکا پیدا ہوا اور اس کی خوشی میں سال بھر جلسے ہوتے رہے ۔ اس دوران مین ڈیوک آف ایڈنبرا کلکتے آئے ۔ راجا

ان سے ملنے کلکتے گئے - وہ جنوری ۱۸۷۰ع میں الور کی سیر کو آئے - اس تقریب میں بھی بہت رقم صرف ہوئی - فوج نے چڑھی ہوئی تنخواہ کا مطالبہ کیا تو انھیں برطرف کر دیا - مسٹر طامس کیڈل ویسی آئے ، راجا کو سمجھایا ، نہ ماننے پر خود انتظام کیا - جلسۂ جشن لال جی وارث شیو دھیان سنگھ بند کیا - ان حالات سے شیخ عبدالرحیم اور شمشاد علی گھبرائے - مستعفی ہونے کو تھے کہ راجا نے تسلی دی - مواخذہ سے بچایا اور با آبرو جانے دیا - بعد اختتام ۱۸۷۰ع راجا کے اختیارات سلب ہوگئے - مہاراجہ کی پندرہ ہزار روپے ماہوار تنخواہ مقرر ہوگئی اور ایجنٹ کا تقرر ہوگیا - اس طرح ۱۲۸۷ھ (مطابق ۳ اپریل ۱۸۷۰ع تا ۲۲ مارچ ۱۸۷۱ع) میں 'سالک' اور 'رضوان' دھلی آگئے -

الور کے مشاعرے :

ظہیر دھلوی کا بیان ہے کہ راجا شیو دھیان سنگھ کی معارف پروری سے حسب ذیل شاعر الور میں جمع ہوگئے تھے :

> "مہاراجا صاحب کے اخبار جلوۂ طور پسند آیا - میرا ذکر ہوا ، بلایا گیا ، وہاں میر مہدی حسین مجروح اور میر سرفراز حسین میرے عزیز پہلے سے تھے - میں اور امراؤ مرزا انور دونوں مہاراجا شودان سنگھ والی ریاست الور کے نوکر ہو گئے .... مہاراجا صاحب کے روبرو مشاعرہ ہوا کرتا - درباری شعرا کے نام یہ ھیں : میر مہدی حسین مجروح - مرزا قربان بیگ سالک - امراؤ مرزا انور - میاں غلام احمد تصویر - میاں

---

۱ - تفصیلات کے لیے دیکھیے "ارژنگ تجارہ" تالیف مخدوم عالم ، صفحات ۸۷ تا ۹۶ -

خدا بخش تنویر اور فقیر ظہیر ۔"
(داستان غدر ۔ صفحات ۱۵۶ تا ۱۶۴)

اس مجمع کی برھمی کا احوال اس طرح لکھتے ھیں :

''غرض که تین چار سال کے عرصه تک الور میں عیش و آرام سے بسر هوتی رهی ۔ وهاں هندو مسلم سوال اٹھا کر بغاوتیں کرائیں ۔ آخر هم سب نے عرض معروض کر کے الور سے رخصت چاهی ، دلّی میں آ بیٹھے ۔ برس روز تک هماری تنخواهیں گھر پر آتی رهیں ۔''
(داستان غدر ۔ صفحه ۱۶۴ طبع اول)

باقر علی خاں کامل[1] (خلف زین العابدین خاں عارف) بھی ۱۸۶۷ع میں 'الور' میں موجود تھے ۔ ۱۸۶۸ع کے ایک خط میں غالب نے ملازمت ملنے پر خوشی کا اظہار کیا ھے اور ۷ ۔ دسمبر ۱۸۶۸ع کے خط میں کامل کو لکھا ھے که میں نے 'سبد چین' کا نسخه والی الور کو بھیجا ، انھوں نے جواب دیا ۔ غالب یه بھی دریافت کرتے ھیں که دربار میں میرا بھی ذکر آتا ھے ؟

ظہیر دھلوی نے یوسف علی خاں عزیز (شاگرد غالب) کو بھی نظر انداز کر دیا ھے ۔ قصه 'ممتاز'[2] ترجمه ظہیر دھلوی کی تصحیح

---

۱ ۔ خطوط غالب بنام کامل ، ۱ تا ۳ ۔ خط نمبر ۱ ، موله نومبر ۱۸۶۷ع کا ھے ۔ خط نمبر ۲ بلا تاریخ ھے ۔ خط ۳ ، سات دسمبر ۱۸۶۸ع کا ھے (صفحات ۱۱۴ ، ۱۱۵ ۔ خطوط غالب ، مرتبه مولانا مہر)

۲ ۔ 'قصۂ ممتاز' مطبع میور پریس ، به اهتمام بلاق داس ، صفحه ۳ و ۴ ملاحظه هو ۔
یوسف علی خاں عزیز کا خطاب سلطان الذاکرین سراج الشعرا تھا ۔ مالک رام نے تلامذۂ غالب (صفحه ۲۳۷) میں ''سراج الشعرا سراج الذاکرین'' غلط لکھا ھے ۔ (فائق)

به ایما حکیم احسن‌اللہ خاں ، عزیز نے کی تھی ۔ اس میں ظہیر دہلوی کے علاوہ عزیز کا کلام بھی ملتا ہے ۔ ایک غزل کا مقطع ملاحظہ ہو جس میں عزیز نے الور میں قیام کا ذکر کیا ہے :

شیو' دان سنگھ راجۂ جم رتبہ ہے عزیز
پاس آ کر اس کے میرا ملال و محن گیا

شمشاد علی بیگ رضوان بھی اس بزم سخن کے رکن ہوں گے ۔ غرض دہلوی شعرا کی یہ بزم جلد ہی اُجڑ گئی اور تلاش معاش کے لیے ہر ایک کو سرگرداں ہونا پڑا ۔

حیدر آباد کا سفر :

سالک کے چچا نیاز بہادر خاں شہید خاک دکن میں آرام کررہے تھے ۔ دہلی جو ۱۸۵۷ع میں اُجڑ چکی تھی اور جس کی حیثیت اُجڑے دیار کی تھی ، پھر دہلی والوں میں سے ہر ایک کی کوشش یہی تھی کہ وہ خاک وطن سے قریب رہے ۔ داغ رام‌پور میں مقیم تھے اور سالک ، مجروح ، ظہیر وغیرہ الور میں ۔ جب الور کے حالات بگڑے تو مجبوراً ظہیر وغیرہ جے پور پہنچے اور سالک نے حیدرآباد کا راستہ اختیار کیا ۔ حیدر آباد کی سرزمین میں اس کے چچا آسودۂ خاک تھے اور زندگی کے چھ سال سالک نے ابتداءً وہیں گزارے تھے ۔

نواب میر یاور علی خاں بہادر شہاب جنگ صدر المہام علاقہ متفرقات حیدر آباد کی مدح میں جو رائیہ قصیدہ لکھا ہے اس میں دکن سے روانگی اور واپسی کا ذکر اس طرح کرتے ہیں :

چھٹا شش سالگی میں حیدر آباد
بنے یہ شش جہت حیرت کا شش در
مری دشمن مری قسمت رہی ہے
نہ گردش چرخ کی ، نے سیر اختر

---

۱ ۔ قصۂ ممتاز ۔ صفحہ ۳۵۳ ۔

کیا پورا 'زحل' نے ایک دورہ
تو لایا پھر یہاں مجھ کو مقدر

سالک نے واپسی ، زحل کے دورہ پورا ہونے پر ظاہر کی ہے۔ حسابی رو سے یہ مدت صحیح نہیں اس لیے کہ زحل کا دورہ ساڑھے انتیس' سال میں مکمل ہوتا ہے اس لیے عمر کے استدلال سے یہ مسئلہ غلط ہو جاتا ہے ۔ 'کلیات سالک' سے یہ واضح ہوتا ہے کہ وہ ۱۲۸۹ھ میں حیدر آباد آ چکے تھے ۔ میرزا احمد سعید خاں طالب (خلف نواب ضیاءالدین احمد خاں نیر رخشاں) کی شادی پر جو قطعہ کہا ہے اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے ۔ کہتے ہیں :

دور پھینکا اس سے تو نے کیوں مجھے
اے فلک تجھ کو برا کہتا ہوں میں
کیا ہوا آنکھوں سے گر دیکھا نہیں
دل شریک بزم تھا کہتا ہوں میں
بس کہ اس شادی کی عشرت عام ہے
'عشرتِ شادی' بہ 'جا' کہتا ہوں میں

۱۲۸۵ + ۴ = ۱۲۸۹ھ

(کلیات سالک ، صفحہ ۲۸۲)

۱۲۸۹ھ کا ایک اور قطعہ آغا سید علی طوبیٰ[۲] تخلص کے فرزند کی ولادت پر کہا ہے جو حیدرآباد میں مقیم تھے۔قطعے کا آخری شعر ہے :

---

۱ - زحل - ع - (بہ ضم زا و فتح حا) کیوان ، ساتورن ، ایک سیارہ جو مشتری کے بعد سب سے بڑا سیارہ ہے اور تقریباً زمین سے سات سو گنا ہے ۔ اس کے آٹھ چاند ہیں اور ایک نورانی حلقہ اسے احاطہ کیے ہوئے ہے ۔ اس کی حرکت انتقالی ساڑھے انتیس سال ہے ۔

(ترجمہ فرہنگ عمید ، صفحات ۶۵۶ ، ۶۵۷)

۲ - دیکھیے 'تزک محبوبیہ' ۔ جلد دوم دفتر ہفتم صفحہ ۱۰۹) ۔

مصرع تاریخ ظہورش ببیں
خرمی گلشن طوبیٰ بود
۱۲۸۹ھ

۱۲۹۰ھ[1] (مطابق ۷۳ - ۱۸۷۴ع) کی ایک مثنوی ہے جو نواب میر یارو علی خاں کی لڑکی کے فوت ہونے پر جمادی الاول کو کہی تھی - اس طرح یہ بات تیقن سے کہی جا سکتی ہے کہ ۱۸۷۲ع میں سالک حیدرآباد پہنچ گئے تھے - نواب میر یاور علی خاں اس وقت صدر المہام نظم امور تعمیرات وغیرہ متفرقہ تھے - انھیں ۱۲۹۱ھ (۱۸۷۴ع) میں خطاب خانی اور بہادری اور شہامت جنگ ملا تھا - مؤلف 'تزک محبوبیہ' کا بیان ہے :

''جب حیدرآباد دکن آئے - صیغۂ تعلیمات میں سررشتہ داری کی خدمت پر ماٗمور رہے -'' ('تزک محبوبیہ' جلد دوم دفتر ہفتم صفحات ۷۹ و ۸۰) -

مؤلف 'خمخانۂ جاوید' قیام دکن کی یہ وجہ بتاتے ہیں کہ آن کے چچا رن بہادر خاں حیدرآباد میں مقیم تھے ، سالک اپنے چچا کے پاس رہتے تھے - ملاحظہ ہو ؟

''حضرت سالک کا قیام دکن میں بہت زیادہ رہا کیوں کہ آپ کے چچا رن بہادر خاں خانگی قضیے سے مجبور ہو کر دہلی سے حیدرآباد چلے گئے اور وہاں نواب تاڑبن کی ملازمت کرنے کے بعد خانہ داماد ہوگئے - سالک بھی اپنے چچا کے پاس رہتے تھے - یہی وجہ ہے کہ حیدرآباد

---

۱ - صفحات ۲۸۴ تا ۲۸۶ ، کلیات سالک -

۲ - دیکھیے 'تزک محبوبیہ' جلد اول ، صفحہ ۱۴ - جلد دوم صفحات ۱۱ ، ۱۲ -

دکن میں آپ کے تلامذہ کی تعداد کافی ہے ۔‘‘

(خمخانۂ جاوید ج ۴ صفحہ ۳۹)

اس روایت کی تائید کسی اور بیان سے نہیں ہوتی کہ سالک اپنے چچا رن بہادر خاں کے پاس رہتے ہوں ۔ غالب نے ان کے چچا کی تعزیت ایک خط میں کی ہے ۔ بہ ظاہر ان کے چچا نیاز بہادر خاں زندہ نہ تھے ، ہاں سالک کے والد کے شناسا حیدرآباد میں کافی تھے ، پھر ۱۸۵۷ع کے بعد بہت سے مشاہیر دہلی اور اودھ اور حیدر آباد میں قیام پر مجبور ہوگئے تھے اور سالک کی ملازمت میں ان کی کوششیں شامل ہوں گی ۔ غالباً سید حسین بلگرامی (عماد الملک) ناظم تعلیمات کی امداد سے سر رشتۂ تعلیم میں ملازمت ملی ہوگی ۔

رسالہ مخزن الفوائد :

سالک رام کی رائے ہے کہ رسالہ ’مخزن الفوائد‘ سالک نے بہ سرپرستی مولوی سید حسین بلگرامی جاری کیا تھا ۔ آن کا بیان ہے:

> ’’اول اول یہ حیدرآباد میں صیغۂ تعلیمات میں سررشتہ دار مقرر ہوئے اور اسی زمانے میں ناظم تعلیمات نواب عمادالملک بہادر مولوی سید حسین بلگرامی کی سرپرستی میں ایک رسالہ ’مخزن الفواعد‘ جاری کیا ۔ یہ رسالہ مدتوں اردو علم و ادب کی خدمت کرتا رہا ۔‘‘

(تلامذۂ غالب ، صفحہ ۱۶۱)

اس کی تائید رسالۂ ’’مخزن الفوائد‘‘ سے نہیں ہوتی ۔ اس میں سالک کے مضامین ضرور چھپے ہیں لیکن ٹائٹل پر سید حسین کا نام مدیر کی حیثیت سے نظر آتا ہے ۔ یہ الگ بات ہے کہ سالک رسالے کی ترتیب میں عمادالمک کے شریک ہوں ۔ اس سلسلے میں نصیرالدین ہاشمی کی رائے زیادہ وزنی ہے ۔ وہ لکھتے ہیں :

رسالہ مخزن[1] الفوائد :

''مولوی سید حسین بلگرامی(نواب عماد الملک نے ۱۲۹۱ھ میں اس نام سے ایک رسالہ شائع فرمایا تھا ، جو علمی اخلاق مضامین پر مشتمل تھا ۔ تاریخ ، فلسفہ ، سائنس ، ادب ، اخلاق وغیرہ کے اچھے اچھے مضامین شائع ہوتے تھے ۔ اس کے مضمون نگار نواب محسن الملک ، نواب سرور جنگ ، مولوی مشتاق حسین وغیرہ اصحاب تھے ۔ رسالہ جلد اول نمبر ۹ ، ماہ ذی الحجہ ۱۲۹۱ھ کے مضامین کی فہرست نمونۃً درج کی جاتی ہے :

مضمون	مضمون نگار
صحت	سید باقر علی خاں بہادر
پانی اور ہوا کا بیان	(مؤلف سید حسین بلگراسی)
اردو معلا	مرزا قربان بیگ سالک
امام مہدی جعلی	مشتاق حسین
داستان نہم نیرنگ زمانہ	آغا مرزا بیگ
سلطنت اسلامیہ	سید مہدی علی''

(دکن میں اردو مع اضافہ آندھرا میں اردو، صفحات ۶۰۲ ، ۶۰۳)

سالک نے ۱۲۹۳ھ (مطابق ۱۸۷۶ع) میں اپنے چھوٹے بھائی شمشاد علی بیگ رضوان کے انتقال کی خبر سنی ۔ بھائی قوت بازو ہوتا ہے ، پھر اس چھوٹے بھائی کو سالک نے اولاد کی طرح رکھا تھا ۔ اس صدمۂ عظیم نے سالک کے اطمینان قلب کو

---

۱ - ''مخزن الفوائد'' کے دس پرچے ۹۱ - ۱۲۹۲ھ (۷۴ - ۱۸۷۵ع) کے سکرسی احسان دانش صاحب کی لائبریری میں موجود ہیں ۔ (مرتب)

رخصت کر دیا ۔ حیدرآباد کے قیام نے انھیں وطن سے سیکڑوں میل دور کر رکھا تھا ۔ وہ بھائی کی صورت بھی نہ دیکھ سکے ۔ 'کلیات مالک' میں ترکیب بند اور رباعیات اس کے دلی تاثرات کی ترجمان ھیں ۔ غالب کے مرنے پر اس نے پہلا مرثیہ (ترجیع بند) لکھا تھا ۔ وہ استاد کا مرثیہ تھا ، اس میں بھی درد و غم کا اظہار کیا گیا ھے ۔ لیکن بھائی کے مرنے کا مرثیہ (ترکیب بند) اردو ادب میں بلند مرتبہ رکھتا ھے ۔ اس کا یہ بیان واردات قلبی کا ترجمان ھے :

فرقِ جوان و پیر نہیں روزگار کو
بھائی کو موت آئی رھا میں بچا ھوا
وہ بھائی جس پہ جانِ گرامی نثار ھو
وہ بھائی جس کا صدمۂ غم بار بار ھو

اس کا بھائی کی موت پر یہ کہنا کہ تو نے مجھ سے حیدر آباد آنے کا وعدہ کیا تھا ، اب وہ تیرا عھد و پیمان کہاں گیا ، شدت غم کا نہ درجۂ اتم اظہار کرتا ھے ۔ ملاحظہ ھو :

ملنے کا مجھ سے وعدہ کیا تھا وہ کیا ھوا
آنے کا میرے پاس وہ پیماں کدھر گیا
آنے کا وعدہ مجھ سے کیا اور پھر نہ آے
برعکسِ مدعا ھوئے کیوں تم نے کیا کیا

پھر لوگوں کی عیادت کا بیان کرتے ھیں :

احباب ذکر کرتے ھیں شمشاد بیگ کا
حیرت سے منہ نہ کیوں کہ تکوں ایک ایک کا

مرتے دم صورت نہ دیکھنے کا جو داغ دل پر ھے اس کا بیان کتنا اثر انگیز ھے :

بھائی کو مرتے دم بھی نہ دیکھا غضب ہوا
دھلی دکن سے جا نہ سکا کیا غضب ہوا

سالک وطن سے نکل کر عسرت اور تنگ دستی سے نجات پاچکے تھے اور شہرت کے مدارج طے کر رہے تھے ۔ حیدرآباد دکن میں اُن کے سیکڑوں شاگرد ہو چکے تھے فارسی اور اردو شاعری میں وہ غالب کے جانشین مانے جا چکے تھے - ۱۲۹۶ھ (۱۸۷۹ع) میں 'تذکرۂ روز روشن' کے لیے جب مظفر حسین صبا نے جمیل احمد جمیل سہسوانی کو سالک کے حالات اور کلام فراہم کرنے کی تکلیف دی تو سالک نے جمیل کو فارسی کلام اور حالات مختصراً لکھ کر بھیجے ۔ وہ اُس وقت صبا کو ملے کہ تذکرۂ روز روشن باب شین تک طبع ہو چکا تھا اس لیے قربان علی کے تحت اس کے حالات درج کرتے ہوئے صبا نے ۱۲۹۶ھ میں لکھا کہ :

"اب شہر حیدرآباد میں وہاں کے رئیس کی ملازمت سے معزز ہے اور ستاونویں سال میں داخل ہو رہا ہے ۔"

(ترجمہ روز روشن صفحہ ۵۵۴)

وفات :

سالک بہ حساب شمسی چھپن سال کی عمر میں ۱۲۹۷ھ مطابق ۱۸۸۰ع میں معمولی علالت کے بعد اس جہان سے رخصت ہوئے ۔ اُن کا کلیات طبع ہو رہا تھا اور اُس میں ۱۲۹۷ھ (مطابق ۱۵ دسمبر ۱۸۷۹ع تا ۳ دسمبر ۱۸۸۰ع) کے قطعات تاریخی موجود ھیں ۔ قطعات تاریخ ' کلیات سالک' سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ سالک بہ قید حیات ھیں اس لیے کہ اس میں ان کی وفات کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں ۔ اس سے یہ قیاس ہوتا ہے کہ آخر ۱۲۹۷ھ یعنی نومبر تا ۳ دسمبر ۱۸۸۰ع میں وہ اس جہان فانی سے رخصت ہوئے ۔ غلام حسنین قدر بلگرامی نے جو قطعۂ تاریخ وفات

کہا ہے ، وہ یہ ہے :

اے قدر خواجہ تاش ما نواب قربانِ علی
سالک تخلص دهلوی ، معجز نگار افسوس مرد
مصراعِ تاریخِ وصال اندر رجز آمد مذال
نواب قربانِ علی سالک هزار افسوس مرد

۱۲۹۷ھ

(کلیات قدر بگرامی صفحہ ۳۵۴)

لیکن مؤلف 'تزک محبوبیہ'[1] نے ۶۵ برس کی عمر میں ۱۲۹۸ھ (۴ دسمبر ۱۸۸۰ع تا ۲۲ نومبر ۱۸۸۱ع) میں انتقال ظاہر کیا ہے ۔

تذکرہ 'طور کلیم'[2] اور تذکرہ 'بزم سخن'[3] جو ۱۲۹۷ھ (۷۹ــ۱۸۸۰ع) میں مرتب ہوئے اور ۱۲۹۸ھ میں چھپے ہیں آن میں بھی سالک کو زندہ ظاہر کیا گیا ہے ۔ مؤلف خمخانۂ جاوید کے بہ قول سالک نے آخر ۱۸۷۹ع میں انتقال کیا ۔ مالک رام کہتے ہیں کہ ۵۷ برس کی عمر میں ۱۸۸۱ع (۱۲۹۷ھ) میں حیدر آباد میں وفات پائی ۔ مالک رام کی رائے ۱۸۸۱ع اس لیے غلط ہے کہ ۱۸۸۱ع مطابق ۹۹ــ۱۲۹۸ھ ہوتی ہے ۔ آنھوں نے قدر بلگرامی کا مصرع ''نواب قربان علی سالک ہزار افسوس مرد '' نقل کیا ہے اور سنین ہجری ۱۲۹۷ھ ظاہر کیے ہیں اس لیے ۱۸۸۱ع سہو قلم معلوم ہوتا ہے ۔ اب مؤلف تزک محبوبیہ اور مؤلف تذکرۂ طورکلیم اور مؤلف تذکرۂ بزم سخن کے اقوال رہ جاتے ہیں کہ سالک کا انتقال ۱۲۹۸ھ

---

۱ - 'تزک محبوبیہ' (جلد دوم) دفتر ہفتم صفحہ ۷۹ -

۲ - 'طور کلیم' از سید نورالحسن خان ، صفحات ۴۸ تا ۵۰ - (مطبع مفید عام آگرہ ۱۲۹۸ھ)

۳ - 'بزم سخن' از سید علی حسن خاں ، صفحات ۵۶ ، ۵۷ - (مطبع مفید عام آگرہ ۱۲۹۸ھ)

میں ہوا یا وہ ۱۲۹۸ھ میں زندہ تھے - 'طور کلیم' اور 'بزم سخن' ۱۲۹۷ھ میں مکمل ہوگئے تھے - جلیل احمد سہسوانی جنھوں نے سالک کے حالات تذکرۂ 'روز روشن' کے مؤلف کو ۱۲۹۶ھ میں ارسال کیے تھے ، اُن کا قطعہ تاریخ تالیف تذکرۂ بزم سخن کے بارے میں ۱۲۹۷ھ کا ھے - ملاحظہ ہو :

ھے سزاوار ثنا طبع سلیم نامور
ریختے میں تذکرہ کیا خوب برجستہ لکھا
بے تکلف میں نے بھی تاریخ میں اُس کی جمیل
جاں فزا اشعار و دل آویز گل دستہ لکھا

۱۲۹۷ھ

حافظ خان محمد خان شہیر شاگرد غالب کے قطعہ تاریخ کے آخری مصرع سے ۱۲۹۷ھ برآمد ہوتے ہیں : ع

اگر از 'سفینہ منتخب' بدر آورد سن سال او

۱۲۹۷ھ

جلیل احمد جلیل سہسوانی کے قطعے سے یہ بھی واضح ہوتا ھے کہ ۱۲۹۷ھ میں طباعت شروع ہوگئی تھی - قطعے کا عنوان ھے :

''تاریخ طبع از منشی جلیل احمد سہسوانی'' :

تذکرہ ھے سلیم کا بے مثل
اور مری لاجواب ھے تاریخ
زبر و بینہ میں کہہ دے جلیل
بے بدل انتخاب ھے تاریخ

۱۲۹۷ھ

اسی طرح عبدالعزیز عزیز اور یاور علی یاور بریلوی کے قطعات تاریخ سے ۱۲۹۷ھ برآمد ہوتے ہیں :

نام اس تذکرے کا ''بزم سخن'' ہے جو عزیز
سال تاریخ لکھی (لکھا) میں نے بھی ''بزم مرغوب''

۱۲۹۷ھ

بلبل طبع نے کہا ''یاور''
ہے مکرر گلشن گل اشعار

۱۲۹۷ھ

(تذکرہ بزم سخن صفحات ۱۱۴ تا ۱۲۶)

تذکرہ ''طور کلیم'' کے قطعات سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ تذکرہ ۱۲۹۷ھ میں مکمل ہوکر چھپنے لگا تھا ، اس لیے ان دونوں تذکروں سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ سرورق پر جو تاریخ طباعت ۱۲۹۸ھ مطابق ۱۸۸۱ع درج ہے ، وہی تاریخ تالیف بھی ہوگی ، درست نہیں۔ سید نورالحسن خاں اور سید علی حسن خاں نے سالک کا حال ۱۲۹۷ھ (۱۸۸۰ع) کے آغاز میں لکھا ہے یا اس سے پہلے یا آخر ۱۲۹۶ھ میں (۱۸۷۹ع) اور اس وقت سالک زندہ تھا۔ اسی لیے دونوں تذکروں میں اس کا ذکر بہ حیثیت زندہ شاعر درست ہے۔ مؤلف خمخانۂ جاوید نے بھی قدر بلگرامی کے مصرع تاریخ کا حوالہ دیا ہے مگر سنین ہجری اور عیسوی کے مطابقت نہ کی اور غلطی سے ۱۸۷۹ع لکھ گئے۔ جیسا کہ ہم پہلے بحث کرچکے ہیں کہ یکم محرم ۱۲۹۷ھ مطابق ۱۵ دسمبر ۱۸۷۹ع ہے اور سلخ ذی حجہ ۱۲۹۷ھ (۳ دسمبر ۱۸۸۰ع)۔ اگر یہ کہا جائے کہ سالک کا انتقال ۱۵ اور ۳۱ دسمبر کے درمیان بھی ہوسکتا ہے تو اس کی تردید سالک کے آن قطعات سے ہو جاتی ہے جو اس نے ۱۲۹۷ھ میں کہے ہیں۔

اس طرح یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ سالک کا انتقال بعد وسط ۱۲۹۷ھ (جون ۱۸۸۰ع) ہوا اور غربت کی جس موت کا اسے احتمال تھا وہ حقیقت بن گئی !

عدم شہید پاس بنے گا مزار کیا
مٹی الٰہی کیا مری خاک دکن سے ہے

نیاز بہادر خاں شہید کے متعلق اسی شعر کے تحت لکھا گیا ہے کہ اُن کا مزار حوالی حیدرآباد میں ہے ۔ سالک بھی اپنے چچا کے پاس میٹھی نیند سوگئے ۔

گل رعنا اور تاریخ ادب (از رام بابو سکسینہ) وغیرہ میں ۱۲۹۱ھ تاریخ وفات قطعاً غلط ہے ۔

اولاد :

غلام صمدانی خاں گوہر مؤلف تزک محبوبیہ (ج ۲ دفتر ہفتم) اولاد کے بارے میں لکھتے ہیں :

''آپ کے اکلوتے فرزند محمد مرزا المتخلص بہ عابد دفتر ہوم سکریٹری حیدرآباد میں محافظ دفتر تھے ۔ پانچ چھ سال ہوتے ہیں کہ وظیفہ لے کر دھلی میں بود و باش اختیار کی ۔''

لیکن اُن کی یہ روایت غلط ہے ۔ سالک کے دو لڑکے تھے ۔ خمخانۂ جاوید کے مؤلف کا بیان ہے :

''دو بیٹے یادگار چھوڑے ؛ عابد فرزند کلاں کو انتقال کیے ہوئے پانچواں برس ہے''۔

(خمخانۂ جاوید ، ج ۴ ، صفحہ ۳۹)

دوسرے بیٹے کا نام مالک رام کے بیان سے واضح ہوتا ہے :

''دو بیٹے تھے ، بڑے محمد مرزا خاں عابد یہ مدتوں ریاست حیدرآباد میں ملازم رہے ۔ چھوٹے حیدر مرزا ، یہ بھی شاعر تھے ، قلندر تخلص تھا ۔''

(تلامذۂ غالب ، صفحہ ۱۴۱)

حیدر مرزا کے بارے میں تذکرے خاموش ہیں، البتہ "مذاق سخن" جو حافظ آغا جان احسن دہلوی (خلف میرزا انور اللہ بیگ کابلی مولد، دہلی مسکن) کی تصنیف ہے، اس میں احسن نے تذکرۂ سراپا سخن سے متاثر ہو کر سراپا سے متعلق غزلیں کہی ہیں۔ حیدر مرزا نے حیدر تخلص کے تحت قطعۂ تاریخ کہا ہے۔ قطعہ مع عنوان ملاحظہ ہو:

قطعۂ تاریخ فارسی فی الطبع، از فکر شاعر نوجوان، جادو بیان، سخن گو و سخن دان جناب نواب حیدر مرزا صاحب حیدر تخلص، خلف اصغر جناب نواب مرزا قربان علی بیگ صاحب سالک تخلص مرحوم که شہرۂ آفاق۔ مصرع آخر به دو صنعت موزوں شد که سن ہجری و سال عیسوی ازو عیاں باشند:

سراپاے احسن بدیدیم حیدر
که عشق بتاں زو شود آشکارا
مسیحی و ہجری ز تاریخ طبعش
بسفتیم ہم درِ دو مدعا را
به یک مصرعِ خویش کردیم باہم
به دو صنعت خوب معجز نما را
زسالِ مذاقِ سخن بر شماری
ᐟدو جیم و دو میم و دوتا و دو ثارا

۱۸۸۶ع — ۱۳۰۴ھ

("مذاق سخن" صفحات ۵۳، ۵۴)

۱۔ ۱۳۰۴ھ ملفوظی اعداد سے برآمد ہوتے ہیں اور ۱۸۸۶ع۔ ج = ۳ × ۲ = ۶، م = ۴۰ × ۲ = ۸۰، ت = ۴۰۰ × ۲ = ۸۰۰، ث = ۵۰۰ × ۲ = ۱۰۰۰، مجموعہ ۱۸۸۶ع (مرتب)

حیدر نے اپنے والد (سالک) سے اصلاح لی یا اپنے بھائی (عابد) سے ، اس سلسلے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا ۔ ۱۸۸۶ع میں اسے نوجوان کہا گیا ہے ۔ نوجوانی کی حدود وسیع ہیں ۔ ہوسکتا ہے کہ ابتدا میں حیدر تخلص کے تحت جو کچھ کہا ہو اس پر سالک یا عابد سے اصلاح لی ہو ۔ بعد میں آزاد روی کی وجہ سے قلندر تخلص اختیار کیا ہو ۔ سالک کی کسی اور اولاد کا بیان کسی نے نہیں کیا ہے ۔ یہ بھی معلوم نہیں کہ اس کی شریک حیات کا کیا نام تھا اور کس خاندان سے تھیں ۔ قدیم رواج کے مطابق بیش‌تر شادی خاندان ہی میں ہوا کرتی تھی ۔ اغلب خیال یہ ہے کہ وہ خاندان ہی سے ہوں ۔

تالیفات :

لالہ سری‌رام کے بقول ان کے بیٹے عابد نے دیوان ''میخانۂ سالک'' ترتیب دے کر چھاپا تھا ۔ یہ دیوان نظر سے نہیں گذرا ۔ البتہ سالک کی زندگی میں پہلی بار اس کا کلام ''ہنجار سالک'' کے نام سے مطبع بدرالدجیٰ دہلی میں ۱۸۷۱ع میں چھپا تھا ۔ دوبارہ یہ دیوان ''کلیات سالک'' کا جزو ہو کر چھپا ۔ ۱۸۷۱ع کے بعد کا کلام اس میں آ جاتا ہے ، یہاں تک کہ ۱۲۹۷ھ کے قطعات بھی اس میں شامل نظر آتے ہیں ۔ غالباً طباعت ''کلیات سالک'' کے کچھ دن بعد ''سالک'' کا انتقال ہوگیا ۔ ''کلیاتِ سالک'' اکمل المطابع دہلی میں بہ اہتمام سید فخرالدین طبع ہوا تھا ۔ اس کے ۳۸۰ صفحات ہیں ۔ صفحات ۳۷۹ ، ۳۸۰ پر صحیح نامہ چھپا ہے ۔

مجلس ترقی ادب لاہور میں ''ہنجار سالک'' ناقص موجود ہے ۔ ''کلیات سالک'' کے دو نسخے ہیں، ایک ناقص الآخر اور دوسرا کامل (جس کا ورق آخر نہیں) ۔ کہا جاتا ہے کہ مطبع نول کشور سے بھی سالک کا دیوان شائع ہوچکا ہے لیکن میری نظر سے ''میخانۂ سالک''

یا ''دیوان سالک'' کا کوئی اور نسخہ نہیں گزرا ہے ۔

اس کے علاوہ سالک کی تقریظات ہیں اور مضامین ، جو ''مخزن الفوائد'' میں چھپے ہیں ۔ سالک کا فارسی کلام بھی کافی ہوگا لیکن وہ کبھی چھپا نہیں ۔ تذکرۂ ''روز روشن'' میں منتخب اشعار ملتے ہیں ۔

معاصرین :

سالک کے معاصرین میں دہلی کے آخری دور کے تمام مشاہیر آجاتے ہیں ۔ اس نے حافظ عبدالرحمٰن احسان (متوفی ۱۲۶۷ھ ۵۰ - ۱۸۵۱ع) سید نظام الدین ممنون (متوفی ۱۲۶۰ھ - ۱۸۴۴ع) شاہ نصیر (متوفی ۱۲۵۴ھ - ۱۸۳۸ع) مرزا اسد اللہ خاں غالب (متوفی ۱۸۶۹ع)حکیم محمد مومن خاں مومن (متوفی ۱۲۶۸ھ - ۱۸۵۲ع) محمد ابراہیم ذوق (متوفی ۱۲۷۱ھ - ۱۸۵۴ع) مفتی صدرالدین آزردہ (۱۸۶۸ع)مولوی فضل حق خیرآبادی(۱۲ صفر ۱۲۷۸ھ۔اگست ۱۸۶۱ع) حکیم احسن اللہ خاں ۔ حکیم محمود خاں ۔ مولوی امام بخش صہبائی (متوفی ۱۸۵۷ع) وغیرہ جیسے اکابرین کو دیکھا ۔ بعضوں سے فائدہ اٹھایا ۔ ان کے علاوہ بعض خواجہ تاش بھی مشاہیر آدبا میں شمار ہوتے تھے ، جیسے محمد مصطفیٰ خاں شیفتہ (۱۲۸۶ھ - ۱۸۶۹ع) نواب زین العابدین خاں عارف (۱۲۶۸ھ - ۱۸۵۲ع) میرحسین تسکین (۱۲۶۸ھ - ۱۸۵۲ع)وغیرہ۔ سرسیداحمد خاں ۔ مولانا محمدحسین آزاد۔ میر مہدی حسین مجروح ۔ مولانا الطاف حسین حالی وغیرہ ایسے معاصر ہیں جو سالک کے بعد زندہ رہے اور نام روشن کیا ۔

احباب :

سالک کے احباب کی فہرست بہ آسانی کلیات سالک سے فراہم ہوجاتی ہے ۔ تفضل حسین کوکب (شاگرد غالب) اس کے دوست دلی تھے ۔ حکیم ببر علی خاں بھی اس کے پرانے ساتھی تھے ۔ حکیم محمود خاں سے بھی خصوصی تعلقات تھے۔کشتۂ مرجان کی طلبی کے

لیے ایک قطعہ انھیں لکھا ہے۔ نواب ضیاءالدین احمد خاں نیر رخشاں ، کرم اللہ خاں شیدا ، سید احمد سالم ، سید علی طوبیٰ شوستری ، سرفراز علی وصفی (شاگرد وحید الہ‌آبادی) وغیرہ بے شمار احباب نظر آتے ہیں ۔ وہ شاگردوں سے بھی دوستانہ تعلقات رکھتے تھے ، جس کا اندازہ قطعات تاریخ شادی و ولادت وغیرہ سے ہوتا ہے۔ ہر سلسلے میں مزید بحث طوالت کا باعث ہوگی ۔

شاگردان سالک :

سالک اپنے معاصرین میں کثرت تلامذہ کے لحاظ سے ممتاز نظر آتے ہیں ۔ اگرچہ امیر مینائی اور داغ بھی اسی ذیل میں آتے ہیں لیکن یہ دونوں بیس پچیس برس بعد تک زندہ رہے ۔ سالک کے شاگرد بیش تر حیدر آباد میں تھے ۔ مؤلف ''تزک محبوبیہ'' کہتے ہیں :

> ''اس وقت حیدر آباد دکن میں جناب سالک مرحوم کے سیکڑوں شاگرد ہیں ۔''

(تزک محبوبیہ جلد دوم، دفتر ہفتم، صفحہ ۹۷ ، تالیف غلام صمدانی خاں گوہر ، مطبوعہ نظام المطابع پریس حیدر آباد دکن) ۔

حیدر آباد میں سالک نو سال جیے ۔ نو سال کی مدت میں سیکڑوں شاگردوں کا ہونا اُن کی مقبولیت کا بین ثبوت ہے ۔ پھر ان شاگردوں میں ایسے افراد ہیں جن کا علمی صلاحیتوں کی وجہ سے مشاہیر میں شمار ہوتا ہے ۔ ذیل میں ان کے کچھ شاگردوں کا مختصراً ذکر کیا جاتا ہے :

۱ ۔ انعام تخلص ، انعام اللہ بیگ نام ، متوطن دھلی ، سالک کے شاگرد تھے ۔ ضیغم کا بیان ہے :

> ''مرزا قربان علی بیگ سالک مرحوم کے شاگرد ہیں ۔ ان کے استاد یعنی سالک مرحوم حیدر آباد دکن میں آئے تھے ۔ کسی خدمت پر ملازم تھے ۔ چار پانچ برس کا

زمانہ ہوا کہ اس جہاں سے رحلت کی ۔ انھوں نے
آن کے نام کو روشن کیا ہے ۔ فی‌الحال مدرس گورنمنٹ
اسکول دہلی ہیں ۔ یہ کلام ہے :

وہ گئے غیر کے گھر اور یہاں ہم شب کو
صبح تک لیتے رہے راہ گذر کی آہٹ“ (یادگار ضیغم)

۲ ۔ بخشی تخلص، محمد علی (میر) نام بھی سالک سے مشورۂ سخن کرتے تھے ۔ مؤلف تزک محبوبیہ کا بیان ہے :

”۲۰ ربیع الاول ۱۲۸۰ھ میں پیدا ہوئے ۔ عربی، فارسی میں اچھی مہارت ہے ۔ ابتداً حضرت سالک دہلوی سے تلمذ رہا، بعد آن کے انتقال کے کچھ روزوں میر عباس حسین ششدر کو اپنا کلام دکھلاتے تھے، مگر اس وقت مولوی میر نادر علی صاحب برتر سے اصلاح سخن ہے ۔ کلام اچھا ہوتا ہے :

میں نے شب وصال میں اتنی خطا تو کی
مجبوریوں سے منت پیک قضا تو کی“

(تزک محبوبیہ، جلد دوم، دفتر ہفتم، صفحات ۲۷، ۲۸)

۳ ۔ بیدل تخلص، محمد عبدالرحیم خاں نام بھی سالک سے اصلاح لیتے تھے ۔ ۱۸۶۷ع کے متصل وہ امراؤ مرزا انور تخلص سے مشورہ کرتے تھے ۔ گلدستۂ انجمن دہلی میں آن کا ذکر بہ‌حیثیت شاگرد انور ہے، لیکن بعد میں سالک سے اصلاح لینے لگے ۔ مؤلف ”خمخانۂ جاوید“ وضاحت کرتے ہیں :

”مولانا مولوی محمد عبدالرحیم خاں صاحب بیدل دہلوی، سابق ڈپٹی اکونٹنٹ جنرل ریاست حیدرآباد دکن و رئیس دہلی ۔ مولوی محمد تقی خاں صاحب مغفور کے خلف اصغر اور سید امراؤ مرزا صاحب انور مرحوم کے

ارشد تلامذہ میں ہیں ۔ سالک مرحوم سے بھی اصلاح لی ہے ۔ ۳۰ برس تک ریاست حیدرآباد دکن میں عہدہ ہائے جلیلہ پر ممتاز رہے ، اب پنشن لے کر وطن میں خانہ نشین ہیں ۔ کلام میں سوز و گداز ہے :

تھا جرعۂ حقیقت عقل و خرد کا دشمن
جب سے خبر ملی ہے رہتا ہوں بےخبر سا

تھا جواب آپ کی شکایت کا
ورنہ شکوہ ہمارا کام نہیں"

(خمخانۂ جاوید ، جلد اول ، صفحہ ۴۷۶ - سخن شعرا صفحہ ۵۷ -
گلدستۂ انجمن ۱۲۸۴ھ ، صفحات ۶ ، ۷)

۴ - پیر تخلص ، قمرالدین نام ، عرف پیر جی ، متوطن دہلی ، سالک اور غالب دونوں سے اصلاح لیا کرتے تھے ۔ معلمی اور کتب فروشی پر گذارا تھا - ۱۲۹۸ھ (۱۸۸۰ع - ۱۸۸۱ع) میں انتقال ہوا ۔ مشاعرۂ دہلی ۱۲۹۷ھ (مطبوعہ مطبع صادق الانوار بہاول پور) میں ان کا تخلص پیرجی لکھا ہے :

بیاں کیوں کر ہو دکھ مجھ سے ستم گر سوز پنہاں کا
کہ تیرے ہجر میں کیا حال ہے میرے دل و جاں کا

وہ کیا غیر سے رشتۂ مہر توڑیں
کہ یہ بھی نزاکت کے شایاں نہیں ہے

(خمخانۂ جاوید ج ۲ ، صفحہ ۱۳ - تلامذۂ غالب ، صفحہ ۵۸)

۵ - حشم تخلص ، کرپا شنکر نام ، پیشہ ڈاکٹری ۔ یہ بھی سالک کے شاگرد تھے ۔ کلام اچھا ہے ؛ یہ بیان لالہ سری رام کا ہے ۔ ایک شعر ملاحظہ ہو :

رہتی ہے تیری زلف پریشان رات دن
کیا صبر پڑ گیا مرے حالِ تباہ کا
(خمخانۂ جاوید ج ۲ صفحہ ۱۷۴)

۶۔ سجاد تخلص ، سجاد مرزا نام ، باپ کا نام ناظر حسین مرزا خلف نواب حسام الدین حیدر خاں ، نامی تخلص ۔ بہ قول مالک رام سجاد مرزا کو گویا امارت کے ساتھ شاعری بھی ورثے میں ملی تھی :

''اوائل میں غالب سے اصلاح لی اور آن کی وفات کے بعد آن کے متعدد دوسرے شاگردوں کی طرح سالک سے مشورہ کرتے رہے ۔ غزل کے علاوہ مرثیہ بھی خوب لکھتے تھے۔ ۱۸۷۷ع (۱۲۹۳ھ) میں گھوڑے سے گر کر وفات پائی ۔ میرزا عبدالغنی نے تاریخ کہی ۔ ع

''بیٹھ کر ''رنج و غم'' سے کھینچوں آہ''

(''رنج و غم'' کے اعداد ۱۳۰۰ سے ''آہ'' (۷) کا تخرجہ ہے جس سے ۱۲۹۳ برآمد ہوتے ہیں) ۔ دوسری تاریخ میر شاہ جہاں کامل نے کہی :

''ہے ہے ز پشتِ اسپ افتادہ''

مالک رام نے وفات کے بارے میں جو رائے دی ہے اس میں دھوکا کھایا ہے ۔ ''رنج و غم'' کے اعداد ''و'' کو ملا کر ''۱۲۹۹'' ہوتے ہیں ۔ ''آہ'' کے عدد چھ ہوتے ہیں ، آس کے تخرجہ کے بعد ۱۲۹۳ھ رہ جاتے ہیں ۔ یکم محرم ۱۲۹۳ھ (مطابق ۲۸ جنوری ۱۸۷۶ع) اور یکم محرم ۱۲۹۴ (مطابق ۱۶ - جنوری ۱۸۷۷ع) ہے ۔ اگر انتقال ۱۵ یا ۲۹ ذی الحجہ ۱۲۹۳ھ کے درمیان ہوا ہو تب یکم جنوری ۱۸۷۷ع یا ۱۵ جنوری ۱۸۷۷ع ہوگی ۔ سجاد مرزا کا مدفن دھلی میں ہے ۔

"خمخانۂ جاوید" میں ۱۸۰۷ع تاریخ انتقال سہو قلم ہے اور غالباً اس کی تصحیح کرتے ہوئے "نادرات غالب" میں ۱۸۷۰ع میں انتقال ظاہر کیا گیا ہے جو قطعۂ تاریخ کے خلاف ہے ۔ بہ ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ آخری ذی‌الحجہ ۱۲۹۳ھ (نومبر دسمبر ۱۸۷۶ع) میں سجاد کا انتقال ہوا ہوگا ۔ ایک شعر ملاحظہ ہو :

آپ کے پند و نصائح ہیں بجا سب ناصح
عقل اس وقت میں اک نام ہے بن آئی کا

(تلامذۂ غالب ، صفحات ۱۴۴ تا ۱۴۷ ۔ نادرات غالب ، صفحہ ۱۵۸ ۔ خمخانۂ جاوید جلد چہارم صفحات ۸۲ ، ۸۳) ۔

۷۔ سخنور تخلص ، یعقوب علی (محمد) نام ۔ ساکن سکندر آباد ملازم محکمۂ تعمیرات عامہ حیدرآباد نے بھی سالک سے اصلاح کلام پر حاصل کی تھی ۔ سالک کے علاوہ افضل اور وصفی سے بھی مشورہ کیا تھا ۔ دیوان مائل حیدرآبادی میں یہ قطعۂ تاریخ شامل ہے :

بیان حضرت وصفی کا سب بھرا ہے رنگ
جناب مائل خوش فکر کا کلام ہے یہ
نثار کر سر جاں کو سنیں سخنور لکھ
دکن کا تحفۂ نہیں تحفۂ انام ہے یہ

۱۳۱۵ھ

("حیدرآباد کے شاعر" ، از سلیمان اریب ، جلد دوم ، صفحات ۱۶ تا ۱۸ ۔ دیوان مائل ، صفحہ ۳۴۳ مطبع مفید عام آگرہ) ۔

۸۔ سید تخلص ، اکبر میرزا نام ، ناظر حسین مرزا کے چھوٹے بیٹے اور سجاد مرزا کے چھوٹے بھائی تھے ۔ مؤلف خمخانۂ جاوید لکھتے ہیں :

"آپ نے میر مہدی حسین مجروح سے بھی استفادہ حاصل کیا ۔ میرزا قربان علی بیگ سالک کے بھی

شاگرد رہے .....غدر سے پیش تر دلی میں ان کے وسیع مکانات تھے اور یہ لوگ محلۂ بلی ماراں کی جس حویلی میں رہتے تھے ، اُس کا رقبہ ایک چھوٹے گاؤں کے برابر تھا ۔ اب تک یہ حویلی ان کے دادا حسام الدین حیدر کے نام سے مشہور ہے . . . . سید اکبر مرزا کی سلاست ، سادہ بیانی خدا داد تھی ۔ ہنگام ترتیب تذکرہ میں انتقال کیا ۔ ۷۰ برس سے زائد عمر پائی :

ہمارے دل کو ناصح آپ نے اپنا سا دل جانا
نہ گھائل تیرِ مژگاں کا ، نہ قیدی زلفِ پیچاں کا"

(خمخانۂ جاوید ، ج ۴ ، صفحات ۳۱۰ ، ۳۱۱) ۔

۹۔ شاداں و خیالی تخلص ، حسین علی خاں نام ، نواب زین العابدین خاں عارف کے چھوٹے بیٹے تھے ۔ دو سال کی عمر سے غالب نے پرورش کی ۔ غالب کی زندگی میں اُنھیں سے مشورہ رہا ، اُن کے مرنے پر مولانا حالی سے کم تر اور بیش تر سالک سے مشورۂ سخن رہا ۔ مئی ۱۸۷۶ع میں ان کے بڑے بھائی باقر علی خاں کامل کا انتقال ہونے پر اُنھیں شدید صدمہ ہوا ۔ ریاست رام پور میں بہ زمرۂ شعرا ملازم تھے ، وہاں سے نوکری چھوڑکر گھر آ گئے ۔ کھانا پینا مالیخولیا سے چھوڑ دیا ۔ ۱۸ ستمبر ۱۸۸۰ع (یکم شوال ۱۲۹۶ھ) کو انتقال کر گئے ۔ حضرت محبوب الٰہی میں دفن ہوئے ۔ رضا لائبریری رام پور میں مخطوطہ دیوان ہے :

پردہ اُٹھا ہوا ہے رخِ پر جمال کا
اُڑتا ہے آج رنگ ہمارے خیال کا

کل ہو کے دو چار آس نگہِ شوخ سے یارب
آنکھوں میں ٹھہرتی ہی نہیں میری نظر آج

(خمخانۂ جاوید ج ۴ صفحہ ۳۷۹ - تلامذہ غالب صفحہ ۱۵۹ ، ۱۶۰) -

۱۰- شوق تخلص ، اننددی پرشاد نام نے بھی سالک سے فیض اٹھایا تھا - مؤلف ''تذکرۂ شعرائے ہنود'' کا بیان ہے :

''شوق—ساکن کنج پور ضلع لاہور مقیم دہلی ، شاگرد مرزا قربان علی بیگ سالک ، انگریزی و فارسی اورکچھ سنسکرت بھی دیکھی ہے اور قوم کے کھتری ہیں :

ہو غیر کو جو آفت صد خانماں ہو تم
یاں تو سدا سے بے کس و بے خانماں ہیں ہم

(تذکرہ شعرائے ہنود ، حصہ دوم ، صفحہ ۸۵ از بشاش ، تالیف ۱۲۹۹ھ -)

۱۱- عابد تخلص ، محمد میرزا نام ، سالک کے بڑے بیٹے تھے - ان کی تعلیم و تربیت دہلی میں ہوئی - بچپن میں غالب کے یہاں داستان سننے (جو پنج شنبے اور جمعے کو ہوتی تھی) جایا کرتے تھے - سالک کے ہم راہ یہ بھی حیدرآباد دکن پہنچے - وہاں بہ قول مؤلف تزک محبوبیہ ، ہوم سیکرٹری کے دفتر میں محافظ دفتر تھے - پانچ چھ سال (طباعت تزک محبوبیہ ۱۹۰۳ع) پہلے (تزک محبوبیہ کی تالیف سے) وظیفہ لے کر دہلی میں بود و باش اختیار کی تھی اور خمخانۂ جاوید کی تالیف سے (بہ قول لالہ سری رام) پانچ سال پہلے چالیس سال کی عمر میں انتقال کیا - مؤلف خم خانۂ جاوید نے چالیس سال کی عمر صحیح نہیں لکھی ہے ، اس لیے کہ غالب نے ۱۱ جولائی ۱۸۶۴ع کے خط میں سالک کو لکھا ہے :

''گھر میں تمھارے سب طرح خیر و عافیت ہے ۔ محمد مرزا پنچ شنبے اور جمعے کو داستان کے وقت آ جاتا ہے ۔''

(خطوط غالب صفحہ ۱۱۲)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ محمد مرزا کی عمر ۱۸۶۴ع کو آٹھ نو سال ضرور ہوگی ۔ اس طرح اس کی ولادت آخر ۱۸۵۶ع کے لگ بھگ ہوئی ہوگی ۔ اور سالک کے سوانح کے ذیل میں لالہ سری رام نے لکھا ہے :

''عابد فرزند کلاں کو انتقال کیے ہوئے پانچواں برس ہے ۔''

(خمخانۂ جاوید ج ۴ صفحہ ۳۹)

اس کا تعین دشوار ہے کہ ''پانچواں برس'' سے کون سا سن برآمد ہوگا ۔ لیکن خمخانۂ جوید کی پہلی جلد ۱۹۰۷ع میں اور دوسری جلد ۱۹۰۸ع میں طبع ہوئی تھی ۔ عابد کا ۴-۱۹۰۳ کے لگ بھگ انتقال ہوا ہوگا اور انتقال کے وقت عمر تخمیناً ۴۸ سال تھی ۔ لالہ سری رام کا کہنا ہے کہ عابد نے اپنے والد سالک سے اصلاح لی تھی ۔ عابد خوش گو اور نکتہ سنج شاعر تھے ۔ کلام حیدرآباد آنے جانے کے سلسلے میں ضائع ہوا ۔ مشاعرۂ دہلی ۱۲۹۰ھ میں ان کی طرحی غزل اکیس اشعار کی ملتی ہے ۔ اس کا مطلع ملاحظہ ہو :

فغاں میں بن کے آئے جب زباں پر درد ہجراں کا
تو پھر کس طرح ممکن ہو چھپانا راز پنہاں کا

(خمخانۂ جاویہ جلد پنجم صفحہ ۴۹۳ ۔ مشاعرہ دہلی ۱۲۹۷ھ مطبع صادق‌الانوار بہاول پور صفحہ ۱۴ ۔)

۱۳ ۔ عابد تخلص ، حسین علی نام ، خلف سید محمد ابراہیم بھی سالک سے مشورۂ سخن کرتے تھے ۔ ''فغان دہلی'' میں ان کی غزل ہے ۔ ایک شعر ملاحظہ ہو :

جنس حسرت کے سوا کچھ نہ رہا اب باقی
لٹ گئی غدر میں افسوس دکان دھلی

(فغان دھلی صفحہ ٦٥ - مطبع چشمۂ فیض دھلی ١٢٩٩ھ) -

۱۴- عازم تخلص ، امداد حسین (محمد) نام متوطن حیدرآباد نے بھی سالک سے استفادہ کیا ھے - مؤلف تزک محبوبیہ لکھتے ھیں :

"۱۲۸۱ھ میں بہ مقام اورنگ آباد پیدا ھوئے - . . . آپ کو حسب ضرورت فارسی اور عربی میں لیاقت ھے - گول کنڈہ برگیڈ آفس میں بہ عہدۂ مددگار میر منشی ملازم ھیں - مرزا قربان علی بیگ سالک سے تلمذ تھا - مختصر دیوان بھی غیر مطبوعہ تیار ھے - کلام اچھا ھوتا ھے :

ناصح تو ھم سے باعث خود رفتگی نہ پوچھ
کیا جانے دیکھ آئے ھیں اس انجمن میں کیا
کیوں کر کروں نہ ماتمِ قاصد کا اہتمام
کیا جانے کیا لکھا ھے انھیں اضطراب میں"

(تزک محبوبیہ جلد دوم ، دفتر ھفتم صفحات ١١٥ ، ١١٦) -

۱۵- عاقل تخلص ، محمد رضا علی خاں نام بھی سالک سے استفادۂ سخن کرتے رھے ھیں ، صاحب دیوان مطبوعہ - ان کے والد اصغر علی خاں اصغر ، مومن کے شاگرد تھے - یہ خاندان رام پور سے دھلی چلا گیا تھا - ١٨٩٥ع میں عاقل نے انتقال کیا - سالک نے عاقل کے فرزند کی ولادت پر ایک قطعۂ تاریخی کہا - اس کا آخری شعر یہ ھے :

ظہورش بود خرّمی زاد سالش
بہ جا گفت سالک کہ فرخندہ فرزند

۱۲۸۰—۱۲۸۴ھ   +۴

کلام کا نمونہ یہ ہے :

مجھے قتل کا رنج ہرگز نہیں
یہ غم ہے عدو کا کہا ہوگیا

(نادرات غالب ، صفحہ ۱۶۹)

۱۶ - غمگین تخلص بنارسی داس (منشی) نام ، باشندۂ دھلی بھی سالک کے خوشہ چینوں میں شمار ہوتے تھے - مؤلف 'تذکرہ شعرائے ہنود' لکھتے ہیں :

''غمگین۔شاگرد مرزا قربان علی بیگ سالک جو پادریوں کے مدرسے اور شہری مکتب کے مدرسے اور راجستان ریلوے کے انجینئرنگ کی پیشی کرکے اب خانہ نشین ہیں - یہ شعر ان کے ہیں :

کس طرح چین آئے گا مرقد میں دیکھیے
ہوں ساتھ لے چلا دل پر اضطرار آج

(تذکرۂ شعرائے ہنود ، حصہ دوم ، صفحات ۱۰۷ ، ۱۰۸)

۱۷ - ممتاز تخلص ، ممتاز احمد نام ، متوطن تھانہ بھون نے سالک سے استفادۂ سخن کیا تھا اور آن کے بعد داغ سے -

(یادگار ضیغم ، صفحہ ۳۱۲)

۱۸ - مضطر تخلص ، اسد علی خاں نام، باپ کا نام حکیم ببرعلی خاں - مضطر نے سالک سے زیادہ استفادہ کیا تھا ، وہ قدیم شاگردوں میں تھے - ان کی غزل طرحی گلدستۂ انجمن دھلی (۱۲۸۴ھ) میں شامل ہے - حکیم ببر علی خاں کا ۱۲۹۵ھ (۱۸۷۸ع) میں انتقال ہوا - سالک کے پرانے دوست تھے - ان کا یہ قطعہ تاریخ وفات کلیات سالک میں شامل ہے :

مرگ ببر علی خاں امروز مشتہر شد
بگرفت دھر یاران افسوس موت حاذق

دیرینہ دوست بودہ چوں سالک حزیں را
سال وفات اورا گفتا کہ ''فوت حاذق''

۱۲۹۵ھ

نساخ لکھتے ھیں :

مضطر۔ حکیم اسد علی خاں دھلوی خلف حکیم ببر علی خاں شاگرد مرزا قربان علی بیگ سالک۔ راقم نے ان کو دھلی کے مشاعرے میں دیکھا ھے۔''

مضطر کہنہ مشق شاعر تھے۔''مرتب'' کو یاد ھوتا ھے کہ رسالہ ''کمال دھلی'' ۱۹۱۰ع میں ایک غزل مضطر کی شائع ھوئی تھی اور دعویٰ یہ تھا کہ سب سے بہتر غزل ھے۔ ''نیرنگ'' رام پور نے اس دعوے کی تردید کی تھی۔ بہر حال مضطر دھلی کے مشاق شاعروں میں تھے۔ تاریخ انتقال معلوم نہیں۔ ۱۲۸۰ھ کے مشاعرۂ دھلی کی غزل کے دو شعر ملاحظہ ھوں :

یہ بھی مرا نوشتۂ تقدیر ھے کہیں
کہتے ھو داغ ھجر مٹایا نہ جائے گا
اندیشہ ھے کہ وہ نہ تری جلوہ گاہ ھو
دل کو رقیب کے بھی جلایا نہ جائے گا

(سخن شعرا، صفحہ ۴۴۶)

۱۹ - مہدی تخلص محمد سلیمان (مولوی) نام بھی تلامذۂ سالک میں سے ھیں۔ مؤلف ''تزک محبوبیہ'' تحریر کرتے ھیں :

''اب و جد کا وطن خاص دھلی ھے......... آپ ۱۲۷۳ھ میں پیدا ھوئے۔ غلام رب تاریخی نام ھے۔ زمانۂ غدر میں دھلی سے نکلے۔ دادا (مولوی حیدر علی صاحب منتہی الکلام) کے ساتھ حرمین شریفین کی زیارت بھی کی۔ فارسی اور عربی میں فارغ التحصیل ھیں۔ طلبا کو

معقول و منقول کا درس بھی دیتے ھیں ۔ آپ نے لکھنؤ میں حکماے نامی سے علم طب........پڑھا ھے ۔ بائیس سال سے آپ کا مطب بھی جاری ھے ۔ صرف ، نحو ، معانی ، بیان ، منطق ، حکمت ، فقه ، تفسیر ، حدیث وغیرہ میں پورا پورا ملکه ھے ۔ سو روپیه منصب ملتا ھے ۔ عالی جناب نواب شمس الملک ظفر جنگ معین المہام فوج سرکار عالی کی پیشی کی خدمت تفویض ھے ۔ شاعری میں جناب سالک مرحوم سے تلمذ ھے ۔ آپ کی تصنیفات بہت کچھ ھیں .....کلام دلچسپ ھے :

حسن سارا کردیا ھے خود کے اوپر آئنه
ان کو خود ھی کہه رھا ھے ان کے منه پر آئنه
سامنا آن کی تجلی کا کہیں آسان نه تھا
ھوگیا آئینه گر سے لو مکدر آئنه

(تزک محبوبیه ، جلد دوم ، دفتر ھفتم ، صفحات ۱۵۳ ، ۱۵۴)

۲۰ ۔ نادر تخلص ، درگا پرشاد نام ، مشہور تذکرہ نویس بھی سالک سے تلمذ رکھتے تھے ۔ مؤلف ''تذکرۂ شعراے ھنود'' کا بیان ھے :

''یه صاحب سمت ۱۸۹۰ رکھ پنچمی یعنی بھادوں دوم سودی کو پیدا ھوئے......ان کے والد ان کو تین برس کا چھوڑ کر لکھنؤ چلے گئے اور آٹھ برس بعد پھر آئے تو انھوں نے اس وقت تک کچھ علمی لیاقت پیدا نہیں کی تھی .... شدہ شدہ انشاے ابوالفضل تک پڑھ کر پادریوں کے مدرسے میں داخل ھوگئے ، جہاں مانیٹر مقرر ھوکر کچھ حساب سیکھا ، مگر مدرس کی لیاقت علمی اپنے سے کم دیکھ کر گورنمنٹ کالج کی دوم

فارسی جماعت میں جا شامل ہوئے۔ وہاں تین برس میں
اول جماعت تک فارسی اور ریاضی کی تحصیل کی اور کچھ
عربی اور ناگری بھی پڑھی.........رھتک کے ضلع میں
پٹواریوں کے معلم مقرر ہوئے۔ اور بعد غدر ۱۸۵۹ع
میں مدرس تحصیلی ہوکر ضلع ''گوڑگانوہ'' میں رہے ،
پھر دھلی تبدیل ہوئے۔ مدرس فارسی ، مدرس ریاضی
رہے - ۱۸۷۲ع میں مصحح کتب ہوکر لاھور کے
سرکاری چھاپے خانے گئے - ۱۸۷۵ع میں مدرس ریاضی
ہوکر دھلی آئے.........انھوں نے علم ادب فارسی مع
عروض و قوافی کے مولوی امام بخش صہبائی سے
حاصل کیا ۔ شعر کی اصلاح کبھی منشی عزت سنگھ
عیش اور کبھی غلام رسول (نابینا) ویران اور کبھی
مرزا قربان علی بیگ سالک وغیرہ چند استادوں سے لی ۔
ان کی تصانیف میں ''مرأت خیالی'' اور ''نادر الاذکار''
وغیرہ مشہور ھیں ۔ سالک نے ''نادر الاذکار'' کی تقریظ
بھی لکھی ھے ۔ کلام کا نمونہ ملاحظہ ہو :

شکوہ نہ غیر کا نہ گلا اپنے کا مجھے
بھرنا پڑا ھے آپ ھی اپنا کیا مجھے''

(تذکرۂ شعرائے ہنود ، حصہ دوم ، صفحات ۱۲۸ ، ۱۲۹ - بہار سخن
صفحہ ۳۵۸)

۲۱ ۔ ناصر تخلص ، ناصر نواب نام ، خلف خواجہ محمد ناصر بھی
سالک کے شاگرد تھے ۔ نساخ کا بیان ھے :

''ناصر تخلص سید ناصر نواب دھلوی خلف خواجہ
محمد ناصر امیر ، نواسۂ خواجہ میر درد قدس سرہ ،
شاگرد سالک ۔''

گلدستۂ انجمن دهلی (۱۲۸۴ھ) میں ناصر کی جو غزل چھپی ہے ، اسی کے اشعار نساخ نے بھی نقل کیے ہیں ۔ مطلع یہ ہے :

اے شیخ ہم سے کعبے کو جایا نہ جائے گا
دل بت کدے سے یار اٹھایا نہ جائے گا

۲۲ ۔ ولا تخلص ، احمد عبدالعزیز نام ، شمس العلما خان بہادر عزیز جنگ خطاب نے بھی سالک سے مشورۂ سخن کیا ہے ۔ سلیمان اریب لکھتے ہیں :

''ولا.........فارسی اور عربی علوم کی تکمیل کے بعد ملازمت کا آغاز عدالت دیوانی خورد میں ہوا لیکن اپنی غیر معمولی قابلیت کی بنا پر اول تعلق داری (کلکٹری) تک پہنچے ۔ وفات ۱۹۲۴ع میں ہوئی.........ولا اردو شاعری میں کامل لکھنوی ، قدر بلگرامی ، سالک دہلوی ، داغ دہلوی ، جلیل مانک پوری اور اختر مینائی کی نظر اصلاح سے فیض یاب ہوچکے ہیں ۔''

''(حیدر آباد کے شاعر'' (جلد دوم) مرتبہ سلیمان اریب ، صفحات ۱۶ تا ۱۸)

۲۳ ۔ ہادی تخلص ، ابوالحسن محمد داؤد نام ، متوطن دہلی ، مقیم حیدرآباد بھی سالک کے شاگرد گزرے ہیں ۔ مؤلف تزک محبوبیہ اس طرح تعارف کراتے ہیں :

''۱۲۷۵ھ میں بہ مقام دہلی پیدا ہوئے ۔ عربی فارسی میں فارغ التحصیل ہیں ۔ ایک زمانے تک خدمت سررشتہ داری انجام دیتے تھے ، اب منصرم تحصیل‌دار ہیں ۔ آپ‌کو تلمذ مرزا قربان علی بیگ سالک دہلوی سے تھا ۔ کلام دل‌چسپ ہوتا ہے ۔ ایک مثنوی ''پری پیکر'' مطبوعہ موجود ہے ۔ ایک دیوان غیر مطبوعہ بھی

موجود ہے :

گر یہ ہی رہا حال مرے شور و بکا کا
اللہ نگہبان ہے پھر ارض و سما کا

(تزک محبوبیہ ، جلد دوم ، دفتر ہفتم، صفحات ۱۷۵ ، ۱۷۶)

شخصیت :

مرزا فرحت اللہ بیگ نے ان کی شخصیت کا تعارف جس رنگیں بیانی سے کیا ہے اس سے حقیقت تو واضح نہیں ہوتی ہے لیکن ان کا حلیہ اور کردار واضح ہوجاتا ہے ۔ سالک ۱۲۶۱ھ میں مومن کے شاگرد تھے اور قربان تخلص کرتے تھے ۔ بعد میں غالب کی شاگردی اختیار کرکے سالک تخلص رکھا ۔ کریم الدین نے ان کا نام اپنے شرکائے مشاعرہ میں نہیں لکھا ہے ۔ لیکن مرزا فرحت اللہ بیگ ، دھلی کی اس باغ و بہار شخصیت کو کیسے نظر انداز کرسکتے تھے ۔ وہ دھلی کے یادگار مشاعرے میں شامل کرکے ان کا تعارف اس طرح کراتے ھیں :

ھاں ان کے (مرزا فخرالدین حشمت) بعد جس کے سامنے شمع آئی وہ نوجوان سہی مگر شاعر ہے اور ایسا شاعر ہوگا کہ ھندوستان بھر میں نام کرے گا ۔ بھلا کون سا مشاعرہ ہے جس میں مرزا قربان علی بیگ سالک کی غزل شوق سے نہیں سنی جاتی اور کون سا شعر ھوتا ہے جو بار بار نہیں پڑھوایا جاتا ۔ جو ایک دفعہ بھی کسی مشاعرے میں گیا ہے ، وہ ان کو دور سے پہچان لے گا ۔ چھوٹا سا قد ، دبلے پتلے ھاتھ پاؤں ، موٹی سی ناک ، چھوٹی چھوٹی آنکھیں ، موٹی جلد ، گندمی رنگ ، اس پر چیچک کے داغ ، چھدری چھوٹی سی داڑھی ، کلوں پر کم ، ٹھوڑی پر ذرا زیادہ ۔ سر پر خشخاشی بال ، کوئی تیس سال کی عمر ، بس ''بخارا'' کے ترک معلوم

ہوتے ہیں ۔ ہاں لباس ان لوگوں سے مختلف ؛ نیچی
چولی کا انگرکھا ، تنگ مہری کا پیجامہ ، سر پر سفید
گول ٹوپی ، ہاتھ میں سفید لٹھے کا رومال ۔ شمع کا ان
کے سامنے آنا تھا کہ سب سنبھل کر بیٹھ گئے ۔ انھوں
نے بھی انگرکھے کی آستین آلٹ ، ٹوپی کو اچھی طرح
جما ، اپنے آستاد مرزا غالب کی طرف دیکھا ۔ آدھر سے
مسکرا کر کچھ اشارہ ہوا ، تو انھوں نے صاحب عالم
کی طرف دیکھ کر عرض کی :
اجازت ہے ؟

مرزا فخرو نے کہا :

''ہاں میاں سالک ! پڑھو ، آخر اس میں اجازت کی
ضرورت ہی کیا ہے !

سالک نے جیب میں سے کاغذ نکالا ، کچھ آلٹا پلٹا ، پھر ایک
بار سنبھل کر کہا ، عرض کیا ہے :

انتہا صبر آزمائی کی
ہے درازی شبِ جدائی کی

ایک ایک شعر پر یہ عالم تھا کہ مجلس لوٹی جاتی تھی ،
ایک ایک شعر کئی کئی بار پڑھوایا جاتا تھا ۔ ایک
ایک لفظ پر تعریفیں ہوتیں اور ایک ایک بندش کی
داد ملتی ۔''

(مضامین فرحت ، جلد ۱ ، صفحات ۲۰۷ - ۲۰۸)

سالک کے کلام کا پہلی بار تعارف حالی نے ۱۸۷۱ع میں
''ہنجار سالک'' کی اشاعت پر کرایا ہے ۔ وہ غالب کی شاعری کی
خصوصیت بتاتے ہوئے دعویٰ کرتے ہیں کہ سالک کا انداز بھی
وہی ہے اور اس وقت سالک اس انداز میں آستاد ہے ۔ وہ کہتے ہیں :

''گویند هر سخن سنج را در غزل سرائی طریقے خاص است که مر او را بدان طریق اختصاص است ، یکے از آتش عشق مجازی چراغے در راه فکر نهاده و دیگرے دربستن معاملات وقوعی کرشمه سنج و سحر پرداز ، یکے را وصف دلدار پیرایهٔ بیان و دیگرے را رشک اغیار تازیانهٔ زبان ـ کم تر کسے بوده باشد که این همه مراحل را به یک رفتار پیموده باشد ـ آرے در هر شیوهٔ سخن نغز گفتن و در هر رشته گوهر معنی سفتن ، نه حد چرب گفتار شوخ بیان است ـ اما در خم کدهٔ غالب باده فروش و سالک باده پیما ، باده ها همه سرجوش است و نشه ها همه رسا ـ این جامستی حریفان در شهار نه بینی ، این جا حریفے در خمار نه بینی ، این جالاے خوارا نند بر چرخ موج زن ، این جا دردی کشانند با عطارد هم سخن ، این جا نواهاے گونا گون از یک قانون برمی خیزد ، این جا ادا هاے رنگا رنگ از یک طبع موزون می زاید ـ این جا هر کس جان سخن است و سخن جان اوست و حسن معنی از آن اوست بلکه آیهٔ درشان اوست ـ خاصه آن آئینه صورت نماے غالب ''غالب'' و مراو هم چو من هزار را به جاے غالب ، آن در سخنوری یکتا و در پاک گوهری بے همتا ـ آن در شعله زبانی علم و در شیوا بیانی مسلم ـ آن رهرو قدسی مسالک ، مرزا قربان علی بیگ خاں متخلص به سالک لازال ظله ظلیلاً و ذکره جمیلاً که امروز درنکته وری و نکته سنجی اوستادان اوستاد است و جهان آباد از شرف وجود مسعودش جهان آباد است ـ الحق اگر سخن را

صہبا می توان گفت ، سخنش سرجوش بادۂ سخن است
و اگر شاعری را فن می توان خواند ، خواجہ یگانۂ این
فن است ـ" (ہنجار سالک ، صفحہ ۴ ، ۵)

حالی نے اس تقریظ میں غالب کے انداز کلام کی وضاحت کر کے ذوق اور مومن وغیرہ کا رنگ سخن بھی مبہم طور پر بیان کر دیا ہے ـ مؤلف ''گل رعنا'' کہتے ہیں :

''خوش مزاجی اور شگفتہ روئی کے ساتھ خدا نے ان کو
ذکاوت ایسی دی تھی کہ چند روز کی مشق میں اپنے
معاصرین سے بڑھ گئے اور مرزا غالب کے شاگردوں میں
سب سے بہتر نظر آنے لگے ـ"

(گل رعنا ، طبع چہارم ، صفحہ ۳۳۱ - ۳۳۲)

سید علی حسن خاں کی رائے ہے :

''گفتارش سادہ و پرکار است ـ"

(بزم سخن ، صفحہ ۵۶ ، طبع اول ۱۲۹۸ھ (۱۸۸۱ع)

تذکرۂ ''طور کلیم" کے مؤلف کا بیان واضح نہیں ـ وہ والیۂ بھوپال اور نواب صدیق حسن خاں کے مدحیہ فارسی قصائد کے بارے میں لکھتے ہیں کہ میں نے دیکھے ہیں اچھے کہے ہیں :

''دریں نزدیکی دوتا قصیدہ در پارسی زبان یکے در مدحت
پدر والا گہر نامہ گرد آور و دیگر در ستائش والیۂ این
ریاست دام اقبالہا فرستادہ ـ بندہ ہم مطالعہ کردم ،
خوش سنجیدہ است ـ"

(تذکرہ طور کلیم ، طبع اول ، ۱۲۹۸ھ ، صفحات ۴۸ تا ۵۰)

مؤلف خمخانۂ جاوید کا کہنا ہے :

''سچ تو یوں ہے کہ آپ کا کلام دلی کی شاعری کا قابل قدر
نمونہ ہے ـ نغز گوئی ، سلاست ، بلاغت کی جان ہے ـ

آپ جملہ اصناف سخن پر قادر تھے اور معنی بندی میں بلند پایہ رکھتے تھے - بیسیوں شعر آپ کے ایسے ھیں کہ جتنا غور کیجیے آتنا ھی مزا آتا ھے - زکی ، انور ، مجروح ، حالی کے ھم مشاعرہ تھے - بالخصوص چھوٹی بحروں میں نہایت بلیغ اور ھر مضمون پر شعر کہتے تھے -"

(خمخانۂ جاوید ، جلد ۴ ، صفحہ ۳۹)

رام بابو سکسینہ کا خیال ھے :

"کلام ، خیال اور زبان دونوں کے اعتبار سے اچھا ھے مگر جدت سے خالی ھے - ان کا شہر آشوب دھلی کی تباھی پر اور اپنے آستاد غالب کا مرثیہ بہت پُر درد اور درد انگیز ھے -"

(تاریخ ادب اردو ، یعنی ھسٹری آف اردو لٹریچر ، مصنفۂ رام بابو سکسینہ ، مترجمہ مرزا محمد عسکری ، طبع چہارم ، مطبع نول کشور ۱۹۵۲ع ، صفحات ۳۴۱ - ۳۴۲)

مالک رام کی یہ رائے ھے :

"اردو ، فارسی دونوں میں کہتے تھے - دو دیوان تھے ؛ "ھنجار سالک" اور "میخانۂ سالک" اب دونوں نہیں ملتے - نہایت قادرالکلام اور نغز گو شاعر تھے - طبیعت بہت مضمون آفریں پائی تھی - اس پر استاد دونوں ایسے ملے جو اپنے اپنے رنگ میں بے نظیر تھے - مومن اگر حسن و عشق کی واردات کے بیان میں اپنا جواب نہیں رکھتے تو غالب کلام کی گہرائی اور معمولی بات کو بھی ایک خاص انوٹ سے کہنے میں مشہور ھیں - سالک کے کلام میں دونوں رنگ کی کامیاب مثالیں ملتی ھیں -"

(تلامذۂ غالب ، صفحہ ۱۴۱)

نساخ مختصراً کہتے ہیں :

''اشعار ان کے نہایت بامزہ ہوتے ہیں ۔''

(سخن شعرا ، صفحہ ۲۰۳)

اب غالب کا ایک جملہ بھی ان کی تعریف میں ملاحظہ ہو :

''میر صاحب کہتے ہیں :

تندرستی ہزار نعمت ہے

ہائے پیش مصرع مرزا قربان علی بیگ سالک نے کیا خوب بہم پہنچایا ہے :

تنگ دستی اگر نہ ہو سالک''

(خطوط غالب ، از مولانا مہر ، صفحات ۳۰۴ - ۳۰۵)

صفیر بلگرامی کے خیال میں صابر نے جن آٹھ شاعروں کو دہلی کے اساتذۂ دور آخر میں شمار کیا ہے - [(۱) احسان ، (۲) نصیر ، (۳) ممنون ، (۴) ذوق ، (۵) غالب ، (۶) مومن ، (۷) شیفتہ ، (۸) نیر (درخشاں)] ان کے علاوہ یہ حضرات بھی درجۂ استادی کے مستحق ہیں ۔ اس فہرست میں ۱- آزردہ ، ۲- رسا ، ۳- تسکین ، ۴- حیا ، ۵- صہبائی ، ۶- رفعت ، ۷- صابر ، ۸ - رنج ، ۹ - سوز (عبدالکریم) ، ۱۰ - شفق ، ۱۱ - عارف ، ۱۲ - عیش ، ۱۳- فراق ، ۱۴- مشیر ، ۱۵- معروف اور نکہت ہیں ۔ وہ کہتے ہیں :

''یہ چوبیس اساتذہ بعد دور میر تقی و سودا کے شمار میں آتے ہیں جن کے فیض سے دہلی کے شاعروں اور شاعری کو رونق ہے اور چار حضرات اور یعنی نسیم دہلوی ، داغ دہلوی ، سالک دہلوی ، تشنہ دہلوی بھی اگرچہ دہلی کی زبان کے دور میں شامل ہیں مگر.........اس سے باہر ہیں اس لیے میں ان لوگوں میں بھی جو کچھ باتیں دہلی کی زبان کی پاتا ہوں ، اس اخیر دور میں لکھ کر

دکھاتا ہوں ۔" (جلوۂ خضر ، جلد اول ، مطبع نورالانوار آرہ ، ۱۸۸۴ع ، صفحہ ۲۷۳ ، از صفیر بلگرامی)

صفیر کی نظر میں نسیم ، داغ ، سالک اور تشنہ برابر ہیں ، لیکن ظاہر ہے کہ نسیم اپنے استاد مومن کے مقلد ہیں اور سالک کے یہاں مومن اور غالب دونوں کا رنگ پایا جاتا ہے ۔ داغ اور تشنہ استاد ذوق کے انداز شاعری کے ترجمان ہیں ۔ زبان کے معاملے میں تشنہ کے سوا تینوں مسلم الثبوت استاد ہیں اور ان کی زبان پر اعتراض کی جرأت کسی کو نہ ہوسکی ۔

فارسی کلام :

حسرت موہانی کے بہ قول کہ غالب ، مومن ، شیفتہ وغیرہ کے بعد اساتذۂ اردو کی یہ رسم ختم ہوگئی کہ ہر شاعر اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں صاحب دیوان ہوا کرتا تھا ۔ یہ بات اپنی جگہ پر درست ہے کہ اساتذۂ اردو ، فارسی زبان میں بھی کہتے تھے لیکن بعض کے دواوین طبع ہوگئے اور بعض کا کلام اشاعت سے محروم رہا ۔ دھلی کے مشاعروں میں اردو اور فارسی میں علاحدہ علاحدہ مصرع طرح دیا جاتا تھا اور ہر ایک طبع آزمائی کرتا تھا ۔ یہ رواج دھلی تک محدود نہ تھا ، دوسرے شہروں میں بھی یہی طریقہ رائج تھا ۔ چناں‌چہ کلیات فرقانی[۱] سے واضح ہوتا ہے کہ میرٹھ میں باقاعدہ فارسی میں بھی مصرع طرح دیا جاتا تھا ۔ فرقانی کی غزلوں سے ۱۸۷۳ع تک کے مشاعروں کا پتا چلتا ہے ۔ سالک فارسی زبان میں بھی کہتے تھے ۔ جیسا کہ تذکرۂ "طور کلیم" سے واضح ہوتا ہے کہ انھوں نے نواب صدیق حسن خاں اور

---

۱ ۔ دیوان فرقانی ، از سید احمد حسن فرقانی میرٹھی ۔ مطبوعہ مطبع نامی کان پور ۱۹۰۶ع ۔ صفحہ ۱۷۷ ۔ مملوکۂ مجلس ترقی ادب لاھور ۔

والیۂ ریاست بھوپال کی مدح میں دو فارسی قصیدے بھیجے تھے -
مؤلف تذکرۂ ''روز روشن'' نے جب اپنا تذکرہ شعرائے فارسی مرتب
کرنا چاہا تو احباب سے فرمائش کی کہ جو دونوں زبانوں میں
شاعری کرتے ھیں اُن کا فارسی کلام بھیجا جائے - ۱۲۹۶ھ میں
جمیل سہسوانی نے سالک کے حالات کے ساتھ فارسی کلام بھی ارسال
کیا - مؤلف کا بیان ھے :

''مدتے پیش حکیم محمد مومن خاں دھلوی برزانوے تلمذ
نشست و زمانے پنجۂ ابکار افکار خود را حنائے اصلاح
میرزا اسداللہ خاں غالب دھلوی بست - سالک تخلص
اختیار نمود و از ھم نوایان نظم اردو و فارسی قصب السبق
ربود......ازیں اشعار پے بہ خوش گفتاری او تواں برد -

افروختم ز آتش دل شمعِ آہ را
در سینہ سوختم نفسِ صبح گاہ را
زاھد ز اھل مے کدہ پرھیز واجب است
از ما کنارہ گیر کہ آلودہ ایم ما
از ما مپرس بہر خدا داستانِ ما
دریاب ازیں کہ تاب نہ دارد زبانِ ما
تا نظر کردم بہ رویت از نگاھم خوں چکید
تا سخن گفتم زخویت ازلبم تبخالہ ریخت''

(تذکرۂ روز روشن از مظفر حسین صبا ، تالیف ۱۲۹۶ھ مطبوعہ
مطبع شاہ جہانی بھوپال - صفحہ ۵۵۴ ، ۵۵۵)

صبا نے فارسی کے ۱۶ شعر نقل کیے ھیں جن میں سے ۴ پیش
کیے گئے ھیں - کلیات سالک میں بھی قطعات فارسی موجود ھیں -
''شرح دساتیر'' مصنفۂ مولوی نجف علی کا قطعہ تاریخ سولہ اشعار کا
ھے - یہ قطعہ ۱۸۶۴ع کا ھے ، یعنی غالب کی زندگی کا -

''ھنجار سالک'' کا دیباچہ فارسی نثر میں ھے جس سے سالک کی نظم اور نثر میں یکساں دست رس کا پتا چلتا ھے ۔ آخر میں حالی کی ایک رباعی (جون ۱۸۸۵ع) پیش کی جاتی ھے جو نیر کے مرنے پر کہی تھی اور اس میں سالک کو بھی حالی نے یاد کیا ھے :

غالب نہ شیفتہ نہ نیر باقی
وحشت ھے نہ سالک ھے نہ انور باقی
حالی اب اسی کو بزمِ یاراں سمجھو
یاروں کے جو کچھ داغ ھیں دل پر باقی

توضیح :

کلیات سالک مطبوعہ اکمل المطابع کی ترتیب قائم نہیں رکھی گئی ، بلکہ سہولت کے لیے کلیات کی جدید ترتیب عنوانات کے تحت کی گئی ھے اور دوسری کتابوں سے تقریظیں وغیرہ اضافہ کی گئی ھیں ۔

کلب علی خاں فائق

۳ مارچ ۱۹۶۶ع ۔ مجلس ترقی ادب لاھور

کلیات سالک

از

مرزا قربان علی بیگ سالک

مرتبہ

کلب علی خاں فائق رام پوری

تقریظ

طلوع نیر آسمان معانی و سطوع کوکب سپهر روشن بیانی ، از مشرقستان اندیشهٔ آسمان پیمائے فروغ افزائے طالع سخن پروری ، روشنی بخش آفتاب نکته وری ، کاشف رموز فروع و اصول ، حاوی معقول و منقول ، ناثر نثری رفعت ، شاعر شعری رتبت ، افصح الفصحا ، ابلغ البلغا ، مولوی الطاف حسین حالی سلمهم الله العالی به پرتوه افشانی ''تقریظ'' جلوه گر و فروغ بخش اهل نظر باد ـ بیت

صد قول به یک زمزمه طے می کنم امشب
مستی نه به اندازهٔ مے می کنم امشب

حیرت زدهٔ نیرنگی این کهن آشوب گه ، حالی نامه سیاه که دوش در شکنجهٔ غم و اندوه چون مرغ تازه به دام افتاده ، سراسیمه و دل تنگ و باسخت جانی خویش در جنگ بود ـ اگر حرفے از روداد خود سروده باشد همانا خویشتن را زحمت و انجمن را کلفت افزوده باشد ـ

تکف برطرف دلے داشت همه موج خون و سرے داشت سرمایهٔ جنون ، شبے به درازی شب هاے فراق ، و وقتے به پراگندگی خاطر عشاق بے خودی همه نقد گنجینهٔ هوش و مستی ، همه تعبیر خواب فراموش ولولهٔها می کرد و از جا نمی رفت ، نالهٔها می کشید و دم نمی زد ـ گاهے اشک جگرگون (خون؟) از دیده می بارید و گاهے برگریهٔ خود می خندید ـ گاهے از روزگار نالیدے و گاهے از بخت نگون

مار ، گاهے بر اهرمن نفرین کردے و گاهے بر نفس خویشتن ، گاهے در جستجوے وقت رفته چپ و راست می نگریست و گاهے از عمر گزشته یاد می کرد و می گریست ، گاهے رشتۂ عمل چندان دراز کردے که عنقا را اسیر دام خود پنداشتے و گاهے از دور باش حرمان آن چنان گسسته امید گشتے که هر دم را دم واپسین انگاشتے - بالجمله حالتے در پیش داشت که قیامت باخویش داشت - در چنین هنگام که صحبت احباب چون فرقت محبوب ناگوار و بذلۂ اصحاب تلخ تر از طعنۂ اغیار بود ، اگر سوداے گفتار در سرو خلش این خار در جگر نمی داشتم ، غنچۂ خاطرم به هیچ نه شگفتے و درد دلم زنهار چاره نه پذیرفتے - رفتم که به مطالعۂ دیوان حضرت خواجه شیراز[1] دلے خالی کنم و به یک جرعه ازیں بادۂ کهن غم دین و دنیا فراموش سازم ، ناگرفت از دریچۂ هوش این صدا به گوش خورد که هان و هان حالی روشن نفس، اے به فهم ادا شناس و به فکر بالغ رس هم شکر ریزی طوطیان هند دادهای وهم نغمۂ بلبلان عجم شنیدهای ، یکے در چمنستان سالک بیا و دیدۂ دل را رخصت تماشا ده تا وارسی که گلشن معنی در عین خزان شگفته و شاداب است و نهال سخن در پایانِ موسم تازه تر از عهد شباب - نه‌دانم این صداے دلکش از کجا بود وچه بلا گرمی اثر باخود داشت که تا از پردۂ گوش به دل فرود آمد مرا در من نه گذاشت - چون باز به خود آمدم گرم از جاے برخاستم و ''دیوان سالک'' خواستم - سبحان الله کتابے دیدم چون نسخۂ جمال یوسفی سراپا انتخاب و زلیخاے سخن را بازگشت عهد شباب - زبانش ریخته اما رشک پهلوی و دری ، بیانش ساده اما

---

۱ - حافظ ، تخلص ، شمس الدین ، وفات ۷۹۲ھ (مطابق ۱۳۸۹ء)
(نتائج الافکار ، صفحه ۱۱۵)

نمونۂ گفتار ''سعدی'' و ''انوری'' : مضامین همه تازه و نو ، معانی همه الفاظ را درگرو، قصیده و غزل همه‌طلسم رنگ و بو ، قطعه و رباعی همه کرشمه و جادو و ذکر فراق دلاویز تر از وعدۂ وصال ، شکوۂ جفا طرب‌انگیز تر از مژدۂ وفا ـ آن جان‌که طول مقال است نقطه را اندازۂ وسعت خیال است و آن جا که اختصار بیان است ، هفت دریا در کوزه نهان است ـ من‌که جز به گفتار پیشینیان سرے و جز در کوچۂ خموشان گزرے نه داشتم از حلاوت این ثمر نورس آن چنان کارِ کام و زبان ساختم که دل از ذوق قند ''نظیری'' و چاشنی نمک ''عرفی'' به کلی پرداختم ـ گویند هر سخن سنج را در غزل سرائی طریقے خاص است که مر او را بدان طریق اختصاص است ـ یکے از آتش‌عشق مجاز چراغ در راه فکر نهاده و دیگرے در بستن معاملات وقوعی کرشمه سنج و سحر پرداز ، یکے را وصف دلدار پیرایۂ بیان و دیگرے را رشک اغیار تازیانۂ زبان ـ کم تر کسے بوده باشدکه این همه مراحل را به یک رفتار پیموده باشد ـ آرے در هر شیوۂ سخن نغز گفتن و در هر رشته گوهر معنی سفتن نه حد بر چرب‌گفتار شوخ بیان است ـ اما در خم کدۂ ''غالب'' باده فروش و ''سالک'' باده پیما ، باده ها همه سرجوش است و نشه‌ها همه رسا ـ این جا مستی حریفان در شمار نه بینی این جا حریفی در خمار نه بینی ـ این جا لاے خوارانند بر چرخ موج زن ، این جا دردی کشانند با عطارد هم سخن ، این جا نواهاے گوناگون از یک قانون بر می خیزد ، این جا ادا هاے رنگا رنگ از یک طبع موزون می زاید ، این جا هرکس جان سخن است و سخن جان است و حسن معنی از آن اوست ، بلکه آیۂ درشان اوست ـ خاصه آن آئینۂ صورت نماے ''غالب'' و مرا و هم چو من هزار را به جاے ''غالب'' ـ آن در سخنوری یکتا و در پا ک گوهری بے همتا ، آن در شعله زبانی علم و در شیوا بیانی مسلم ، آن ره رو

قدسی مسالک ، مرزا قربان علی بیگ خان متخلص به ''سالک'' لا زال ظله ظلیلاً و ذکره جمیلاً که امروز در نکته وری و نکته سنجی اوستادان اوستاد است و ''جهان آباد'' از شرف وجود مسعودش جهان آباد است ۔

الحق اگر سخن را صهبا می توان گفت ، سخنش سرجوش بادۂ سخن است و اگر شاعری را فن می توان خواند ، خواجه یگانۂ این فن است ۔

یارب چنان که هند از ''غالب'' خلد آرام گاه رشک ایران و توران بوده است ، ''دهلی'' از ''سالک'' معنی پناه غیرت شیراز و صفاهان باد ۔ فقط

تمت تمام شد

تقریظ من تصنیف مولوی الطاف حسین صاحب سلمهم الله تعالیٰ ، تحریر به تاریخ پنجم ماه نومبر ۱۸۷۱ع مطابق بستم ماه شعبان المعظم ۱۲۸۸ھ در مطبع بدر الدجیٰ ۔ به اهتمام خواجه قمرالدین خان واقعه کوچه نٹوه ، پیرایۂ اتمام و زیور اختتام پوشید ۔

دیباچه

(از سالک)

محمدت ترازان[1] مدحت گزار هر گاه بستانش[2] موجودے ستوده ، زبان محامد سرائے برکشایند ، وجود مشبه را به نمایش مشبه به بهتر و نیک تر ازان تقابل نمایند ـ عارض صفحه را تا به گلگونهٔ مبالغه نیارایند ، تابش گفتار نیفرایند و پایهٔ سخن را تا از اندازهٔ گذارش نه گذرانند ، نقد مراد به کف حصول در نمی آید ـ

ممدوح ذی جاه را پادشاه و پادشاه را شاهان سپاه و کیوان بارگاه خوانند ، ''سها'' را ''آفتاب'' و کرمک شب تاب را تمامین ماه سرایند ـ هرچه از زبان اعجاز بیانان کلیم کلام چکیده ، گیرا افسونیست که مبطل صد جادوے ''سامری[3]'' و ''زر دهشت[4]''

۱- تراز ـ (به فتح تا) زینت و آرائش ، نقش و نگر پارچه ، زر دوزی جامه ، به عربی طراز می گویند ـ (فرهنگ عمید صفحه ۳۷۷) ـ

۲- به ستائش ؟' اصل متن میں ''بستانش'' ہے ـ

۳- سامری (عربی میں بہ‌تشدید تھا فارسیوں نے بہ‌تخفیف استعمال کیا ـ) مذکر- اُس شخص کا نام جس نے حضرت موسیٰ کے زمانے میں بچھڑا بنا کر بنی‌اسرائیل سے اُس کی پرستش کرائی ـ (صفحہ ۱۸۴ ، نور اللغات ، ج ۳)

۴- زرتشت و زردشت و زردهشت لفظ اول و ثانی به ضم حرف سوم و

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

گردید، و آں چہ از خامۂ چامہ سرایاں نغز گفتار تراویدہ، زیبا نقشے است کہ خط نسخ بہ ارتنگ مانی و بہزاد کشیدہ۔

نظم بنداں و نثر فشاناں کہ سررشتہ ایں شیوا[1] شیوہ ھا در کف اندیشہ آوردہ اند۔ بہ نیروے طبع والا، قدر کلام را آں سوے سپہر ھاے فرازیں بردہ، لیکن ذات پاک ایزد متعال را ازاں جا کہ از اشباہ و امثال منزہ و مبرا و آں ساحت مقدس از نقوش نظیر و سہیم معری است، بہ کدام روش روشن و بہ چہ آئین بہیں ستودہ آید و حق ستائش چناں کہ باید ادا نمودہ آید۔ لا جرم زبان را بہ سپاس گزاری بخشش داے جزیلۂ واہب العطایا کشودن بالجزم آبروے گفتار خود افزودن است۔ تعالی اللہ آفرینندۂ ارض و سما و صانع بے عدیل و ہمتا کہ چار اخشیج[2] متضاد را بایک دیگر در آمیخت و ازاں ترکیب بدیع پیکر شگرف انسانی برانگیخت و تشریف شریف ''نفخت[3] فیہ من روحی'' بدو

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ)

لفظ ثالث بہ ضم دال و ھاے۔ نام مردے از نسل منوچہر شاگرد فیثاغورث در زمان گشتاسپ دعوئ نبوت کرد و دین آتش پرستی وضع ساخت و مجوس پیغمبر دانند و نام او ابراہیم گویند و کتاب ژند کہ ساختۂ اوست آں را آسمانی دانند۔ و ایں اسم مرکب است از لفظ زر و کلمۂ دشت کہ بہ معنی بدوشیوا است۔ (صفحہ ۲۰۷۔ غیاث اللغات)۔

۱- شیوا۔ ص (بہ کسرشین) فصیح، بلیغ۔ (صفحہ ۹۳۷ فرہنگ عمید)۔

۲- آخشیج۔ (بہ سکون خا وکسرشین) مخالف، ضد، ونیز بہ معنی عنصر ہر یک از عناصر چہارگانہ آب، آتش، باد، خاک، اخشیج و خشیج و آخشیک ہم گفتہ شدہ (صفحہ ۴۵، فرہنگ عمید)۔

۳- پھونک دوں بیچ اُس کے روح اپنی سے اُس میں اپنی (طرف سے) جان ڈال دوں۔ (صفحہ ۲۹۶ پارہ ۱۳، رکوع ۳ قرآن مجید۔ تاج کمپنی ترجمہ شاہ رفیع الدین، مولانا اشرف علی)۔

پوشانید و به اعزاز ''و لقد کرمنا بنی آدم'' اشرف المخلوقات گردانید - حاسه هاے ده گانهٔ درونی و برونی ارزانی داشته ، تاهم به دیدبانی این ها بداهتاً محسوسات را در یابد وهم به ژرف بیانی آں ها استدلالاً به معقولات پے برد ، در خوب و زشت امتیاز فرماید و در فنا و بقا تفرقه نماید - حی قدیم که آیهٔ ''و یبقیٰ[2] وجه ربک ذوالجلال والا کرام'' ازاں مشیر (کذا) است ، طغراے مثال واجب داند و بر مابقی ممکنات توقیع فرمان ''کل[3] من علیها فان'' خواند - ویژهٔ[4] نعمتے که اداے آں از حیز امکان افزوں و از حیطهٔ بیان بیروں است -

خجسته ظهور ، سراپا نور ، ختم المرسلین ، رحمة للعالمین ، صاحب ''قاب[5] قوسین او ادنیٰ'' عارج معارج ''سبحان[6] الذی اسریٰ'' باعث ایجاد عالم ، سید اولاد آدم ، شفاعت فرماے روز جزا ، سعادت افزاے شب اسریٰ ، بالقابه احمد مجتبیٰ ، محمد مصطفیٰ ،

۱- اور البته تحقیق عزت دی هم نے آدم کو—اور هم نے آدم کی اولاد کو عزت دی - (پاره ۱۵ - رکوع ۷ - صفحه ۳۲۵ ایضاً) -

۲- اور باقی رهےگی ذات پروردگار تیرے صاحب بزرگی اور صاحب انعام کی -

۳- جو کوئی اُوپر زمین کے هے فنا هونے والا هے - (ایضاً ترجمه شاه رفیع الدین صفحه ۶۰۰ سورهٔ رحمان) -

۴- ویژه - ص - (به کسر واو) خاص ، خالص ، خاصه ، برگزیده ، بیژه و آویژه هم گفته شده - (صفحه ۱۲۳۹ فرهنگ عمید) -

۵- تها قدر دو کمان کے یا زیاده نزدیک (ترجمه شاه رفیع الدین - سورهٔ النجم پاره ۲۷ قرآن مجید - مطبوعه تاج کمپنی) -

۶- پاکی هے اُس شخص کو که لے گیا - (ترجمه شاه رفیع ، سورهٔ بنی اسرائیل پاره ۱۵ قرآن مجید - مطبوعه تاج کمپنی) -

صلی اللہ علیہ وسلم است و خلفاے و اخلاف راشدین هادین رضوان اللہ تعالیٰ علیهم اجمعین ۔

ازاں جا که مدارج شکر انعام عام ربانی ، مانند مراتب حمد یزدانی نامتناهی و بے منتهی است ، گریز به گزارش سپاس الطاف خاص زبان ژولیده بیان وقف حقیقت سرائیها است و چساں چناں نه بود که ناظماں کارگاه قضا و قدر گوهر گراں ارز نطق را در صدف زبان و درج دهان آدمی زاد ، بهر آں ودیعت نهاده اند که آں چه از مواهب جمیلهٔ حضرت کبریاے عم نواله ، فیض یاب و بهره ور گردد ، فراخور حوصلهٔ خویش به سپاس گزاری آں اقدام نماید و به ترنم ریزی ترانهٔ شکرانهٔ شکریں لب و شیریں کام آید ۔

بنابراں کوچه گرد دیار هیچ مدانی ، جاده نورد دشت هرزه بیانی ، راه رو مسالک تلاش وتفحص ، قربان‌علی بیگ سالک تخلص عرض پرداز است که اقل روزگارے به استفادهٔ والا خدمت بابرکت ، سحبان فصاحت ، حسان بلاغت ، جالینوس حکمت ، بطلیموس فطرت ، حوریاں مصاحب جناں ، حکیم محمد مومن خاں مومن مستفید و بیش تر زمانے به استفاضهٔ تربیت جناب افادت مآب ، ''نظیری''[1] نظیر ، ''ظهوری''[2] ظهور ، ''شانی''[3] شان ، سرخیل زمرهٔ معنی سنجان شیوا بیان ، فروغ افزاے مردمک ژرف نگهی و باریک بینی ، کارفرماے کشور نظم آرائی و معنی آفرینی ،

---

۱ - وفات ۱۰۲۳ھ ، مدفن تاج پوره احمد آباد ۔ (صفحه ۲۵ سروآزاد ۔ غلام علی آزاد بلگرامی) ۔

۲ - وفات ۱۰۲۵ھ ۔ مدفن دکن ۔ (صفحه ۳۴ سروآزاد ، غلام علی آزاد بلگرامی) ۔

۳ - شانی تکلو - وفات ۱۰۲۳ھ ۔ مدفن مشهد ۔ (صفحه ۲۹ سروآزاد ۔ غلام علی آزاد بلگرامی) ۔

رشک ''حزین''[1] و غیرت ''عرفی''[2] و فخر ''طالب''[3] میرزا اسد اللہ خاں بہادر ''غالب''[4] غفر اللہ ذنوب ہما مستفیض بودہ ، بہ افاضۂ تلقین و رہ نمائی آں قطبین اوج سخنوری و سخنور پروری و سعدین فلک ہنر مندی و ہنر گستری ، چندے خود را از زمرۂ قافیہ پیمایان انفج شمردہ و لختے از جمع موزوں کلامان سخن سنج گمان بردہ ، بہ فراہم آوردن مشتے اشعار پریشان خویش پرداختم ۔ وآں کچکول[5] کاپترہ[6] ہارا بہ ''ہنجار سالک'' ملقب ساختم ۔

می خواہم و می دانم کہ خوانندگان نیز ہم چناں دانند کہ ایں اوراق پراگندہ ، ژولید در شیرازۂ جمعیت کشیدہ را سرمایۂ نازش و افتخار و دست آویز مباہات و اعتبار خویش نیندیشیدہ ام ، نہ او را رنگ وبوے گلشن سخن پردازی و ساز و برگ بہارستان معنی ترازی می‌انگارم و نہ ارتفاع کوکب آسمان بذلہ گستری و سطوع[7] اختر سپہر نکتہ پروری می پندارم ۔ ہمانا فراواں پیشرواں

---

۱ - وفات ۱۱۸۰ھ - مدفن بنارس (صفحہ ۲۰۰ خزانۂ عامرہ • صفحہ ۲۲۵ سرو آزاد غلام علی آزاد بلگرامی) ۔

۲ - وفات ۹۹۹ھ - لاہور سے نعش نکال کر نجف اشرف میں دفن کی گئی - (صفحہ ۳۱۸ خزانۂ عامرہ - صفحہ ۲۹۰ ، نتائج الافکار) ۔

۳ - وفات ۱۰۳۶ھ - (صفحہ ۴۶ سروآزاد - صفحات ۳۰۰ تا ۳۰۳ خزانۂ عامرہ) ۔

۴ - وفات فروری ۱۸۶۹ع - ۱۲۸۵ھ - بزم سخن از نواب سید علی حسن خاں) ۔

۵ - کچکول : کاسۂ گدایاں (صفحہ ۳۵۷ غیاث اللغات) ۔

۶ - کاپترہ ۱۰ - ص (بہ فتح اول و سوم و پنجم) سخن بے معنی ، یاوہ و بیہودہ ۔ (صفحہ ۹۵۰ فرہنگ عمید) ۔

۷- سطوع - (بہ ضمتین) - بلند شدن ، از منتخب و کشف - (صفحہ ۲۲۶ غیاث اللغات) ۔

از سرخوشانِ پیمانهٔ مصطبهٔ[1] ذوق شیریں سخنی و سلیس بیانی و ترد ماغان ترانهٔ فکر خوش آهنگی و تر زبانی که قدرے پیش تر از من بوده اند ، رقعه رقعه از کلام تمام و نا تمام خویش زیر بالش و بستر گزاشته و پاره پاره در سبو و خم ها انباشته یا لختے به نوک زبان از برداشته ، نه پسندیدند که بیاضے مسود یا کتابے مجلد گشته ذوق فزاے اهل مذاق و درد انگیز ارباب اشتیاق شود ۔ آرے هم چناں می بایست که ایراد خطا از انسان به حکم قول مشهور از ناگزیری هاست واگرپا لغزے روے داده باشد مورد عذر پذیری هاست ۔ حال زارم باید نگریست بلکه به چشم عبرت بران (باید ؟) گریست که هر چند از سواد مداد ''سرمهٔ سلیمانی[2]'' به چشمان دل می کشم لیکن پری نژادان معانی د، نظرم جلوه گری نمی فرمایند و چنداں که در کمین گاه صفحه دانه ودام از نقاط و حروف می گسترم ، طائران تیز بال مضامین به بند قیدم در نمی آیند ، داغم از واژوں منشی ماشطهٔ[3] خامه ناراست ۔ هنجار که به جاے هر هفت پیراستن شاهدان نازک خیالی ، داغ بے سر انجامی برناصیهٔ شان می نهد و سوختم ازنگوں سرشتی نخل بند اندیشهٔ هرزه کام که به هنگام آبیاری نونهالان مضامین شگفته ،

۱- ''مضطبه'' اصل متن میں غلط ہے ، مصطبه صحیح ہے ۔ مصطبه : (به فتح میم و سکون صاد و فتح طاء مهمله و فتح باے موحده) مے خانه ۔ از مدار و در قاموس نوشته که مصطبه بالکسر مے خانه و به صاد مهمله و به ضاد معجمه هر دو آمده ۔ (صفحه ۲۷ہم غیاث اللغات مع چراغ هدایت) ۔

۲- سرمهٔ سلیمانی ۔ وہ سرمه ہے جسے آنکھوں میں ڈالنے سے دنیا کی مخفی چیزیں نظر آنے لگیں ۔

۳- ماشطه ۔ غ (به کسرشین) زن آرایش گر ۔ (صفحه ۱۰۲۹ ه فرهنگ عمید) (صفحه ۲۵۷ نور اللغات ج ۳) ۔

سموم نا اتمامی به تموج وزیدن در می دهد نه به غالیه سائی شمیم قبولی ، دماغ جان عطر آگین است نه به چمن پیرائی احسنتے خیابان دل خلد آئین به سنگ لاخ عرصه گاهے که سمند فکر گذشته یکه تازان شاه سوار لنگ لنگان راه می سپارد و توسن سست لجام خیال من گسسته دم چگونه بے محابا گام فراخ بردارد و در صعب گزار نخجیرا[1] زارے که صیاد اندیشه پشین[2] کمند اندازان هزبر شکار ، رمیده آهوان مضامین وحشی بس کمتر فراچنگ آورده باشد ۔ کمیں گیر طبع من ، شکسته پا و فروبسته بازو چساں بداں تنگ نائے پے برده باشد ۔ لیکن به سگالش متواتر و خواهش پے در پے بعض احباب با مهر و وفا و اصدقاے با خلت و صفا ، سیماً اصرار متوالی آئینه راز (زار ؟) روشن ضمیری و مصفا دلی ، چشمه سار پاک طینتی و پاکیزه آب و گلی ، مشفقی و محبی خواجه قمرالدین خان المشتهر به خواجه مرزا سلمه الله تعالیٰ ، سر بر خط فرمان نهاده اجازت طبع این مجموعۂ نا مطبوع دادم ، گویا در هاے تعریض و سرزنش از هر سو بر روے خود کشادم ۔ الا چند تا قصائد و مثنوی نا تمام ازیں مسوده به بیاض برده برآورده ، در سر شوریده هواے آں دارم که ازاں ترهات[3] متفرقه نسخۂ دیگر فراهم آرم ، لیکن بداں رو که هزار جا دل گرو و صد گره بر زباں دارم این محال

۱- نخجیر ـ نخچیر ـ ا ـ (به فتح نون و کسر جیم) شکار ، حیوانے که او را شکار کنند ، به معنی بر کوهی هم گفته شده ـ (صفحه ۱۱۷۸ فرهنگ عمید) ـ

۲- پشین ـ (به فتح اول و یاے معروف) نام پسر کے قباد از سراج و مؤید و برهان و مدار و رشیدی ـ (صفحه ۸۵ غیاث اللغات) ـ

۳- ترهات ـ ع ـ (به ضم تا و فتح رائے مشدد) ـ سخن هاے بیهوده ، جمع ترهت ـ (صفحه ۳۸۵ فرهنگ عمید) ـ

آرزو و دشوار تمنا ، همراه دیگر حسرت هاے بے سر و پا هم چنان به خاک برده باشم و ورقے چون نامۂ اعمال خویش سیاه نه کرده باشم ۔ چشم داشت از والا منشان بلند نظر فروهیده[1] کنشان[2] روشن گہر ، چنان است که این مشتے اجزاے سراپا خطا را به چشم دل نگرند و به گوش جان بشنوند و چندان که توانند از راه بزرگ نهادی به خلاف روش عیب جوئی و زشت گوئی برشاهراه راست آئینی و هنر بینی روند ۔

الله بس ، ماسوا هوس ۔

تمت ۔ تمام شد به عون عنایت الٰهی دیباچۂ ''هنجار سالک'' من تصنیف جناب مصنف صاحب سلمه الله تعالیٰ ۔ به تاریخ پنجم ماه نومبر ۱۸۷۱ع در مطبع بدرالدجلی به اهتمام خواجه قمرالدین خان واقعه کوچۂ نٹوه پیرایه اتمام و زیور اختتام پوشید ۔

۱۔ فروهیده ۔ ص ۔ (به فتح فا یا به ضم فا و را) خردمند ، دانا ، داراے فروشکوه (صفحه ۸۷۱ فرهنگ عمید) ۔

۲۔ کنش ۔ ۱ ۔ مص ۔ (به ضم کاف و کسر نون) کردار ، کردار نیک یابد (صفحه ۹۶۱ فرهنگ عمید) ۔

قصائد

(۱)

چہرہ آرائیِ شاہدِ نیکو جمالِ سخن ترازی[۱] ، بہ غازۂ حمدِ خالقِ حقیقی و مجازی

جب خامہ مرا حمد نگاری کو جھکا ہو
تسلیم کو پھر کیوں نہ فلک اور دوتا ہو

کب ہے وہ ترے دائرۂ حمد سے خارج
خود بیں کوئی اپنا ہی اگر مدح سرا ہو

گھیرا ہے تری ذات نے کونین کو یاں تک
گو تجھ سے جدا ہو کوئی ، لیکن نہ جدا ہو

آنکھیں ہوں تو پھر کر کوئی پھر تجھ سے کدھر جائے
تو سامنے ہو منہ کے ، جدھر کوئی پھرا ہو

گر غم ہو ترا ، اشک بنے گوہرِ غلطاں
گر یاد ہو تیری تو نفس غالیہ[۲] سا ہو

۱- تراز - (ف) مذکر ، ۱ - کپڑے کے نقش - ۲ - (مجازاً) زینت و آرائش - اس کا معرّب طراز ہے - (نوراللغات ج ۲ صفحہ ۲۴۰) -

۲- (بہ فتح تا) زینت و آرائش ، نقش و نگار پارچہ ، زردوزیِ جامہ ، بہ عربی طراز می گویند - (فرہنگ عمید صفحہ ۳۷۷) -

۱ - غالیہ - ع (بہ کسر لام و فتح یا) داروے بسیار خوش‌بو کہ از ترکیب مشک و عنبر و حصی لبان 'حسن لبہ' درست می کردہ‌اند - غوالی جمع - (فرہنگ عمید صفحہ ۸۳۹) -
'غالیہ سا' اُبٹنا بکھیرنے والا - نفس غالیہ‌سا ہو ، مراد سانس عطر فشاں ہو - (مرتب)

گر ہو نہ محالات میں تقدیر مددگار
کب ناخنِ تدبیر کہیں عقدہ کشا ہو
جو شمع کہ ہو راہ گزر میں تری روشن
بجھتی نہیں گو وقفِ رہِ بادِ صبا ہو
جس قافلے کو تیری ہدایت پہ ہو تکیہ
اُس کو نہ کبھی حاجتِ آوازِ درا ہو
محکوم ترا ہو تو حکومت ہے جہاں کی
آزاد وہی ہے کہ جو پابندِ رضا ہو
احسان گراں مایہ کرے خلق جہاں پر
احسان ترا جس پہ ذرا سا بھی ہؤا ہو
کیا مایہ تھا جو شہرتِ حاتم ہوئی لیکن
قطرہ بھی ترے لطف کا دریاے سخا ہو
ہو غنچۂ سربستہٴ تاراج خزاں وہ
جس دل پہ ترے راز کا عقدہ نہ کھلا ہو
کیا جامِ جہاں بیں سے اُسے دے کوئی نسبت
جو دل نہ ترے بادۂ الفت سے بھرا ہو
کیا خاک رہے صرصرِ آفات سے محفوظ
وہ پھول کہ جو تیری ہوا میں نہ کھلا ہو
اس عیش سے اچھا ہے مصیبت ہی میں رہنا
جب دل میں کوئی غم ہو تو ہونٹوں[1] پہ خدا ہو

۱۔ 'ہوٹوں' اصل متن (کلیات سالک صفحہ ۲۲۰) میں املا غلط ہے۔ یہ املا مصنف کا معلوم ہوتا ہے۔ قدیم املا 'ٹ' درست ہے لیکن سالک کے عہد میں یہ املا متروک ہوچکا تھا، پھر 'ہوٹ' بغیر نون درست نہیں۔ (مرتب)

سحبان[1] فصاحت بھی وہ بن جائے تو پھر کیا
جس نے نہ تری حمد میں اک حرف لکھا ہو

فارغ نہ ہوں آزارِ محبت سے ترے ہم
یہ درد وہ ہے جس سے مریضوں کو شفا ہو

گر سوز محبت سے ترے خاک ہو انسان
ہر ذرے میں خورشیدِ جہاں تاب چھپا ہو

خاطر میں ترا غم ہو تو کیوں کر نہ ہو روشن
آئینے کو اس گرد سے کیوں کر نہ جلا ہو

حاصل ہے ضعیفوں کو عجب تجھ سے تقرب
وہ نالہ سنے تُو جو کسی نے نہ سنا ہو

کیا طور پہ دیکھیں کہ تو ہر جائے ہے موجود
اب کیوں 'ارنی'[2] کہہ کے کوئی ہرزہ سرا ہو

عاشق کی ہے تائید کبھی تجھ کو کہ یوسف
کنعاں[3] سے عبث مصر کو یوں راہ گرا ہو

۱- 'سحبان' (ع) عرب کا مشہور فصیح و بلیغ شاعر، جس کے باپ کا نام وائل تھا - (نور اللغات جلد سوم صفحہ ۲۱۴) -

۲- ارنی - ع - (بہ فتح اول و کسر دوم، (دکھا مجھے) فارسیوں نے بہ سکون دوم بھی استعمال کیا ہے . . .

مونث - حضرت موسیٰ نے باری تعالیٰ کے دیکھنے کی درخواست کی، اُس وقت یہ کلمہ فرمایا تھا - جواب میں اُدھر سے ارشاد ہؤا 'لن ترانی' (نہ دیکھ سکے گا تو مجھے) -

(نور اللغات حصہ اول صفحہ ۳۱۰)

۳- کنعان - (ع) مذکر، شام کے صوبۂ فلسطین کا نام، یہ مقام حضرت یعقوب کا مسکن اور حضرت یوسف کی پیدائش کی جگہ ہے -

(نور اللغات جلد ۳ صفحہ ۸۲۸)

منظور کبھی عصمتِ معشوق ہے ورنہ
کیوں وا ہو زلیخا نے جو بہتان لیا ہو
گھبراتے ہیں کیوں تیرے مریضوں سے اطبا
ظاہر میں بڑھے درد تو باطن میں شفا ہو
مسجود سمجھتے ہوں جہاں جلوے کو تیرے
واں چشمِ حقیقت میں نظر قبلہ نما ہو
آیا ہے مرے ہاتھ عجب ڈھنگ کا مطلع
کیوں طائر مضموں نہ یہاں رشتہ بہ‌پا ہو

مطلع ثانی

منظور جسے شیوۂ تسلیم و رضا ہو
لب پر نہ کبھی لائے کہ اب دیکھیے کیا ہو
رکھے جو قدم کوئی تری راہِ طلب میں
مانندِ خضر نقشِ قدم راہ‌نما ہو
دینی نہ ہو گر نزہتِ انظارِ خلائق
کیوں پرورشِ نخل میں پھر سعیِ صبا ہو
منظور نہ ہو تجھ کو اگر رزق رسانی
کیا کشت کہ باراں سے نہ اک برگ ہرا ہو
کھونی نہ ہو گر تیرگیِ بخت تجھی کو
انسان پہ کیوں سایہ فگن ظلِ ہما ہو
چاہے جو پریشانیِ گم کردہ رہاں تو
کیا خضر کو مطلب ہے کہ یوں راہ نما ہو
بجلی بھی اسی ابر میں ، پانی بھی اسی میں
ہے قہر و کرم ایک ہی گر حکم ترا ہو

واں قہر ، جہاں دل سے بھلا دے تجھے کوئی
ا"رے' سے ہو دو ٹکڑے ، کہیں جا کے چھپا ہو

یاں لطف کہ ہو نام ترا وردِ زباں گر
ماہی' کے شکم سے کوئی دریا میں رہا ہو

سرکش' کی ہلاکت کہیں پشّے سے ہو ظاہر
آتش' کہیں سر پر چمنِ خلد فضا ہو

طوفان' ہو کسی کے لیے ، کشتی ہو کسی کو
فرعون کو ہو نیل تو موسیٰ کو عصا ہو

آرائشِ خوبانِ جہاں تجھ سے ہے ورنہ
قدموں میں اُلجھ جائے اگر زلف دوتا ہو

یہ تیر سی نظروں میں اشارے نہ بھرے ہوں
آئینۂ رخسار پہ ہرگز نہ جِلا ہو

۱۔ حضرت زکریاؑ ارہ سے چیر ڈالے گئے تھے ۔ (مرتب)
۲۔ حضرت یونسؑ کو ایک مچھلی نگل گئی تھی ۔ بہ حکم خدا آپ زندہ اُس کے شکم سے برآمد ہوے ۔ (مرتب)
۳ ، ۴ ۔ نمرود (بالفتح غلط ، بالضم صحیح) کے واقعے کی طرف اشارہ ہے جس نے حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ کو آگ میں ڈلوایا تھا اور وہ آگ خدا کے حکم سے گلزار ہوگئی تھی ۔
(دیکھیے 'نمرود' نوراللغات جلد ۴ صفحہ ۳۱۷)
۵۔ حضرت نوحؑ کی امت اپنی بداعمالیوں اور مخالفت کی وجہ سے طوفان میں تباہ ہوئی اور حضرت نوحؑ پانی کے زبردست طوفان میں اپنی کشتی کے اندر محفوظ رہے ۔ (مرتب)

عشاق کو سامانِ خرابی نہ ہو یعنی
شوخی ہو طبیعت میں ، نگاہوں میں حیا ہو
گفتار نہ جادو ، نہ کرامت ہو ، نہ اعجاز
رفتار سے آشوبِ قیامت نہ بپا ہو
ہر عشوۂ بے باک سے یوں دل نہ کھنچا جائے
ہر غمزۂ غمّاز نہ یوں ہوش ربا ہو
مژگاں کو نہ ہو خنجرِ سفّاک سے نسبت
ابرو کے اشارے میں نہ یوں قتل مرا ہو
تنہا ہو اگر حسن تو کیوں جان دے کوئی
انداز ہو انداز پر ، آفت نہ ادا ہو
آنکھیں ہوں یہی ، کیوں ہو نگاہوں میں یہ جادو
دیکھیں جسے وہ ہی ہدفِ تیرِ قضا ہو
دے مجھ کو وہ نالہ کہ تری راہِ طلب میں
گم کردہ رہوں کے لیے آوازِ "درا" ہو
وہ غم دے کہ جس غم پہ کروں عیش تصدق
وہ درد دے اپنا کہ جو درماں سے سوا ہو
پیش آئے وہ صحرا مجھے شب گیر عدم میں
ہر ذرّہ جہاں مشعلِ خورشید نما ہو
وہ عمر دے مجھ کو کہ تری یاد میں گزرے
وہ موت دے مجھ کو کہ خضر جس پہ فدا ہو
مل جائیں عناصر میں پس از مرگ عناصر
ہر جزو ہو کُل ، گر تری الفت میں فنا ہو
جو کام رضا پر ہو تری ، ہے وہی بہتر
سالک کی دعا ہے کہ برا ہو نہ بھلا ہو

(۲)

اظہار ناموافقتِ روزگار و چارہ خواستن بہ پردۂ نعت جناب سرور کائنات خاتم‌الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و اصحابہ اجمعین

قدر انداز چرخ ، میں نخچیر
اب نہیں ہے نجات کی تدبیر

کیا ہو درمانِ رخنہ سازیِ دہر
چھٹ چکا کب سے ناوکِ تقدیر

گر نہ ہو بے سبب زمانہ عدو
کیوں ملے مجھ کو بے خطا تعزیر

جس سے بڑھ کر نہ ہو سزا کوئی
اس کے لائق ہوں گو نہیں تقصیر

ہوں میں وہ کشتنی کہ ہر سفّاک
تیز کرتا ہے دم بہ دم شمشیر

نہ کوئی غم گسار دنیا میں
نہ جہاں میں مرا کوئی دستگیر

نہ کوئی کان دھر کے بات سنے
نہ کوئی میرا نیک خواہ مشیر

نہ مرا راز گفتنی ، افسوس
نہ مرا درد لائقِ تقریر

ہاتھ آجائے گر کہیں سے زہر
مجھ کو کھانے میں کچھ نہ ہو تاخیر

نظر آجائے گر کوئی جلّاد
لوں نہ زنہار مہلتِ تکبیر

کام اچھا کروں ، برا ہوجاے
وہ نحوست ہے میرے دامن گیر
رشک شعریٰ[1] اگر لکھوں اشعار
شعر میرا نہ پاے قدر شعیر[2]
چاہوں گر ازدیادِ دولت و جاہ
اور رنج و الم کی ہو توفیر
جاؤں گر عین موسمِ گل میں
رشکِ ملتاں[3] ہو خطۂ کشمیر
تازہ پھر فکر انہدام کی ہو
پاے گر قصرِ منہدم تعمیر
گر ہوں ذوقِ سماع کا مائل
نغمہ بن جاے نالۂ شب گیر
بلکہ پھندا گلے میں بن جاے
صوتِ مطرب میں ہو اگر تحریر

---

۱ - شعریٰ - ع - 'شعرا' (بہ کسرشین) نام دو ستارہ کہ یکے را 'شعراے شامی' و دیگرے را 'شعراے یمانی' می‌گویند ، شعراے یمانی در شب ہاے تابستان نمایاں می شود - در فارسی دو خواہر و دو خواہراں نیز گفتہ اند - (فرہنگ عمید صفحہ ۷۷۱) -

۲ - شعیر - ع - (بہ فتح شین و کسر عین) جو -
(فرہنگ عمید ، صفحہ ۷۷۲) -

۳ - ملتان کی گرمی مشہور ہے اسی لیے شاعر نے کہا ہے کہ اگر میں کشمیر میں فصل بہار میں جاؤں تو وہاں ملتان جیسا گرم موسم ہوجائے - (مرتب)

شبِ وصلِ بتاں اگر ہو نصیب
شام سے نکلے آفتابِ منیر
ہجر اگر ہو تو تیرہ روزی سے
دن بنے میرے بخت کی تصویر
جاؤں گل‌گشتِ گلستاں کو اگر
چاہوں تسکینِ خاطرِ دل‌گیر
شہر آردی[1] بہشت بن جائے
رنگِ گل کو ہوا سے ہو تغیر
غنچے بن جائیں سب کھلے ہوئے پھول
ہو نسیمِ چمن کی یہ تاثیر
باغ میں پائی جائے ویرانی
صوتِ بلبل ہو رشکِ صوتِ حمیر[2]
بہرِ تسکینِ خاطرِ ناشاد
کچھ بن آتی نہیں مجھے تدبیر
دل ٹھکانے ہے نے زباں بس میں
میں نے کی کیوں کہ یہ غزل تحریر

مطلع ثانی

شبِ فرقت اجل نے کی تاخیر
مر گئے یوں بھی ہم ، زہے تقدیر

---

۱ - اُردی بہشت - ۱ (به ضم همزه و کسر با و ها) ماه دوم از سال خورشیدی ، ماه دوم بهار ، و نام روز سوم از هر ماه خورشیدی - (فرهنگ عمید ، صفحه ۱۰۸) -
۲ - حمیر : گدھا -

وہ سمجھتے ہیں غم کو مصنوعی
اور آتی نہیں مجھے تقریر
نہ وفا پیشگی میں اپنی مثال
نہ تمھاری ستم‌گری میں نظیر
میرے زنداں کا دیکھ کر عالم
چشمِ حیرت ہے حلقۂ زنجیر
نہ ہؤا کوئی عقدہ وا نہ ہؤا
گھس گئے میرے ناخنِ تدبیر
لب پہ ہر دم ہے آہِ آتش بار
بن گئی ہے زباںَ آتش گیر
اور دشمن سے ہوگئے وہ صاف
سن کے اُلجھی ہوئی مری تقریر
اب سماتا نہیں نظر میں غیر
کیا سمائی ہے یار کی تصویر
غش نہ ہو اُس پہ اے فسوں‌گر دیکھ
پہلے کر اپنے ہوش کی تسخیر
لطفِ صیّاد ہے غضب مجھ پر
زمزموں نے رکھا ہے مجھ کو اسیر
ہے وہ گفتار دل نشیں ورنہ
اب زمانے سے اُٹھ گئی تاثیر
جرم ٹھہری سخن‌وری سالک
کیوں یہ بیہودہ میں نے کی تقریر
غلطی کی وگرنہ لکھنی تھی
نعتِ شاہنشہِ فلک توقیر

وہ ملک رتبہ ، احمدِ مرسل
وصف جس کا ہے لوح پر تحریر
نہ کہوں موسیٰ بلند کلام
نہ کہوں عیسیٰ نکو تقریر
یاں خدا بات بات پر عاشق
یاں خموشی میں معجزے ہیں کثیر
نہ عدیل اُس کے قیصر[1] و فغفور[2]
نہ جم[3] و کے[4] سے ٹھیک اُس کی نظیر
کیا اُسے دوں زمینیوں سے مثال
جس کے خدّام ہوں سپہر سریر
اُس کے در پر نہ پائے قدر فلک
ایک یہ بھی وہاں ہے خادم پیر
لکھیے وہ ایک مطلع روشن
ہو خجل جس سے آفتابِ منیر

---

۱ - قیصر - ع (به فتح قاف و صاد) لقب سابق بادشاهان روم ، قیاصره جمع - (فرهنگ عمید صفحه ۹۱۲)
۲ - فغفور - ۱- (به فتح اول و ضم سوم) فغپور ، بغ پور ، یعنی پسر بت - لقب پادشاهان قدیم چین در نزد ایرانیان - (فرهنگ عمید صفحه۸۷۷)
۳ - جم - ۱- (به فتح جیم) مخفف جمشید که بنا بر داستان هاے شاه نامه چهارمیں پادشاه پیشدادی بوده - (فرهنگ عمید صفحه ۴۵۶)
۴ - کے - ص (به فتح کاف) پادشاه بزرگ ، شاهنشاه ، لقب بزرگ ترین پادشاهان ، کیان جمع کے بمعنی پادشاه بزرگ و نام سلسلۂ از پادشاهان ایران بعد از پیشدادیان بنا بر داستان شاهنامه (فرهنگ عمید صفحه ۹۷۱)

مطلع ثالث

نور سے تیرے ، نور عکس پزیر
یعنی ہے مہر کاسبِ تنویر
تیری انگشت سے دونیم ہے ماہ
بڑھ گئی ہے نجوم میں توقیر
کچھ نہیں ہے یہ گرمیِ ذاتی
رشک سے جل رہا ہے مہرِ منیر
تیرے حسّاد کو پناہ کہاں
ہے خدا کا غضب تری شمشیر
تیرے احباب نیک خواہ پہ ہے
کثرتِ الشفاتِ ربِ قدیر
گر ارادہ کرے ستانے کا
کہکشاں چرخ کو بنے زنجیر
لکھ چکا سرنوشتِ عالم کو
تیری مرضی پہ کاتب تقدیر
سن کے تیری حدیث شیریں کو
''ارنی گو'' کی صاف ہو تقریر
تجھ سے جو ہم کلام خواب میں ہو
طور کی سرگذشت ہے تعبیر

---

۱ - حضرت موسٰیؑ کو ''ارنی گو'' کہا ہے - بات کرنے میں ہکلاتے تھے- سالک نے کہا ہے ، اگر سرورِ کائناتؐ کی حدیث قدسی کو حضرت موسٰی سن پاتے تو ہکلاہٹ جاتی رہتی - (مرتب)

تھا سلیماں کے پاس ایک نگیں
یاں ہے ہر نکتہ خاتمِ تسخیر
یدِ بیضا پہ ہے کلیم کو فخر
نہیں دیکھی ہے تیری رائے منیر
استواری میں غیرتِ اجرام
قصرِ احکام کی ترے تعمیر
یہ بلندی کہاں سے پائی مگر
نام تیرا ہے عرش پر تحریر
چمنِ آرزوے سائل کو
کفِ بخشش تری[1] ہے ابرِ مطیر
کیوں "انا الحق" سزا کو ٹھہرایا
حق سرائی پہ واجب التعزیز
ہاں وہ کہتا "انا الرسول" اگر
تھی سزاوارِ دار یہ تقصیر
تیرا سایہ زمیں پہ کیوں کہ پڑے
جب کہ زیرِ قدم ہو مہرِ منیر
خردِ دور بیں یہ کہتی ہے
کہ ہے رونق فزاے چرخِ اثیر
عرض مجھ کو تری جناب میں ہے
اے شہنشاہِ آسماں توقیر

---

۱ - اصل متن (کلیات سالک صفحہ ۲۲۶) میں "نری ہے" ہے - یہاں "کف" بہ معنی ہتھیلی ہے - مؤلف نوراللغات "کف دست" کے معنی ہاتھ کی ہتھیلی لکھتے ہیں اور اسی طرح سالک نے "کفِ بخشش" (بخشش والی ہتھیلی) کا بہ صورت مؤنث صحیح استعمال کیا ہے - (مرتب)-

یوں مرے دل میں عشق ہو تیرا
جس طرح سے کہ سنگ میں ہو لکیر
اُن کی الفت رہے مدام کہ ہے
شان میں جن کی آیۂ تطہیر
میرے عصیاں کہیں نہ پوچھے جائیں
روزِ محشر نہ ہو مری تحقیر
نعت تیری بیاں ہو کیا مجھ سے
اس قدر کب ہے وسعتِ تقریر

(۳)

محمل بستنِ کاروانِ مضامین و معانی ، بہ سوے شہرستانِ نعتِ سرورِ دو جہانی و نارسیدہ واماندن بہ مقامِ دارالسرور، ثنائے حاجی الحرمین‌الشریفین ، نواب حاجی حافظ محمد کلب علی خان بہادر والیِ رام پور

ہؤا ہے موسمِ گل سے زمانے کا یہ حال
کہ صحنِ گلشنِ جنت بنے ہیں دشت و جبال
نکل چلی ہے بدل کر مزاجِ بادِ سموم
بنی ہے ہم اثرِ اهتزازِ بادِ شمال
یہ شکل پائی ہے روے زمیں پہ سبزے نے
خجل ہے سبزۂ خطِ بتانِ زہرہ جمال
خزاں کی راہ نہ کیوں کر ہو بند گلشن میں
کہ غنچے نے پائی ہے صورتِ اقفال

نجوم ، چشم فلک میں بنے ہیں اشک حسد
زمیں ملاتی ہے تاروں سے قطرہ ہائے زلال
خرام ناز بتاں پر ہے طعن ہرزہ دوی
ہؤا ہے سرو کو حاصل وہ پایۂ استقلال
جو کھینچیے سرِ دیوار نخل کی تصویر
مثالِ سبزۂ دیوار ہی ہو تازہ نہال
نہیں ہے رنگِ شفق ، عکسِ لالہ و گل ہے
بنا ہے جرمِ فلک اب تو آئنہ تمثال
یہ شاہدانِ چمن کے ہے حسن کا عالم
کہ چشمِ نرگسِ شہلا ہے حیرتیِ جمال
عجب نہیں ہمہ تن گوش گل ہو سننے کو
حدیثِ زمزمۂ طائرانِ رنگیں بال
روش روش پہ ہر اک گل کو چھیڑ کر چلنا
نسیمِ صبح نے سیکھا ہے شیوۂ ادلال
قوائے نامیہ ہیں اپنے کام میں ہر دم
گرا ہوا نہیں رہتا ہے سبزۂ پامال
رواں ہیں دیدۂ نرگس سے اشک شادی کے
جگہ جگہ نہیں جاری یہ چشمہ ہائے زلال
بنا چمن میں یہ ہر نونہال کا عالم
کہ مہدِ امن میں پائیں نہ پرورش اطفال
سرورِ مقدمِ فصلِ بہار دیکھ کہ ہے
زبانِ برگ پہ ہر نخل کے ، تعال تعال
یہ گل نہیں ہیں چمن میں گلِ حقیقت ہیں
کہ دامنِ نظرِ معرفت ہے مالامال

یہ کس کے حسن کا آئینہ بن گیا ہے چمن
کہ مثلِ آئنہ نظّارگی ہے محوِ جمال

روش روش سے ہوئی نفیِ ماسوا پیدا
مگر ہے سبزۂ نوخاستہ زبانِ مقال

یہ باغِ دہر نہیں ، کارگاہِ صنعت ہے
حقیقت اس کی بیاں کرسکے ، یہ کس کی مجال

کھلا یہ دیدۂ عبرت نگاہِ نرگس سے
رسا ہوئی ہے چمن تک کسی کی چشمِ خیال

برابر آ گئی ہے اس طرح سے گیاہ کہ ہے
ہزار "لا" سے گلستانِ دہر کا ابطال

یہ فصل وہ ہے کہ سوسن کو بھی جو بخشے گی
زبانِ مدح طرازِ شہِ فرشتہ خصال

وہ کون جس سے کہ تکوینِ ہر دو "کون" ہوئی
وہ کون جو کہ ہے منظورِ ایزدِ متعال

وہ کون جس کے سبب سے بنے ہیں کون و مکاں
وہ کون ، فیض سے جس کے جہاں ہے مالا مال

محمدِ ص عربی فخرِ انس و جنّ و ملک
کہ جس کی شرع نے کھویا طریقۂ اضلال

بجا ہے مظہرِ ذاتِ خدا کہوں اس کو
اگر کہوں نہ خداوندِ بے نظیر و ہمال

اسی کے لطف سے دنیا کی خوبیاں ہیں نصیب
اسی کے سائے میں ہے روزِ حشر استظلال

اُسی کی صدق کلامی کا فیض ہے ورنہ
یہ سنگ ریزہ کہاں اور[1] کہاں زبانِ مقال
اُسی کی ذات نے بخشا ہے نورِ پیشانی
وگرنہ حضرتِ آدم کی اصل ہے[2] صلصال
جہاں میں کس کو ملا ہے یہ پایۂ تمکین
ہؤا ہے زیرِ قدم[3] کس کے سنگ ، موم مثال
ادھر تو چاک کیا اُس کا نامہ[4] خسرو نے
قضا نے چاک کیا اُس کا جامۂ اقبال
دکھائی فتح کی صورت وہ اُس کی ضربت ہے
بنائے[5] سنگ کو خندق میں آئنہ تمثال

---

۱ - بر وزن فع -

۲ - صلصال : کھنکھنانے والی خشک مٹی - (مصباح اللغات صفحہ ۴۵۳ ، ناشر مکتبۂ برہان دہلی ، مرتبۂ ابوالفضل عبد الحفیظ طبع سوم) -

۳ - سرور کائنات کے معجزات میں آپ کے قدم مبارک کے نیچے پتھر کا موم ہوجانا بھی بیان کیا جاتا ہے اس لیے بر صغیر پاک و ہند میں ایسے پتھر مختلف شہروں میں موجود ہیں جن پر قدم مبارک کا نشان ہونا بتایا جاتا ہے - دہلی میں قدم شریف تاریخی عمارت ہے - رام پور (یو ، پی) میں بھی قدم شریف ہے - (مرتب)

۴ - یزدجرد شاہ ایران کے نام سرور کائنات کا جو نامۂ اقدس گیا تھا ، اس شعر میں اُسی کی طرف اشارہ ہے - (مرتب)

۵ - غزوۂ خندق میں سرور کائنات بھی اپنے فدائیوں کے ساتھ خندق کھودنے میں شریک تھے - آپ کی ضرب ایک چٹان پر پڑی اور اس سے ایک روشنی پیدا ہوئی - اُس میں آپ نے اسلامی مجاہدوں کے ہاتھوں مستقبل میں فتح ہونے والے مقامات ملاحظہ فرمائے - شعر میں اسی واقعے کی طرف اشارہ ہے -

ستونِ[1] سنگ بھی رونے میں بن گیا یعقوب
فراقِ پشتِ مبارک نے کر دیا بے حال
کہاں ہے چشمۂ حیواں یہ سب کہانی ہے
خضر نے جام سے اُس کے پیا ہے آبِ زلال
قیامِ روز، اشارے سے اُس کے جب ٹھہرے
غروبِ مہرِ جہاں تاب ہو نہ کیوں کہ محال
خزاں رسیدہ نہ ہو گلشنِ ثنا میرا
کہ نخل نخل ہے یاں دست پرورِ میکال[2]
ترا وہ رتبہ کہ مدّاح خود خدا تیرا
ترا وہ پایہ کہ پہنچیں جہاں نہ وہم و خیال
ترے ظہور نے توڑا محلِ کسریٰ کو
خراب ہوگئی گویا بنائے کفر و ضلال
دونیم تیرے اشارے سے ہو زہے قسمت
ہؤا ہے مہ کو تری آستیں سے مل کے کمال
رکھا جو سامنے تیرے طعامِ سم آلود[3]
تو اُس نے تجھ سے کیا آپ زہر کا اقبال
حدیثِ ''یطعمنی، یسقنی'' ہی کافی ہے
دلیلِ قربِ خداوندِ بے عدیل و ہمال
شفیعِ روزِ جزا جب سے سن لیا ہے تجھے
دیا ہے وسوسۂ حشر، میں نے دل سے نکال

---

۱ - اس شعر میں ستون حنانہ کی طرف اشارہ ہے[۔ (کتب سیرت میں اس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے) ۔

۲ - میکائیل ۔

۳ - ''آسود'' اصل متن میں غلط ۔ ''آلود'' تصحیح قیاسی ہے ۔ (مرتب)

نجات حشر کو ہوگی تری شفاعت سے
نگاہِ لطف سے کر مجھ کو یاں بھی مالا مال
کیا ہے دورِ فلک نے مجھے تباہ و خراب
کیا ہے گردشِ ایام نے مجھے پامال
قدم اٹھا نہ سکوں سوے منزلِ مقصود
یہ فرطِ ضعف سے کچھ بڑھ گیا ہے اضمحلال
گزر گئے ہیں دعاؤں کے پیش تر ہنگام
دعا کو ہاتھ اٹھاؤں یہ کیا ہے میری مجال
جو کوئی عیش کی صورت نکالیے تو ابھی
ہزار حیلے سے بدلے زمانۂ ختّیال
ابھی ہوں جامِ تمنا کے میرے دو ٹکڑے
جو بھول کر بھی کروں آرزوے نیم ہلال
فدائیانِ شہنشاہ مرتبت تیرے
عجب نہیں ہے کہ لیں مدح خواں کو تیرے سنبھال
اشارہ ایک کو ان میں سے گر ترا ہو جائے
بدل ہو عیش و طرب سے خرابیِ احوال
وہ کون ؟ کاب علی خاں آسماں پایہ
کہ جس کو ایک زمانہ کہے سحابِ نوال
جو آستاں کو کہوں اس کے کعبۂ امید
تو قصر کو نہ کہوں کیوں کہ قبلۂ آمال
شمیمِ خلق سے اس کی جہاں معطر ہے
نسیمِ لطف سے ہے اس کی دہر مالا مال
نظر میں آتی ہے کب ان کی، رفعتِ افلاک
جو اس کے در کو سمجھتے ہیں آسمانِ اجلال

یہ حادثات ہوں افسونِ بازگشت ابھی
جو اس کے کام میں گردوں کو ہو ذرا اہمال
لکھا ہے مطلعِ روشن وہ مدحِ حاضر میں
کہ جس کے رشک سے مہرِ منیر پائے زوال

مطلع ثانی

نگاہ کرکے ترا پایۂ عروجِ کمال
فلک کو مل گئی سوگندِ عظمت و اجلال
ترا ہی نام ہے زیبِ دفاترِ دانش
ترا ہی ذکر ہے فخرِ رسائلِ افضال
جو رائے کا تری اک پرتو بھی ہاتھ آجائے
بنائے ایک جہاں اور جوہرِ فعّال
دبیرِ چرخ مددگارِ کلکِ سحر طراز
معینِ تیغ ہے ترکِ سپہرِ روز جلال
ترے سمند کی تعریف لکھ سکے کیوں کر
کہاں سے خامے نے پایا یہ پائے استعجال
وہ خوش خرام کہ جس پر نسیم دل سے نثار
وہ تیزگام کہ صرصر بھی جس کے ہے دنبال
مجال کیا ہے کہ ہو اُس سے ہم عناں کوئی
کہ دست وہم میں رکھنی[1] (کذا) نہیں رکاب دوال
رعایت اُس کے ہی جولاں کی تھی زمانے کو
زمیں کی شکل بنائی ہے افضل الاشکال

---

۱ - 'رکتی' ؟- (مرتب)

زبانِ خامہ ہوئی ڈر سے خشک کیا لکھوں
صفاتِ پیلِ گراں پیکرِ فلک تمثال
صلائے عیش ہوئی بخششِ ترانۂ غم
دلِ حزیں سے کیا رنج و غم کا استیصال
سوادِ نثر کی تعریف کیا لکھے خامہ
زبانِ ناطقہ توصیف میں ہے اُس کی لال
ادا نثار ہے آہنگ کی رسائی پر
ہر ایک فقرے سے پیدا روانیِ سلسال
عیاں وہ ربط ہے الفاظ کو معانی سے
کہ جسم و جاں کو بہم اس قدر ہے ربط محال
نہیں ہے لائقِ مدحت طرازیِ والا
زبانِ سالکِ بیہودہ گوے ہرزہ مقال
پہنچ گیا ہے دعا کا وہ زمزمہ لب تک
کہ جس کا آپ اثر نے کیا ہے استقبال
جہاں میں سلسلۂ ذکر و شغل جب تک ہے
نظر میں خلق کی جب تک ہے خواریِ ہزّال
کلام میں ترے احباب کے رہے تاثیر
ترے حسود کے بے اعتبار ہوں افعال

(۴)

ایضاً

ہوں تیرہ روز ، کیا ہو ضیا گستر آفتاب
جاتا ہے میرے سایے سے بھی بچ کر آفتاب
اس خاک داں سے کچھ تو ہے بہتر کہ چرخ کو
ان گردشوں پہ تو نے بنایا گھر آفتاب

کیا کیا ہے دیکھنے کی شبِ ہجر میں ہوس
گویا کہ ہے جمالِ رخِ دلبر آفتاب

اک داغ لے گیا ہے فلک مجھ سے مستعار
لایا کہاں سے ورنہ یہ بدگوہر آفتاب

انساں کو صبر ہو تو اٹھائے ہزار داغ
کب سینۂ سپہر کو ہے دوبھر آفتاب

یا رب نگاہ دیکھ کے ہوتی ہے خیرہ کیوں
کس کے ظہورِ حسن کا ہے مظہر آفتاب

کرتا نہیں کسی کی نمائش پسند دہر
گردش میں کس طرح نہ رہے دن بھر آفتاب

اس زلف کی نہ مشک سے ہوگی برابری
اس رخ کے ہوسکے نہ کبھی ہمسر آفتاب

گردابِ حادثاتِ محیطِ جہاں کو دیکھ
ہر روز ایک سا ہے تجھے چکّر آفتاب

گردش نصیب ہوتے ہیں اہلِ ہنر تمام
کیا جانے تجھ میں کون سے ہیں جوہر آفتاب

جب حسن ہو تو حاجتِ مشّاطگی نہیں
ہے سادہ روئی تیری، ترا زیور آفتاب

پورا نہیں تلاش میں تو ورنہ ایک سا
ہے خطِّ استوا و خطِ محور آفتاب

اس بت کے ہجر میں کوئی کھایا نہیں ہے داغ
چمکے گا میرے سامنے کیا پتّھر آفتاب

گر چشم حق نگر ہو تو اس کو بھی توڑ دے
بُت کی جگہ بنائے اگر آذر آفتاب

آہِ شرر فشاں مری جاتی ہے متّصل
لے راہ لامکاں کی نہ گھبرا کر آفتاب
ڈر کر جو کام کرتے ہیں پورے ہیں کام میں
لرزاں ہے صبح مثلِ تنِ لاغر آفتاب
مانیں گے ہم نہ جوششِ طوفانِ اشک کو
بھیگا ہؤا نہ پائے اگر بستر آفتاب
جانیں گے ہم نہ نالۂ سوزاں رسا تجھے
تا آسماں نہ خاک ہو، خاکستر آفتاب
ہر خاکسار مہبطِ انوارِ حق ہے یاں
دیکھو ضمیرِ ذرّہ میں ہے مضمر آفتاب
کیا ذکرِ آفتاب ہے اے دل کر اُس کی مدح
قربان جس کے نام کو ہو سن کر آفتاب
کاؤس کوس کلب علی خان جم شکوہ
جس کی نظر میں ذرے سے ہے کم تر آفتاب
گردش خلاف اس کے نہ ہو چرخ کو کبھی
ہو اُس کے حکم سے نہ کبھی باہر آفتاب
شکل اس کی دیکھ کر عرقِ انفعال سے
ہو جائے کیوں نہ سر سے قدم تک تر آفتاب
کیا اس کی پیش گاہ سے اس کو ملی سند
کس طرح بن گیا ہے شہِ خاور آفتاب
یہ اور اس کے شمسۂ ایواں کی ہمسری
لا چرخ اس سے اور کوئی بہتر آفتاب
یوں روشنی زمیں کو ہوئی اُس کی ذات سے
جس طرح زینتِ فلکِ اخضر آفتاب

دیکھے نگاہِ مہر تو اس کے حسود پر
دے چشمِ روزگار میں اک نشتر آفتاب
گر حسبِ مدعاے عدو بھول کر پھرے
کھینچے سپہر کے لیے اک خنجر آفتاب
ہے فیضِ خاک بوس در اس کا کہ بن گیا
فرخندہ رو سہیل و نکو منظر آفتاب
اس کی عطا نے بخشی ہے رونق جہان کو
سیمیں لباس ماہ ہے زریں سر آفتاب
کافی ہے اس کے دستِ سخاوت نشاں کو کب
آ جاے بن کے خود بھی جو کانِ زر آفتاب
اس کے جلال کا نہ ہو واعظ بیاں کبھی
جب تک بنے نہ تیرے لیے ممبر آفتاب
ہے اس میں کوئی بھید کہ غائب ہو شام سے
دائم سحر کو اے فلکِ اخضر ، آفتاب
پھرتا ہے چور پہرے میں شاید چھپا ہؤا
گرد اس کی خوابگہ کے مگر شب بھر آفتاب
یُمنِ قدم سے اس کے جہانِ حدوث میں
عالم نواز مہ ہے ، جہاں پرور آفتاب
چھپتا ہے حالِ ظالم و مظلوم یاں کوئی
ایوانِ معدلت میں ہے سر دفتر آفتاب
ثابت کیا جہاں کو قدیم اس کی ذات نے
کچھ دور ہے نہ منتظرِ محشر آفتاب
کیا تاجِ زر نگارِ جم و کے کا ذکر ہے
رکھتا ہے گوشے گوشے میں یاں افسر آفتاب

رونق بڑھے گی عہد میں اس کے ، جہان کی
اب کیا عروسِ دہر کو ہو زیور آفتاب

ہو ایک ایک ماہ ہر اقلیم کے لیے
پائے نیا نیا ہی ہر اک کشور ، آفتاب

ہو اس کی رائے سے یہ اگر کاسبِ ضیا
کہنے لگیں سُہا کو جہاں پرور آفتاب

نورِ جمال دیکھ لے اس کا اگر کبھی
ہو کاہشِ حسد سے سہا پیکر آفتاب

اس انجمن کی مجھ سے بیاں روشنی ہو کیا
روشن ہے پنجیوں[1] کی جگہ باہر آفتاب

ہے عالم اس کی بزم میں سرگرمیِ نشاط
بنتا ہے آ کے ہاتھ میں یاں ساغر آفتاب

کرتا ہوں ایک دعویِ روشن حضور میں
تائید جس کی آپ کرے سن کر آفتاب

مطلع ثانی

پاتا جو کچھ بھی جاے ترے در پر آفتاب
کب چارمیں فلک کو بناتا گھر آفتاب

یوں حال خستگاں پہ ہے تیری نگاہِ مہر
گویا کہ جلوہ ریز ہے ذروں پر آفتاب

---

۱ - اصل متن (کلیات سالک صفحہ ۲۳۳) میں "پنچیوں" درست نہیں - "پنجیوں" صحیح ہے - بہ قول مؤلف فرہنگ آصفیہ (جلد اول صفحہ ۵۳۴) :
پنجی - ف - اسم مؤنث - پنج شاخہ - فلیتے جلانے والا آلہ - اس لیے "پنچیوں" کتابت کی غلطی ہے - (مرتب)

روشن خرد نہ پائے جہاں میں ترے سوا
ڈھونڈھے چراغِ نور اگر لے کر آفتاب

کیوں ذرہ ذرہ مشرقِ انوارِ مہر ہے
بنتا نہیں ہے جلوے سے تیرے گر آفتاب

کیوں کر نہ اس کو خلق میں روشن جبیں کہیں
ہر روز جبہہ سا ہے ترے در پر آفتاب

ذراتِ آستاں میں ترے آ ملے تو ہو
چشمِ ستارہ بیں سے جدا کیوں کر آفتاب

تیرا جہاں دیدۂ حاسد میں کیا سمائے
ممکن نہیں کہ دیکھ سکے شپّر آفتاب

یہ اور تیرے عارضِ تاباں کی ہمسری
کچھ دو قدم نہ حد سے رکھے باہر آفتاب

ہے ایک ماہ‌تاب کو فیض آفتاب سے
بنتا ہے تیرے جلوے سے ہر اختر آفتاب

ذرّاتِ آستاں کو ترے دیکھ دیکھ کر
ہر ذرے سے بدلنے کو ہے پیکر آفتاب

مُہریں ہیں، یہ ستارے نہیں آسماں پر
رکھتا ہے بندگی کا تری محضر آفتاب

خدمت میں رات دن تری رہنا ملے اگر
فغفور ماہ‌تاب بنے، قیصر آفتاب

شیر افگنی کی دھوم ہے تیری تو کیا عجب
دورہ اسد[1] میں گر نہ کرے ڈر کر آفتاب

---

۱ - اسد -(بہ فتح ہمزہ وسین) شیر، شیر نر یا مادہ و نام برج پنجم از بروج دوازدہ گانۂ فلکی (فرہنگ عمید صفحہ ۱۳۳)

میدانِ رزم میں یہ تری شان ہے بلند
ہے فرقِ مہرسا کو ترے مغفر آفتاب

تیرے مقابلے کو اگر آئے رزم میں
'ترکِ[1] فلک' سے چھینے ابھی خنجر آفتاب

آحلا رہے نہ کیوں کہ ترا رخشِ باد پا
خدمت کو مل گیا ہے اسے چاکر آفتاب

پیلِ فلک شکوہ ترا وہ، کہ ڈر گیا
مستک کو دیکھ کر فلکِ[2] 'نہ پر آفتاب

کیواں[3] کا ڈر ادھر ہے اُدھر اُس کا خوف ہے
کس طرح بیچ میں نہ رہے مضطر آفتاب

سالک تم اور مدح، مگر وہ دعا کرو
'آمین' جس دعا کو کہے سن کر آفتاب

جب تک ہے ایک داغ قمر کو لگا ہؤا
جب تک ہے زینتِ فلکِ اخضر آفتاب

نکلے نہ کام چرخ سے، تیرے حسود کا
احباب کے نہ حکم سے ہو باہر آفتاب

---

۱ - ترک فلک : مریخ - (مرتب)
۲ - فلک 'نہ : نواں آسمان - (مرتب)
۳ - کیوان - زحل -

(۵)

آراستنِ شاهدِ[1] سخن بہ زیورِ مدحت گستری سری مہاراؤ راجا شیودان سنگھ بہادر

جو میرے غم کی سنے داستانِ طولانی
تو عمرِ خضر الٰہی کر اس کو ارزانی

سما سکے جو نہ زلفِ بتاں میں روزِ ازل
رقم ہوئی مری قسمت میں وہ پریشانی

بچا نہ وہ بھی رہا داغ ہائے سوزاں سے
دیا فلک نے جو مجھ کو لباسِ عریانی

نہ پوچھ تنگیِ کاشانہ کا مرے احوال
سرشکِ مور سے تا سقفِ خانہ ہو پانی

وہ تیرگی ہے کہ جس تیرگی میں آئے نظر
سوادِ خالِ بتاں، مثلِ مہرِ نورانی

ہجومِ غم سے ہوں راضی کہ سینے میں دشوار
خیالِ عیشِ گذشتہ کو ہے جگہ پانی

دلِ حزیں کو مرے ہو ہزار جمعیّت
ملے جو طرّۂ طرّار کی پریشانی

عبث ہے بےزری و مفلسی کا غم مجھ کو
کہ میرے پاس ہے گنجینۂ ثنا خوانی

دہن میں ہیں مرے لعل و گُہر مضامیں کے
بجا ہے مجھ کو کہیں معدنِ سخن دانی

---

۱ - 'شاید' اصل متن (کلیات سالک صفحہ ۲۳۵) میں سہوِ کتابت ہے، 'شاہد' تصحیح قیاسی ہے - (مرتب)

صریرِ کلک مری ، جس کے کان تک پہنچی
کبھی سنے نہ صدائے طیورِ بستانی
مرے ہی رشحۂ خامہ سے وام لیتے ہیں اب
گہر جو بنتے ہیں رشحاتِ ابرِ نیسانی
ہر ایک دائرہ ہے جائے دیدۂ نرگس
کلام میں مرے گر آئے لفظ حیرانی
دکھاؤں خاک میں گرداب و موج ولطمۂ بحر
جو گفتگو کے لیے خاک کو کہوں پانی
خدا نے دی ہے مرے نطق میں جو یہ طاقت
تو اس لیے کہ کسی کی کروں ثناخوانی
وہ کون ؟ نام گر اُس کا زبان پر آ جائے
تو ہر سخن میں ہو تاثیر کی فراوانی
سپہر مرتبہ شیودان سنگھ والا قدر
کہ جس کے مور کو ہے دعویِ سلیمانی
جو اس کی رفعتِ تمکیں کو دیکھ پائے کبھی
تو دور ہو سرِ قیصر سے نازِ سلطانی
وہ آفتاب ہے ، پر تھا ظہورِ فیض ضرور
خدا نے اُس کو عطا کی جو شکلِ انسانی
بھری ہے بزم یہ اُس کی کہ بس غنیمت ہے
صفِ نعال میں جمشید کو جگہ پانی
عجب نہیں ہے کہ ہیبت سے اُس کی روزِ نبرد
عدو حیات سمجھتا ہو موت آ جانی

بنے گی آج تو صرصر بگولے کی صورت
کہ 'من مراد'' کو اُس کے ہے قصدِ جولانی
یہ چاہتا ہے کہ ہو جادۂ غزل پیما
سمندِ طبع میں کیا آ گئی ہے جولانی

مطلعِ ثانی

رواں مدام ہے آنکھوں سے اشک کا پانی
بجا ہے مجھ کو، تخلص کروں جو گریانی
خیالِ ناوکِ مژگانِ یار کی سوگند
لہو جو تن میں ہے، ہے آج صرفِ مہمانی
نہ جائے کام سے کیوں کر زمانے کے انساں
بڑا غضب ہے طبیعت کسی پر آ جانی
نزولِ رحمتِ حق جانتا ہوں میں اس کو
مژہ سے اُس کی جو ہو مجھ پہ تیر بارانی
وہ کہتے ہیں کہ تری جان لے کے چھوڑیں گے
اجل سے کرنی پڑی جان کی نگہبانی
تنورِ چشم کو طوفان کا ارادہ ہے
پھرے گا آج تو طوفانِ نوح پر پانی
رہے ہیں ٹوٹ کے پیکاں جو اُس کے تیروں کے
تو بن گیا ہے جگر میرا لعلِ پیکانی
یہ شوق تھا کہ غزل لکھ گیا ہوں میں ورنہ
اُسی کی مدح میں ہے حاصلِ سخن دانی

---

۱ - نام اسپ ۔

سلیقہ مند ہے جمشید اور میں ساعی
عجب نہیں کہ ملے اس کو خان سامانی
عدو کی آنکھ اگر اس کی تیغ پر پڑ جائے
تو پہلے قتل سے بن جائے چشم قربانی
چمک وہ آب میں اس کی جو دیکھ پائے کبھی
بھر آئے دیدۂ ترکِ فلک میں بھی پانی
نوید خرمیِ جاوداں ہو باغِ امل
ہے اس کی بارشِ ابرِ کرم کو طغیانی
ہوئی ہے ہر سرِ مو سے مرے زباں پیدا
نہ آئی جب بھی یہاں کام کچھ سخن دانی
دعا پہ ختمِ سخن چاہیے کروں سالک
مری زبان کہاں اور کہاں ثناخوانی

(٦)
ایضاً

رات زہّاد کو رکھتا ہوں سحر تک بیدار
نالہ اس بے اثری میں بھی نہیں ہے بے کار
اثرِ سوزِ محبت نہ گیا بعدِ فنا
اگتے ہیں خاکِ لحد سے بھی مری نخلِ چنار
بت پرستی کا مری کرتے ہیں چرچا پھر کیوں
جو یہ کہتے ہیں کہ البتہ خدا ہے ستّار
جو گیا لے کے مرا خط نہ پھرا، پر نہ پھرا
قاصدوں سے مرے آباد ہؤا کوچۂ یار

رشک کہتا ہے کہ اُس کوچے میں رہتا ہے رقیب
شوق کہتا ہے چلو اُس سے ہمیں کیا سروکار
اس قدر ربط اُسے غیر سے اللہ اللہ
صورتِ یار نکلتی ہے جو لکھوں اغیار
وہ جہاں آکے دکھاتے ہیں عدو کو جلوہ
اپنے سائے کی طرح کیوں نہیں گرتی دیوار
رہ گئی شرم قیامت میں وفاداری کی
تیری صورت میں ہؤا مجھ کو خدا کا دیدار
کس طرح مے سے کیا کرتے ہیں توبہ کہ یہاں
بن پیے بات نکلتی نہیں منہ سے زنہار
آشیاں پر مرے اے برق! نہ کرنا تکلیف
تجھ سے کچھ کم نہیں میرا نفسِ آتش بار
بہرِ تزئینِ مکاں مجھ کو بھی رہنے دیجے
فرطِ حیرت سے ہوں میں صورتِ نقشِ دیوار
گھر سے کب نکلے ہیں وہ میری عیادت کے[1] لیے
نالۂ اہلِ عزا جب کہ ہؤا گوش گذار
جیسے دیوانے کیا کرتے ہیں باتیں اس طرح
ایک دن میں نے کیا دل سے یہ مطلب اظہار
کوئی تدبیر بتا رفعِ تردد کے لیے
دیتی ہے اب تو پریشانیِ خاطر آزار
سن کے بولا کہ ذرا ہوش میں آ، اے نادان!
نظر آتی نہیں کیا تجھ کو زمانے کی بہار؟

---

۱ - اصل متن میں "لی" سہوِ کتابت ہے۔ "کے" تصحیح قیاسی - (مرتب)

طرب و عیش کا وہ جوش ہؤا ہے اب تو
کہ نہیں ہجرِ بتاں میں بھی الم سے سروکار
نغمۂ روح فزا کا نہ ہو دھوکا جس پر
لبِ عاشق پہ وہ نالہ نہیں آتا زنہار
فرحت انگیز ہوئی بادِ بہاری یاں تک
کوئی بنتا نہیں عالم میں کسی کا غم خوار
نامیہ اس کا بھی اک رنگ جما دیتا ہے
جس شجر پر ہو گلستاں کے، بہجومِ انظار
جان ڈالے گا مگر فیضِ ہوا اُن میں بھی
متحرّک نظر آئیں گے نقوشِ دیوار
سبدِ گل میں اُٹھا کر اُنھیں رکھ لے گل چیں
نالۂ بلبلِ شیدا سے اگر نکلیں شرار
دلِ صیّاد جلائیں تو جلائیں ورنہ
تازگی نے کہیں چھوڑے نہیں سوکھے اشجار
کھائیں گے اہلِ جہاں یہ ہی ہوا گر چندے
تو زمانے میں نہ ہوگا کوئی دق کا بیمار
فیض سے اُس کے یہ دنیا کا چمن پھولا ہے
اُس کی بخشش نے دیا دہر کو تشریفِ بہار
راو راجہ وہ سکندر در و دارا درباں
خسروِ عہد جو کہیے تو اُسے آئے عار
نہیں وہ دل کہ نہیں جس میں محبت اُس کی
نہیں وہ سنگ کہ پوشیدہ نہ ہو جس میں شرار
فیض اس بحرِ کرم کا جو نہ پہنچے اُس کو
ابرِ نیساں کی یہ طاقت ہے کہ ہو گوہر بار

بخت و اقبال پر اُس کو نہ ہو کیا کیا نازش
بزم میں دے وہ اگر خسروِ پرویز کو بار
اس طرح بھاگتے ہیں رزم سے اُس کے اعدا
کہ نہ شب گیر[1] سمجھتے ہیں نہ جانیں ایوار[2]
نام آ جاتا ہے گنتی میں شہنشاہوں کا
کوئی کرتا ہے اگر اُس کے غلاموں کا شمار
اہلِ عالم اُسے کہتے ہیں نہایت کم ہیں
پیل کو اُس کے جو کہتا ہے کوئی کوہ وقار
اس لیے رنگ سیہ اُس کا بنایا حق نے
تھی سیہ بختیِ حسّاد کی قسمت درکار
چاند اس رنگ سے مستک پہ نظر آتا ہے
جس طرح سے مہِ نخشب[3] ہو نمایاں شبِ تار
صورتِ دستِ دعا صاف ہے دانتوں سے عیاں
کہ سیہ روزیِ دشمن کا اسی پر ہے مدار

---

۱ - شب گیر : سحر گاہ ، ہنگام سحر ، حرکت بعد از نیمہ شب و ہنگام سحر از جائے بہ جائے دیگر (فرہنگ عمید ، صفحہ ۶۳ے)

۲ - ایوار : (بہ کسر ہمزہ) ہنگامِ عصر ، نزدیک غروب آفتاب ـ ایوار کردن : سفر کردن ہنگام عصر ـ (فرہنگ عمید ، صفحہ ۲۱۵)

۳ - ماہِ نخشب : ماہے کہ مقنع (کہ در زمان خلافت مہدی دعویٰ الوہیت کرد) در نخشب کہ شہرے بودہ ، بین جیحون و سمرقند ، ساختہ بود و ہمہ شب از چاہے بیروں می‌آمد و در افق نخشب نمایاں می‌گشت ـ ماہ سیام و ماہ کش و ماہِ چاہ کش و ماہ کاشغر و ماہ مقنع و ماہِ مزوّر ہم گفتہ شدہ ـ (فرہنگ عمید ، صفحہ ۱۰۳۴)

جس طرح مست لیے دوش پہ جاتا ہے سبو
یوں عماری[1] لیے مستانہ ہے اس کی رفتار
کیا لکھوں توسنِ چالاک کی اس کے تعریف
انگلیوں میں نہیں خامے کو مرے لمحہ قرار
کس زباں سے ہو بیاں اس کی سبک گامی کا
یوں چلے ، جیسے گلستاں میں چلے بادِ بہار
مدحِ حاضر سے کروں صفحے کو رشکِ گلشن
کچھ بھی ہمت ہو جو اے خامۂ توصیف نگار

مطلعِ ثانی

تیری بخشش نے دیا اہلِ جہاں کو یہ وقار
ہر گدا اب نظر آتا ہے شہنشاہ تبار
طمعِ سود پہ دے دے آسے قاروں سب گنج
تیری بخشش کے جو وعدے پہ کوئی مانگے ادھار
گوے بازی ہے ترے عہد میں لڑکوں کے لیے
کفِ پرویز میں تھا وہ جو زرِ دست افشار
آبرو بحرِ تنک مایہ کی کس طرح رہے
یوں رہے دستِ کرم جب کہ ترا گوہر بار

---

۱ - عماری : (ف) اس کے موجد کا نام عمار تھا ، اس وجہ سے یہ نام رکھا گیا - یہ لفظ بہ تشدید و نیز بہ تخفیفِ میم دونوں طرح مستعمل ہے - عربی میں اونٹ کا محمل - مُردے کا تابوت (مؤنث) - ہاتھی کا ہودہ جو بیٹھنے کے واسطے اُس کی پیٹھ پر رکھتے ہیں - (نوراللغات، جلد سوم ، صفحہ ۵۲۱)

لعل و یاقوت بناتا ہے جو اس کثرت سے
تجھ پہ کرتا ہے مگر مہرِ جہاں تاب نثار

یوں رہے ہاتھ کو تکتا ترے حاتم ہر دم
جس طرح جانبِ ساقی نگراں بادہ گسار

کس کو تعداد ہے معلوم ترے لشکر کی
کس کو مفہوم زمانے میں ہے تاروں کا شمار

مجھ سے تقصیر تو سرزد ہوئی لیکن ہو معاف
کیا کروں عدل میں تشبیہ ہے تیری درکار

اس سے بہتر نہ سمایا مری نظروں میں کوئی
اے کرم پیشہ ! کہا ہے تجھے کسریٰ ناچار

ذکر کیا ہے کہ کسی پر کوئی کچھ ظلم کرے
دخل کیا ہے کہ کسی کو کوئی دیوے آزار

پرِ پروانہ سے گر شمع کو پہنچے نقصاں
دلِ بلبل میں چبھے گل کی طرف سے گر خار

عمر بھر اس کو جلاتی ہی رہے آتشِ تیز
حشر تک اس کا جگر چاک رکھے بادِ بہار

ختم کر مدح سرائی کو دعا پر **سالک**
کہ ترے منہ کے سزاوار نہیں یہ گفتار

تا جہاں میں رہے رنج و الم و عیش و سرور
تا فلک پر رہیں گردش میں نجومِ سیّار
پائے احباب رہے زینتِ فرقِ اعدا
سرِ اعدا رہے پامالِ ہجومِ ادبار

(۷)

مدحت طرازیِ نواب میر یاور علی خاں بہادر شہاب جنگ
صدر المہام علاقۂ متفرقات حیدر آباد
فرخندہ بنیاد

چلی ہے خرّمی یہ کس کے در پر
نشاطِ عیدِ اضحٰی آج بن کر
وہ در بابِ شرف کہتے ہیں جس کو
وہ در جو ایک جزوِ نامِ حیدر
وہ در جس کا کہ دارا ہے نگہباں
وہ در جس پر کہ درباں ہے سکندر
وہ در جو اہلِ بینش کی نظر گاہ
وہ در جو پیش طاقِ قصرِ قیصر
وہ در جو فتحِ بابِ نیک خواہاں
وہ در جو قفلِ طبعِ کینہ پرور
وہ در رفعت میں جو چرخِ چہارم
وہ در جس کو کہیں خورشید منظر
وہ در جس سے صدا نکلے انا الشرق
وہ در ہر ذرہ جس کا مہرِ انور
وہ در حلقے کو جس کے خود بتوں نے
کہا ہے حلقۂ گیسو سے بہتر
وہ در جس میں ہے استحکام پورا
اگرچہ شکل میں ہے نیم مصدر

وہ در جس کی بلندی کیا بیاں ہو
زمیں اُس کے لیے ہے چرخِ اخضر
وہ در چشمِ حقیقت بیں میں گر ہو
نہ جانے گنبدِ نیلی کو بے در
یہ وہ در ہے جبیں سائی سے جس کی
بڑھے اقبالِ دارا و سکندر
یہ وہ در ہے کہ جس پر ہے ابھی کا (کذا)
نشانِ سجدۂ خاقان و سنجر
یہ وہ در ہے جہاں آیا ہے رضواں
درِ جنت کا دھوکا کھا کے اکثر
کہاں میں اور کہاں یہ در الٰہی
یہ دولت ہوگئی کیوں کر میسّر
گذارش گر ہوں میں یاں کس کے آگے
کہ جو بخشش میں ہے حاتم سے بڑھ کر
کہوں صدرالمہامِ حیدر آباد
امیر ابنِ امیر و خلق پرور
محیطِ فیض وہ یاور علی خاں
علی یاور ہے جس کا حق مدد پر
نسیمِ دلکش اُس کے بوستاں کی
بنائے غنچۂ دل کو گلِ تر
شمیمِ خُلق اُس کی وہ کہ جس سے
مشامِ جاں ہمیشہ ہے معطّر
بیانِ فیض نے اُس کے نہ چھوڑی
جگہ افسانۂ حاتم کی لب پر

لبِ سائل سے بس بس کی صدا ہو
دہش میں ہے یہ تعدادِ مقرر
ملا پہلے اسے دستِ زر افشاں
ہوئی پھر آشکارا معدنِ زر
کفِ گوہر فشاں دی اُس کو حق نے
صدف میں پھر کیا قطرے کو گوہر
کیا دامانِ سائل گنجِ قاروں
بنائی جیبِ گنجِ صد جواہر
فقیر اُس کے فقیروں سے غنی ہیں
گدا اُس کے گداؤں سے تونگر
شجاعت مجھ سے اُس کی کیا بیاں ہو
شجاعت خود کہے جس کو دلاور
مقابل اُس کے رستم ہو نہ سہراب[1]
نہ گیو[2] و طوس[3] ہیں اس کے برابر
جنیت کش ہیں اُس کی فتح و نصرت
وہ ہو کیوں کر نہ منصور و مظفر
علم ہو کر جو اُس کی تیغ اُتری
تو پھیلی آسماں سے تا زمیں پر

---

۱ - سہراب : (ف، مذکر) رستم کے بیٹے کا نام جو رستم کے ہاتھ سے قتل ہؤا تھا ۔ (جامع اللغات ، جلد ۳ ، صفحہ ۴۴۴)
۲ - گیو : (ف ، مذکر) ۔ ایک پہلوان کا نام جو گودرز کا بیٹا تھا ۔ (جامع اللغات ، جلد ۴ ، صفحہ ۴۴۳)
۳ - طوس : (ف ، مذکر) ایک ایرانی جرنیل جو شاہ نودزر کا لڑکا تھا ۔ (جامع اللغات ، جلد ۳ ، صفحہ ۵٦۴)

نشاں ہو گردنِ ماہی[1] سے پیدا
بنائے چرخ پر شکلِ دو پیکر
زمانِ عدل اس کا آ گیا ہے
ہؤا بے کار اب چرخِ ستم گر
ستاتا ہے کسی کو اب اگر یہ
دکھاتا ہے اسے مریخ خنجر
کسے ملتا ہے اس کی بزم میں بار
مری خوش قسمتی ، میرا مقدّر
اگر خسرو بھی آئے بے اجازت
تو درباں دور سے کہہ دے کہ ''باہر''
ملا جم کو کب اس کی بزم میں بار
پیا ہے کس نے آبِ حوضِ کوثر
یہی خاقانِ چیں کو ناز بس ہے
نعالیں صف میں ہے میرے برابر
مرے خامے نے سیکھی ہے نئی چال
انامل میں ہؤا جاتا ہے مضطر
کہیں دیکھا ہے وہ رخشِ سبک[2] سیر
نہ پہنچے گرد کو بھی جس کی صرصر
نہیں ہے اس کی جولاں گاہ ، گر یہ
زمیں نے پائی کیوں شکلِ مدوّر

---

۱ - ماہی : (ف ، مؤنث) وہ مچھلی جس کی نسبت خیال تھا کہ اس کی پشت پر زمین ہے - (جامع اللغات ، جلد ۴ ، صفحہ ۲۳۸)

۲ - ''شبک'' اصل متن (کلیات سالک صفحہ ۲۴۳) میں غلط ہے - تصحیح قیاسی کی گئی - (مرتب)

وہ پیلِ کوہ رحمت شان اُس کا
دبا جاتا ہے جس سے چرخِ اخضر
عماری اُس پہ یک بیت الشرف ہے
مرا ممدوح ہے خورشیدِ انور
یہاں عاجز ہؤا ہے خامہ ایسا
غزل لکھنے لگا ہے تنگ آ کر

مطلعِ ثانی

نہیں قربِ سپہرِ کینہ پرور
مری پستی بلندی سے ہے بہتر
یہ کس کو نامہ لکھ کر باندھتا ہوں
بڑھی کیوں زینتِ بالِ کبوتر
بتوں کے ظلم کا شکوہ کرے کون
یہاں سب کارخانے ہیں خدا پر
جو کچھ بھی خلق ہو اُس میں تو کیا ہو
ستم سے تو زمانہ ہے مسخّر
سنا ناصح سے طعنِ بادہ نوشی
چلا ہوں مے کدے اُس کو بھی پی کر
کہیں رازِ دروں برباد ہوگا
ڈبوے گا کہیں یہ دیدۂ تر
شبِ دیجور میرا دن بنا ہے
مری شب بن گئی ہے روزِ محشر
مجھے دیکھیں تو وہ شرمائیں لیکن
نظر آتا نہیں، اتنا ہوں لاغر

تمھارے تفتہ جانوں کے لیے ہے
دلِ پروانہ و طبعِ سمندر[1]
کچھ ایسا حال کر اے چرخ میر
کہ اُس کو رحم آئے خستگی پر
دھرا ہے آفتابِ حشر میں کیا
لیے پھرتا ہوں کب سے دامنِ تر
نہیں ساغر تو خُم منہ سے لگا لوں
مجھے کرنا ہے کیا جمشید بن کر
غضب ہے وہ نگاہِ قہر آلود
یہ بجلی دیکھیے گرتی ہے کس پر

---

۱ - سنمدر : ۱. (بہ‌فتح سین و میم و دال) ایک جانور ہے چھپکلی کی مانند جو پانی اور خشکی دونوں میں زندہ رہتا ہے اور جب آگ میں جاتا ہے تو اپنا ایسا مادہ خارج کرتا ہے جو آگ کو بجھا دیتا ہے اور اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ سمندر آگ میں نہیں جلتا ۔ عربی میں بھی سمندر کہتے ہیں ۔ فارسی میں سی سمندل ، سمندول ، سمندوں ، سمندور ، سمندرون ، سامندر ، سام اندر ، اسمندر اور آذرشین بھی کہا گیا ہے ۔ (ترجمہ فرہنگ عمید ، صفحہ ۴۲۹)

مولوی غیاث‌الدین مؤلف غیاث اللغات کے نزدیک دال مفتوح بھی آتی ہے اور مکسور اور مضموم بھی ۔ وہ بڑے چوہے کے برابر ایک جانور قرار دیتے ہیں اور آتش کدے میں پیدائش بتاتے ہیں ۔ اُن کا خیال ہے کہ آگ کے باہر سمندر مرجاتا ہے ۔ سام بہ معنی آتش ، اندر کلمۂ ظرفیت سے سمندر مرکب ہے ۔ بعضوں کے نزدیک ایک پردار جانور ہے جو آگ میں نہیں جلتا ۔
(ترجمہ غیاث‌اللغات ، صفحہ ۲۳۲ ، مطبع گلاب سنگھ ، لکھنؤ ۱۹۰۰ء)

صفائی دل کی چہرے میں سمائی
بتو تم تیرہ باطن ہو نہ کیوں کر
غزل گوئی سے حاصل کیا ہے اے دل
سمجھتا ہوں میں ننگِ مدح گستر
وہ مطلع پڑھ کہ جس پر آفریں ہو
وہ مطلع لکھ سنیں جس کو سخن ور

مطلعِ ثالث

فلک چھایا ہؤا ہے جس کے سر پر
وہ کیا جانے، کہاں ہے تیرا منظر
نہ ہو چشمِ حقیقت بیں ہی جس کو
کہے تجھ کو فرشتہ بھی وہ کیوں کر
دبیرانِ عطارد پیشہ تیرے
ہوے جس وقت زینت بخشِ دفتر
دبیرِ[۱] چرخ کو دیکھا ہے میں نے
کہ ہے فرطِ خجالت سے نگوں سر
ورق پر لکھ رہا ہوں وصفِ عارض
شعاعِ مہر سے کھینچا ہے مسطر
بیاضِ صفحہ سے میرے عجب کیا
مہِ کامل کو ہو کسبِ ضیا گر
ابھی لکھوں ترے اوصاف میں بھی
کوئی ثابت کرے تعدادِ اختر

---

۱ - دبیرِ چرخ : عطارد کو کہا ہے - (مرتب)

غضب تیرا فلک کو برھمی ساز
کرم تیرا زمیں پر خلق پرور

ترے ابرِ کرم سے ھے توقع
کہ ھو نخلِ تمنا بار آور

توقع کیوں نہ ھو مجھ کو یہاں سے
میں آخر ھوں قدیمی بندۂ در

اسی سرکار میں میرے اب و عم
رھے برسوں نمک خوار اور نوکر

نمک خواری میں گزری عمر اُن کی
دعا گوئی میں کاٹے وقت اکثر

وھی شہرِ لطافت بہر ھے یہ
جسے مولد کہے اپنا ثنا گر

چھٹا شش سالگی میں حیدر آباد
بنے یہ شش جہت حیرت کا شش در

مری دشمن، مری قسمت رھی ھے
نہ گردش چرخ کی، نے سیرِ اختر

کیا پورا زحل[1] نے ایک دورہ
تو لایا پھر یہاں مجھ کو مقدّر

---

١ - زحل: (ع - مذکر) - سنیچر، کیوان - ایک سیارہ جو سورج کے گرد پھرتا ھے - اس کا فاصلہ سورج سے اٹھاسی کروڑ ساٹھ لاکھ میل ھے - اس کا قطر خط استوا پر ٧٥ هزار، قطبین کے درمیان ٦٨ هزار میل ھے - اس کا سال ساڑھے اُنتیس برس کا ھوتا ھے اور اس کا دن دس گھنٹے چالیس منٹ کا ھوتا ھے - اس کے نو چاند ھیں - اس کے گرد تین حلقے روشنی

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

یقیں ہے اب نہ لے جائے گی تقدیر
مجھے اس آستاں سے زندگی بھر
اگر میں ذرّہ ہوں سالک تو کیا غم
کہ ہے ممدوح میرا ذرّہ پرور
بر آئے گی مری امید یاں سے
کٹیں گے اس دعا میں وقت اکثر
رہے احباب کو گیتی ترا قصر
رہے دشمن کو دنیا قبرِ کافر

(۸)

ایضاً

برتر ہے لامکاں سے، مکانِ شہاب جنگ
بڑھ کر فلک سے کیوں نہ ہو شانِ شہاب جنگ
کیوں کر زبانِ خامہ نہ گوہر فشاں بنے
میں کر رہا ہوں آج بیانِ شہاب جنگ
تسلیم کو نہ میری جھکے کیوں کہ چرخِ پیر
کرتا ہوں ذکرِ بختِ جوانِ شہاب جنگ
کیوں کر مثال قیصر و فغفور و جم سے دوں
کیا میں نہیں ہوں مرتبہ دانِ شہاب جنگ

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ)

کے ہیں - یہ نظام شمسی کا چھٹا سیارہ ہے - اس کو پاسبانِ طارم، فلکِ ہفتم یا فلک بھی کہتے ہیں -

(جامع اللغات، جلد سوم، صفحہ ۲۶۲)

اس عہد میں بنا ہے جو مسجودِ خلق کو
ہے آستانِ فیض نشانِ شہاب جنگ
ہو جس سے بات بات میں اعجاز کا ظہور
حق نے بنائی ہے وہ زبانِ شہاب جنگ
پوچھیں نہ جم کی بات ، نہ جھپکیں قباد سے
دیکھ احتشامِ شوکت و شانِ شہاب جنگ
حسرت سے دیکھتا ہے دبیرِ[1] فلک مدام
کلکِ گہر فشان و بنانِ شہاب جنگ
جس جا شکست نیزۂ ترکِ[2] سپہر کھائے
اس جائے کارگر ہو سنانِ شہاب جنگ
کب جوشنِ فلک سے ہو یوں تیر کا گزار
کھنچتی ہے کب کسی سے کمانِ شہاب جنگ
دعوائے رستمی نہ رہے پورِ زال[3] کو
دیکھے جو شکلِ لشکریانِ شہاب جنگ
اپنی نظر میں آپ سبک کیوں ہے کیا کہیں
دیکھا عدو نے گرزِ گرانِ شہاب جنگ
کس طرح پشتِ گاوِ زمیں سے سنبھل سکے
مہرہ کرے جو پیلِ دمان شہاب جنگ
عمرِ عدو کو اپنی روانی پہ ناز ہے
دیکھا نہیں ہے اسپِ جہانِ شہاب جنگ

۱۔ عطارد ۔
۲ ۔ مریخ ۔
۳ ۔ ''رستم'' کو ''پور زال'' کہا ہے ۔ (مرتب)

ہو جائے بادشاہ و زمیندار کیوں کہ ایک
حاتم بھی ہو تو ہو نہ بسانِ شہاب جنگ

دیکھا کبھی نہ بذل و کرم میں رکا ہؤا
دریا ہے دستِ گنج فشانِ شہاب جنگ

تھوڑا سا ہے جو عیشِ جہاں میں بٹا ہؤا
اس کو بھی چاھتا ہوں ازآنِ شہاب جنگ

جو کچھ ملے یقیں کو بدیہات سے کہاں
محسوس سے وہ پائے گمانِ شہاب جنگ

کیوں ھیں جہاں میں سدرہ[1] و طوبیٰ[2] کی شہرتیں
یہ بھی کہیں ھیں دست نشانِ شہاب جنگ

کیا اصفہاں[3]، وہ مرجعِ عالم جہاں گیا
وہ ھی بنا ہے نصفِ جہانِ شہاب جنگ

پوشیدہ سب کے راز ھیں اس پر کھلے ہوئے
رکھتی ہے دل سے ربط زبانِ شہاب جنگ

سیرِ نجوم و دورِ فلک میں جو بھید ہے
دیکھا نہانِ خلق و عیانِ شہاب جنگ

---

۱ - سدرہ : (ع) بیری کا درخت - سدرۃالمنتہیٰ : ساتویں آسمان پر بیری کا
بہت بلند درخت ہے - جبرئیل کا وھی مقام ہے -
(نوراللغات ، جلد سوم ، صفحہ ۲۱۹)

۲ - طوبیٰ : بہشت کا ایک درخت - (نوراللغات ، جلد سوم ، صفحہ ۳۷۰)

۳ - اصفہان : (ایران کا ایک صوبہ (۶۰۰) ۲ - شہر— شاہ عباس کے بعد
بیس مربع میل میں پھیل گیا تھا - یہاں کی تلوار اور سرمہ مشہور
ہے - (جامع اللغات ، جلد اول ، صفحہ ۲۰۸)

حسرت نہیں اگر نہ بنے ہم زباں مرا
حاسد نہیں ہے مرتبہ دانِ شہاب جنگ
ہے کلکِ نکتہ سنج کو کوشش بہت ، ولے
میری زبان اور بیانِ شہاب جنگ
جب تک صفت شہاب کی ثاقب ہے چرخ پر
روشن رہے زمیں پہ نشانِ شہاب جنگ
جب تک ہما کا ذکر جہاں میں رہے ، رہے
فرقِ جہان و ظلِ امانِ شہاب جنگ

(۹)

ایضاً

جب کر سکے نہ مطلبِ دل کو ادا زباں
کس کام کی ، خدا نے اگر کی عطا زباں
جو مدّعا ہے آج مرے دل میں جوش زن
سب مدّعا ملیں ، اگر آجائے تا زباں
وہ مدّعا کہ آئے زباں تک اگر کبھی
قربان لاکھ بار نہ ہو اس پہ کیا زباں
وہ مدّعا کہ جس سے زباں آپ ٹھیک ہو
وہ مدّعا نہیں کہ جسے دے بتا زباں
وہ مدّعا کہ جس سے لبوں کو ملے شرف
وہ مدّعا کہ جس سے ہو فخر آشنا زباں
وہ مدّعا کہ مجھ سے ہو پورا اگر بیاں
لب خود پسند اور بنے خود ستا زباں

وہ مدّعا اگر کہے محباں مری طرح
کہنے لگے ، فصیح ہوئی اب ذرا زباں

شیریں بہت ہے ورنہ ہو کیوں دیر اس قدر
شاید کہ لے رہی ہے ابھی خود مزا زباں

کچھ اس قدر عزیز ہے یہ مدّعا نہ پوچھ
دل چھوڑتا نہیں ہے کہ آجائے تا زباں

سننے کے شوق میں ہیں نہایت بھرے ہوئے
کانوں کو ورنہ کیوں ہو تری التجا زباں

میں چاہتا نہیں کہ کسی کی بدی کروں
میں چاہتا نہیں ہوں کسی کا برا ، زباں

میں چاہتا نہیں ہوں بیاں رنجِ ہجر کا
میں چاہتا نہیں ہوں بتوں کا گلا زباں

منظور ہے نہ شکرِ وصالِ صنم مجھے
منظور ہے نہ شکوۂ جوروجفا زباں

میں چاہتا نہیں ہوں نعیمِ بہشت کو
میں چاہتا نہیں کہ ملے یوں مزا زباں

مظلومِ آسماں ہوں مگر آسماں سے
میں چاہتا نہیں ہوں کوئی آسرا زباں

مجبورِ روزگار ہوں پر روزگار سے
نے کچھ خطر ہے مجھ کو نہ دہشت ذرا زباں

مدت سے ہوں میں راتبہ خوارِ شہاب جنگ
منظور دل سے اس کی ہے مدح و ثنا زباں

وہ قدردانِ اہلِ ہنر جس کی بات میں
ہوجائے مجھ سے لاکھ کا دم میں بھلا زباں

کیوں کر نہ مجھ کو لوگ سراپا ثنا کہیں
بنتا ہے اُس کی مدح میں ہر رونگٹا زباں
کیوں کر مری زباں کو نہ مانیں فصیح لوگ
رکھتی ہو اُس کی مدح پہ جب اتّکا زباں
دیں اس بیاں نے مجھ کو یہ روشن بیانیاں
اندر دہن کے بن گئی بدرالدجا زباں
قائل ہوں اُس کلامِ کرامت نظام کا
کیوں کر نہ خود کہوں کہ مری دیکھنا زباں
تعریف اُس کے چتر کی آئی زباں پر
گویا ہے زیرِ سایۂ بالِ ہما زباں
کج مج زباں ہوں مجھ سے ہو کیوں کر بیانِ عدل
نوشیرواں کی رک گئی ہے بارہا زباں
دستِ جفا تو کیوں کہ ضعیفوں پہ ہو دراز
طاقت نہیں، دراز کریں اقویا زباں
ممدوح میرا باذل و روشن ضمیر ہے
سائل نہ اُس کے سامنے ہرگز ہلا زباں
دل میں ہو ایک گنج تو وہ لاکھ گنج دے
جب تک سوال دل سے کوئی لائے تا زباں
نادم ہوں کہہ کے رستم و افراسیاب اُسے
خود کہہ رہا ہوں کوئی مری روکنا زباں
اسفندیار کیوں کہ نہ عاجز ہو رجز میں
یہ خوف چھا گیا کہ گئی لڑکھڑا زباں
منظور تھی شکایتِ جورِ بتاں مجھے
لاتا وگرنہ کیوں یہ غزل آج تا زباں

غزل

کیوں کھل گئی ہے اس قدر اے بے وفا زباں
سب کے دہن میں کی ہے خدا نے عطا زباں

وہ پوچھتے ہیں حال ہمارا زہے نصیب
رہ جائے رعب سے نہ مری اے خدا زباں

کہتا ہوں آج خواہشِ دل کہہ کے یار سے
جس کا دہن بنا نہ ہو پھر اُس کی کیا زباں

ڈرکر مری فغاں سے وہ دشمن کے گھر چھپے
یہ اور تازہ لائی ہے مجھ پر بلا زباں

خاموشیاں سمجھ لے غنیمت وگرنہ یاں
اے شمع اُس کی بزم میں دیں گے جِلا زباں

گستاخیاں معاف، کہاں تک سنے کوئی
مضطر ہوں اب تو بس میں نہیں ناصحا زباں

فریاد کا مری نہیں دیتا کوئی جواب
شاید ہے اہلِ دہر سے میری جدا زباں

تعریف کیا ہو دستِ نگارینِ یار کی
ہے لال مثلِ شوخیِ رنگِ حنا زباں

دیتی ہے التفات و غضب کی خبر مجھے
کیوں کر بنے تری نگہِ سرمہ سا زباں

کوئی نہ تھا جہاں میں مخاطب اگر صحیح
رکھنی تھی بند تجھ کو اناالحق سرا زباں

سالک یہ کیا کہا کہ اُسے بھید دے دیے
خانہ خراب! بند نہ تو کرسکا زباں

اوصاف پھر یہ لکھتی ہے کس کی خوشا قلم
سرگرم کس کی مدح میں ہے حبّذا زبان
قاصر ہوں مدح میں تو ابھی میرے لب میو[1]
عاجز ثنا میں ہوں تو مری کیلانا زبان
رخشِ صبا خرام کا اُس کے نہ پوچھ حال
چلنے میں وہ فصیح کی ہے گوئیا زبان
کیسی زبان کہ ایک جہاں کو کرے وہ طے
جب تک کرے نہ لفظِ جہاں کو ادا زبان
ہے یہ تصرّف اُس کے ہی وصفِ خرام کا
چلتی ہے یوں دہن میں جو بےدست و پا زبان
اے آرزو نوید وہ روشن ضمیر ہے
پروا نہیں جو کہہ نہ سکے مدّعا زبان
میری زبانِ لال کہاں ، اور یہ بیاں
فیضِ ثنا ردیف میں لکھوا گیا زباں
اُس کی دعا میں شعر لکھے : بات رہ گئی
تھی ورنہ منہ میں گوشت کا اک پارچا زبان
جب تک بتوں کے لب کی عذوبت کا ذکر ہے
جب تک سخن میں رکھے اثر تیغ کا زبان
احباب اُس کے ہوں مئےعشرت سے شاد کام
ہر بات میں عدو کی کٹے یا خدا ! زبان

---

۱ - اصل متن (کلیاتِ سالک ، صفحہ ۲۴۹) میں ''سنو'' بے معنی ہے -
''میو'' تصحیحِ قیاسی ہے (مرتب) -

(۱۰)

ایضاً

قدم بھر طے کرے مشکل سے وہ میرے بیاباں کو
بجائے سبزہ روندے جو کوئی خارِ مغیلاں کو

بھروسا اے دلِ ناداں وفائے وعدہ کا اس سے
جو اک طرفہ کہ سمجھے شکستِ عہد و پیماں کو

یہ وہ نالہ ہے جس کے رشک سے بجلی بھی جل جاوے
یہ وہ گریہ ہے جو پانی کرے دم بھر میں طوفاں کو

مآلِ کار اپنا بھی نظر آجائے، گر دیکھے
نگاہِ غیرت آگیں سے، کوئی گورِ غریباں کو

وہ نوآموزِ وحشت ہوں کہ سینہ چاک ہوتا ہے
جنوں میں چاک کرتا ہوں جو گھبرا کر گریباں کو

ہزاروں آرزوئیں جی میں آکر یاد سے اتریں
بھرا گل ہائے رنگا رنگ سے یاں طاقِ نسیاں کو

ہمارے سامنے دشمن سے کیوں آنکھیں لڑاتے ہو
نہ دو ہم پر اجازت تیر برسانے کی مژگاں کو

کہوں کیوں کر کہ وہ ظالم ہیں کیا، سمجھا نہیں ہوں میں
شرارت ہائے پیدا کو، اشارت ہائے پنہاں کو

مرے زخموں سے ٹپکا شور الفت خون کے بدلے
ہوا ہو کچھ اگر خالی تو پھر بھر لو نمک داں کو

زمانے میں ہے کیا کیا نوح کے طوفاں کی شہرت
مگر روکے ہوئے بیٹھا ہوں اب تک چشمِ گریاں کو

مری دیوانگی کچھ کم نہیں ہے قیس سے لیکن
نہیں ہے پاؤں پھیلانے کی وسعت میرے زنداں کو
وہاں جاتا ہوں ، میرا حوصلہ دیکھو کہ جس کُو میں
قیامت بھی گزرتی ہے سمیٹے اپنے داماں کو
صدائے صورِ محشر کیوں کہ پھیلے گی زمانے میں
ملا لیں گے نہ جب تک اس میں میرے شورِ افغاں کو
خدایا مدح کا کس کی قصیدہ اس میں شامل ہے
کہ میں پاتا ہوں مقبولِ دو عالم اپنے دیواں کو
وہ ہیں صدرالمہامِ دہر جن کی رائے روشن سے
خجالت مند دیکھا ہم نے خورشیدِ درخشاں کو
تحمل کی صفت دیکھو ، ہوا سے ہل نہیں سکتا
لکھا ہے کلک نے جس صفحے پر ''یاور علی خاں'' کو
شمیمِ خُلق اس کی اس قدر پھیلی ہے عالم میں
کہ گھر بیٹھے ہوئے لیتے ہیں ہم بوئے گلستاں کو
کوئی نقشِ نگینِ مُہر اس کا پڑھ گیا ہوگا
وگرنہ نقشِ خاتم کیوں کہ ہاتھ آیا سلیماں کو
بہ قدرِ فہم گر لکھوں علوے شان کو اس کے
سیاہی کی جگہ لاؤں عمل میں جرمِ کیواں کو
کلہ سر سے جدا ہو اور ملے سر پشت سے جا کر
کوئی گر لامکاں پر چڑھ کے دیکھے اس کے ایواں کو
جدھر کو ابرِ نیسانِ کرم اس کا برس جائے
بجائے دانہ ، حاصل ہوں درِ شہوار ، دھقاں کو
سیہ کاروں سے اس آئینہ‌رو کو بس کہ نفرت ہے
عجب کیا بھاگ جائے سرمہ سن کر گر صفاہاں کو

سمائے گر چمک آنکھوں میں آن کی تیغِ براں کی
نہ آئے جز اجل کچھ بھی نظر سام و نریماں کو
زرِ ایثار لے لے جاتے ہیں ہر وقت کثرت سے
پھٹا پاتے ہیں ہر دم سائل اپنے اپنے داماں کو
فلک سے کہہ دو بہرِ پیش‌کش خورشید کو لائے
قبا میں اس کی ہے درکار اک تکمہ گریباں کو
دوتا کیوں کر نہ پشتِ چرخِ نیلی فام ہوجائے
اٹھا سکتا ہے کوئی آپ کے کب بارِ احساں کو
اسی تقریب سے میں نے شرف پایا حضوری کا
دعائیں کیوں نہ دوں دل سے ظہورِ عیدِ قرباں کو
زباں کو جب نہیں رہتی ہے طاقت مدح کی سالک
دعا گوئی کا شیوہ یاد آتا ہے سخن داں کو
الٰہی دوستوں پر اس کے جو مشکل پڑے حل ہو
الٰہی اس کے بدخواہوں پہ کر دشوار آساں کو

غزلیات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ردیف الف

(۱)

وان دخل وهم کو ، نه گزر هے خیال کا
اچھی جگه هے ، دل کو بھروسا وصال کا

هر چیز کو مثال سے هوتی هے اک نمود
کیا هو بیان ، ذاتِ عدیم المثال کا

آتا نه غش سے حضرتِ موسیٰ کو هوش پھر
نظّارۂ تمام جو هوتا جمال کا

گر زخم پوست مال بھی دے اُس کی تیغِ عشق
مَیں چاره عمر بھر نه کروں اندمال کا

جتنی که ماسوا کی نمائش نظر میں هے
پُتلا بنا هؤا هے یه وهم و خیال کا

مَیں جانتا هوں ، جانتے هیں جی کی بات وه
شرمنده کس لیے هوں بھلا پھر سوال کا

عشّاق اُس کے رهتے هیں دنیا سے بے خبر
آرام ایک نام هے اُس کے ملال کا

وقفہ ہے ایک دم کا ولادت سے مرگ تک
گر سو برس بھی ہوں تو زمانہ ہے حال کا
سالک شکوہِ نطق، خموشی ہے اس جگہ
چپ رہ کہ یہ مقام نہیں قیل و قال کا

(۲)

حامل ہے صفحہ، حمدِ خدائے کریم کا
خامہ نہیں ہے، پایہ ہے عرشِ عظیم کا
ہوں طالبِ رضا، نہ بہشت و جحیم کا
کھٹکا رہا نہیں مجھے امید و بیم کا
کیا کیا شرف ہیں آدمِ خاکی نہاد کو
کیا شکر ہو ادا، ترے لطفِ جسیم کا
یوں گلشنِ خلیل ہو جاں سوزِ اہلِ نار
اک پھول یہ بھی تھا ترے باغِ نعیم کا
قابو زباں پہ کیوں کہ رہے فرطِ شوق میں
بے جا نہیں ہے دعویِ بے جا کلیم کا
کیا قہرِ خاص کی ہو شکایت کبھی کبھی
دائم سپاس ہے ترے لطفِ عمیم کا
ہوں باغِ دہر میں گلِ تصویر کی طرح
یکساں اثر ہے مجھ کو سموم و نسیم کا
حادث ہے ذرہ ذرہ جہاں کا، ولے جہاں
آئینہ خانہ ہے تری ذاتِ قدیم کا
کنعاں میں گل کھلائے جو تیری نسیمِ لطف
پرساں ہو کون جامۂ یوسف شمیم کا

سمجھی کہ نارسا ہوں تری کنہِ ذات میں
اندازہ ہے رسائیِ طبعِ سلیم کا
تسلیم شیوہ ہوں ، مجھے کیا خلد ، کیا جحیم
مجھ سے نہ پوچھ تفرقہ امید و بیم کا
کیا آتشِ خلیل کہ جب تیرا لطف ہو
اک بال بھی جلائے نہ شعلہ جحیم کا
اعجاز ہاتھ آئے ، ترے سوزِ عشق سے
اس پر گواہ ہے یدِ بیضا کلیم کا
سالک فغاں سے برھمیِ دہر کیوں کہ ہو
باندھا ہؤا طلسم ہے یہ کس حکیم کا

(۳)

کیا رشک عرشیوں کی مجھے پاے گاہ کا
زائر ہوں آستانِ حبیبِ الٰلہ کا
ہوں میں غلام ایسی فلک بارگاہ کا
جس کے گدا کو رتبہ ملے بادشاہ کا
عمرِ دوام دی گئی اس واسطے کہ خضر
رہبر رہے مدام مدینے کی راہ کا
اُس در پہ جبہہ سا ہوں کہ آ کر مری طرح
ذرّوں میں امتیاز نہ ہو مہر و ماہ کا
سمجھا ہؤا ہے کنگرۂ عرش ُنو جسے
غافل یہ ایک گوشہ ہے اُس کی کلاہ کا
دیں داغِ انفعال ترے ساجدینِ در
خورشید کو جو داغ دکھائیں جباہ کا

ہے حاملانِ عرش سے رتبہ بڑھا ہؤا
خدامِ بارگاہِ رسالت پناہ کا

ختمِ رسل ، شفیعِ اُمم ، سرورِ دوکون
رکھ پاس حشر میں مری شرمِ گناہ کا

آزار دے نہ ظلمتِ کنجِ لحد مجھے
جلوہ ادھر بھی ایک کرم کی نگاہ کا

اُس سے خلاف سالکِ بے راہ‌رو نہ چل
رستہ ہے مستقیم شریعت کی راہ کا

(۴)

جاتا ہے تیر جس طرف اُس کی نگاہ کا
اُٹھتا ہے شور اُدھر سے خدا کی پناہ کا

ناموسِ ضبط کھوتی ہے کیوں اے صدائے صور
اُس بدگماں کو ہو نہ گماں مجھ پر آہ کا

پرساں نہ ہو کوئی تو کریں کیا ، وگرنہ یاں
محتاج حالِ زار نہیں ہے گواہ کا

مزدور ، مزد پائے نہ تعزیر حشر میں
لایا ہوں سر پہ بوجھ اُٹھا کر گناہ کا

اُفتادگی نصیب ہوئی عرضِ راہ میں
میں ناتواں پتا ہوں ترے گھر کی راہ کا

کہتے ہو ہم ستائیں گے تجھ کو تمام عمر
بارے خیال رکھتے ہو تم بھی نباہ کا

نازش ستم پہ اپنے ہوئی اور بھی اُنھیں
ذکر اُن سے کیوں کیا مرے حالِ تباہ کا

کیا تیری زلف دے گی سیاہی، ہوئی سفید
کیوں شکوہ سنج ہے مرے بختِ سیاہ کا

گر کاتبِ یسار لکھے جائے حشر تک
دفتر نہ ہو تمام، ہمارے گناہ کا

ظالم غضب ہے شوق بڑھانے کے واسطے
آنا اور ایک دم کے لیے گاہ گاہ کا

یوں عام حشر میں تری بیداد کا گلا
ثابت قصور یہ بھی ہؤا دادخواہ کا

وہ سرد مہریاں تری نظروں میں ہیں بھری
پانی بھی مانگتا نہیں مارا نگاہ کا

سالک صنم کدے سے نکالے گئے کہیں؟
حضرت ارادہ رکھتے ہو کیوں خانقاہ کا

(۵)

سینے میں خوں ہؤا دلِ حسرت پناہ کا
چھریاں چبھو رہا ہے خیال اُس نگاہ کا

ظالم نہ پوچھ حال مری دست گاہ کا
دستِ دعا میں پایہ ہے عرشِ اللہ کا

روزِ جزا پہ تیرگیِ شامِ غم نہ چھائے
کرنا ہے کچھ بیاں مجھے روزِ سیاہ کا

دیکھو تو ایک دامنِ تر میں سما گیا
پھر موج خیز نام ہے بحرِ گناہ کا

جب دل نہ ہو تو صبروسکوں خاک کام دیں
افسر نہ ہو تو پاؤں جمے کیا سپاہ کا

وان تک نہ پہنچے، پھرتے ہی گزری تمام عمر
قسمت میں اپنی پھیر ہے گویا کہ راہ کا

ممکن ہے اس کے آگے شہادت خلاف دے
آخر زباں گواہ کی ہے لب گواہ کا

گھڑیاں کٹی ہیں کچھ شبِ ہجراں سے پوچھ لو
یاں عمر میں حساب نہیں سال و ماہ کا

صحرائے عشق بھی کوئی ہُو کا مقام ہے
کوسوں یہاں پتا نہیں ملتا پناہ کا

میں مر نہ جاؤں فرطِ خوشی سے شبِ وصال
تم شام ہی سے ذکر کرو صبح گاہ کا

کھا کر وہ میرے سر کی قسم سالک آئے کیا
جس کو شکستِ عہد ہو گوشہ کلاہ کا

(٦)

جنوں میں اس قدر قائل ہوں میں توحیدِ یزداں کا
کہ لفظ 'لا' کی صورت چاک ہے میرے گریباں کا

جنونِ عشق اپنا آئنہ ہے حسنِ خوباں کا
ظہورِ صنعتِ حق، چاک ہے میرے گریباں کا

یہی پوشیدگی مخلوق سے دونوں میں حاصل ہے
محل ہے ایک ہی اے خضر مرگ و آبِ حیواں کا

نئی یہ چھیڑ ہے صیّاد کو حسرت بڑھانے کی
کہ پر توڑے مرے اور ذکر کچھ چھیڑا گلستاں کا

کٹے سو روزِ محشر شام تک کیا جانے کیا گذرے
ابھی آیا نہیں ہے دو گھڑی بھی روز ہجراں کا

غبارِ ناتوانِ عاشقِ دل خستہ سے اُن کو
نزاکت نے چھڑانا کر دیا دشوار داماں کا

اثر جذبِ مشامِ پیرِاعمٰی[۱] کا ہے یہ ورنہ
شمیمِ یوسفی کو رستہ آتا تھا نہ کنعاں[۲] کا

ترے غم میں جنوں نے ظاہر و باطن کیے یکساں
دلِ صد چاک سے بدتر ہے عالم جیب و داماں کا

بیابانِ تلاشِ یار میں ہوں گرم رو، یاں تک
کفِ پا کو مرے صدمہ نہیں خارِ مغیلاں کا

فلک نے تاک کر سنگِ حوادث مجھ پہ برسائے
الٰہی ہووے کالا منہ شبِ مہتابِ ہجراں کا

ہؤا سمجھو مجھے اب پائمالِ گردشِ دوراں
دکھا لو آج کل میں رنگ تم بھی چشمِ فتّاں کا

نہیں پہنچا گلے تک بھی ہمارے خنجرِ قاتل
ابھی سے دوش پر سر بن گیا کیوں بار احساں کا

یہ شہرت حسن کی ہے نام سنتے ہی ہؤا راہی
پتا پوچھا نہ مجھ سے نامہ بر نے کوے جاناں کا

وہ نخوت سے نہیں سنتے کسی کی اور مجھے دیکھو
سمجھتا ہوں، نہیں جاتا ہے واں تک شور افغاں کا

کہیں منزل پہ ٹھہرے ناقہ[۳] پر محمل نہ ٹھہرے گا
یہی عالم ہے گر مجنوں کے جذبِ شوقِ پنہاں کا

---

۱ ۔ مراد حضرت یعقوب ۔
۲ ۔ کنعاں : (ع) مذکر، شام کے صوبۂ فلسطین کا نام ۔ یہ مقام حضرت یعقوب کا مسکن اور حضرت یوسف کی پیدائش کی جگہ ہے ۔
(صفحہ ۸۲۸، نوراللغات، جلد سوم، طبع کراچی)
۳ ۔ ناقہ : (ع) مذکر، اونٹنی، سانڈنی (صفحہ ۶۰۹ نوراللغات جلد چہارم)

سرِ رہ جاکے ہر رہرو کے سالک پاؤں پڑتا ہے
بتا دے گا مگر کوئی تو رستہ کوے جاناں کا

(۷)

چاکِ جگر و دل کا جب شکوہ بجا ہوتا
یوسف کا زلیخا نے دامن تو سیا ہوتا

سہتا ہوں ستم اس کے ، احسان ہے دنیا پر
گر میں نہ وفا کرتا ، کیا جانیے کیا ہوتا

تم اور عدو دونوں ، ایک جان و دو قالب ہو
میں تم سے اگر ملتا ، وہ کیوں کہ جدا ہوتا

محرومیِ طالع سے ہوگا نہ یہ دن ورنہ
میں تم کو دکھا دیتا ، گر روزِ جزا ہوتا

یاں ترکِ وفا مشکل تم کیوں کہ ستم چھوڑو
جو کچھ نہ ہؤا مجھ سے وہ آپ سے کیا ہوتا

اے کاش تم آجاتے اغیار ہی کو لے کر
کچھ عمر تو گھٹ جاتی ، گو رنج سوا ہوتا

کرتے ہیں وہ چار آنکھیں یوں مل کے قیامت میں
گویا کہ ہے فردا کا اب وعدہ وفا ہوتا

دھوکے میں نہ رہنا تھا ، یک بار نہ کہنا تھا
کچھ لب پہ گلا لاتے کچھ دل میں رکھا ہوتا

ہوتی ہے شبِ وعدہ جب یاس تو میں دل سے
ناچار یہ کہتا ہوں وہ آتے تو کیا ہوتا ؟

مے خانے سے مے سالک پیتے ہوے گھر جانا
بازار ہے یہ حضرت ، کچھ پاس کیا ہوتا

(۸)

عشق اور جامہ اس آدم زاد کا
شکر ہے صانع تری ایجاد کا

شوق ان کو بڑھ گیا بیداد کا
رنگ بگڑا عالمِ ایجاد کا

ہم جہاں میں موردِ آفات ہیں
اب گرا جاتا ہے گھر صیّاد کا

عمر کٹنی ہجر میں دشوار تھی
کام تو آسان بنا فرہاد کا

ہے شبِ وصلِ عدو میری بدی
تم نے موقع خوب پایا یاد کا

بھر دیا جتنا تری تصویر میں
رنگ اتنا ہی اڑا بہزاد کا

حشر میں دل کش بنے ہم صور کے
غل بڑھا فریاد سے فریاد کا

کیا بنا کر[1] اس نے پھل پایا کہ ہو
کوئی طالب روضۂ شدّاد[2] کا

---

۱ - نسخۂ کلیات سالک (صفحہ ۸ ، مطبوعہ ۱۸۸۰ع) میں "بتا کر" ہے - تصحیح قیاسی کی گئی -

۲- شداد : (بالفتح و تشدید دال) قوم عاد کے ایک بادشاہ عظیم القدر کا نام جس نے خدائی کا دعویٰ کیا اور بہشت کے نمونے پر ایک باغ بنوایا تھا جو باغ ارم کے نام سے مشہور ہے - جب باغ تیار ہو چکا ، یہ بادشاہ باغ دیکھنے گیا ، جیسے ہی دروازے پر قدم رکھا اُس کی روح پرواز کر گئی - (صفحہ ۳٦۳ ، نوراللغات جلد ، سوم)

ہے خزاں بھی کس قدر خانہ خراب
گھر کیا دل میں مرے صیّاد کا

قتل ہوکر موت پر آئی یہ موت
ہاتھ سے دامن چھٹا جلاد کا

حالِ سالک پوچھتے ہو کیا کہ وہ
ایک بگڑا ہے جہان آباد[1] کا

(۹)

لطف میں واں ڈھنگ، ہے بیداد کا
کام دے اے خامشی فریاد کا

کیوں کہ لے تصویر اس کی دیکھیے
ہاتھ قابو میں نہیں بہزاد[2] کا

عمر بھر رکھتا ہے پابندِ کمیں
صید خود اک دام ہے صیّاد کا

دعویِ باطل کی پرسش رہ گئی
کون پرساں حسرتِ شدّاد کا

دور تک اپنی نگاہیں ہیں رسا
پردہ حائل گر نہ ہو ایجاد کا

کون یاں قیدِ تعلق میں نہیں
پا بہ گِل ہے سرو سے آزاد کا

---

۱ - دہلی کا نام ''جہان آباد'' بھی ہے -
۲ - بہزاد : (ف - بالکسر) - مذکر - ایک مشہور نقاش کا نام جو شاہ اسماعیل صفوی کے زمانے میں تھا - (نوراللغات ، صفحہ ۷۲۹ ، حصہ اول)

دل میں جب آئے کہ اس نے سن لیا
نارسا کیوں نام ہے فریاد کا

آپ ہی گردش سے ہے مجبور چرخ
چاہنا ایسے سے کیا امداد کا

دیکھیے کثرت سے وحدت کو ، تو ہے
ایک جلوہ موجد و ایجاد کا

کوہ کن[1] نے عمر بھر کاٹا پہاڑ
میں ہوں جویا چرخ کی بنیاد کا

بچ گیا ، تیرِ نگاہِ یار سے
واقعی آئینہ ہے فولاد کا

بھولتا ہے دین و دنیا آدمی
خاصّہ ہے یہ بتوں کی یاد

پہلے نفخِ صور سے آجاؤ یاں
شک نہ ہو تم کو مری فریاد کا

ضربتِ تیشہ تھی پتھر کی لکیر
نام مٹتا ہی نہیں فرہاد کا

خود اڑا جاتا ہوں سالک ضعف سے
آہ میں طوفان ہے قومِ عاد[2] کا

---

۱ - فرہاد کا لقب ، جو ایران کا مشہور سنگ تراش گزرا ہے - خسرو پرویز کی "محبوبہ شیریں" کی فرمائش پر کوہ بے ستون سے نہر نکالی - شیریں کے مرنے کی غلط خبر سن کر خودکشی کی - (دیکھیے صفحہ ۵۸۳ نوراللغات جلد سوم)

۲ - عاد : (ع) ایک قوم کا نام ہے جس پر ہود پیغمبر کو ہدایت کے لیے خدا نے بھیجا اور اونٹنی کا معجزہ ظاہر کیا ، مگر انہوں نے نافرمانی کی اور ہلاک ہوئے - (صفحہ ۴۸۳ نوراللغات جلد سوم)

(۱۰)

نالہ جو دل سے نکالا شرر افشاں نکلا
کرۂ نار مرے سینے میں پنہاں نکلا

میں نکلتا تری محفل سے اکیلا ، اے کاش
غم یہ ہے ، ساتھ مرے غیر کا ارماں نکلا

جذبۂ دل کا اثر دیکھ کہ کھائے سو تیر
پر کوئی توڑ کے سینے سے نہ پیکاں نکلا

غش شبِ ہجر میں آیا تو ہؤا حشر کو ہوش
حشر کا روز ہی روزِ شبِ ہجراں نکلا

کام دشمن کا نہ تھا اس میں جو اٹکا اے چرخ
اُس کی فرقت میں مرا کیوں کہ دم آساں نکلا

دل خلش دوست ہے اور جذب ہے حاصل اُس کو
پاؤں سے یاں نہ کوئی خارِ مغیلاں نکلا

یہ رہا مانعِ فریادِ جہاں برہم کن
ضعف کا میرے زمانے پہ یہ احساں نکلا

میں اور اُس بزم میں یوں چین سے بیٹھوں لیکن
لاغری میں اثرِ کحلِ سلیماں نکلا

سینۂ چاک کے ٹانکوں ہی میں کام آ جاتا
ہائے ثابت نہ کوئی تارِ گریباں نکلا

پیچ میں اُس بتِ عیّار کے آیا افسوس
سالکِ غم زدہ سیدھا سا مسلماں نکلا

(۱۱)

کچھ ہو پر اُس کو جانبِ اغیار دیکھنا
اک بار منع کیجے تو سو بار دیکھنا

خلقِ خدا پہ رحم بھی کرنا ضرور ہے
تم دیکھ کر کسی کو خبردار ، دیکھنا

ہیں وہ جہاں فریب تو سب پر ہے مجھ کو رشک
پڑتا ہے اک جہان کو ناچار دیکھنا

ہمسائے میں وہ آئے ہیں یا لگ رہی ہے آگ
کچھ روشنی سی ہے سرِ دیوار ، دیکھنا

تا ضد میں آکے مول لیں ، کہتا ہوں اس لیے
یہ اور جنسِ دل کے خریدار ، دیکھنا

افزوں ہے رنجِ عشق سے اندوہِ ترکِ عشق
پرہیز کرکے ہم ہوئے بیمار ، دیکھنا

جاتے رہے تمھارے تو بس ایک خم میں ہوش
میرے حواس سالکِ میخوار دیکھنا

(۱۲)

بارے کچھ تو اثرِ نالہ و فریاد ہؤا
کہ اسے غیر ، بہت مانعِ بیداد ہؤا

روز کے جھوٹ سے کیا فائدہ بس بس صیاد
تو نے آزاد کیا اور میں آزاد ہؤا

ناتوانی نے شہادت کی خوشی بھی کھوئی
کہ مجھے رنجِ پشیمانیِ جلّاد ہؤا

نہ کھنچی ہاتھ سے پر آنکھوں میں تصویر رہی
اُن کی غیبت میں بھی ہشیار نہ بہزاد ہؤا

ہے ہمیشہ سے اُنھیں دل کی خرابی منظور
یہ وہ گھر ہے کہ مکیں سے بھی نہ آباد ہؤا

اب ترے عہد میں لاکھوں ہیں وگرنہ پہلے
ایک ہی قیس ہؤا، ایک ہی فرہاد ہؤا

وہ ستم کش ہوں، سمجھ میں نہیں آتا کوئی
چرخ بدکیش ہؤا، وہ ستم ایجاد ہؤا

آنکھ طوفان بہانے کے لیے دی حق نے
مضطرب رہنے کو پیدا دلِ ناشاد ہؤا

مکتبِ عشق میں لینے جو گئے درسِ فنا
آپ کو بھول گئے ہم تو سبق یاد ہؤا

ہم نے پہلے ہی جہاں سر پہ اٹھا رکھا تھا
صُورِ محشر بھی نہ ہم پلۂ فریاد ہؤا

میری مجبوریوں نے کام بگاڑے آخر
کچھ نہ بن آئی تو میں خوگرِ بیداد ہؤا

شانِ تمکیں ہے بجا آپ کی، نازش ہے درست
اک تمھی کو تو عطا حسنِ خدا داد ہؤا

آج سہمے نظر آتے ہیں اسیرانِ قفس
کیا رہا کوئی ستم دیدۂ صیّاد ہؤا

نہیں آتے تو نہ کہنا کہ فغاں سے سالک
باعثِ برہمیِ عالمِ ایجاد ہؤا

(۱۳)

چھوٹا ہے ہاتھ قاتلِ گستاخ دست کا
کہتی ہے ہر نگاہ کہ حربہ ہوں مست کا

میں کیا ، سب اپنے حال میں ہیں مست محتسب !
ہے اک جہان خراب شرابِ الست کا

دشمن کو نیند آئے تو وہ جائیں خواب میں
فریاد پر مدار ہے یاں بندوبست کا

دیں مجھ کو لے کے جام سے خم تک تو کیا کہ ہوں
جویا اشارۂ نگہِ نیم مست کا

کس دشمنِ وفا سے یہ کام آ پڑا مجھے
یا رب ! برا ہو اس دلِ صورت پرست کا

عشقِ مجاز ، بہرِ حقیقی ہے نردبان
رتبہ بلند ہے مرے مضمونِ پست کا

تاراجِ غم ہیں ، صبر و سکوں کا نہ پوچھ حال
پہنچا ہے میری فوج کو صدمہ شکست کا

کیا کارگہِ دہر بھی دھوکے کی جاے ہے
ہر نیست پر گماں گزرتا ہے ہست کا

پہنچے نہ تیری گرد کو بھی گو سپہر تک
عرصہ سمندِ وہم کو ہے ایک جست کا

انسان کو قضا سے نہیں ہے کہیں نجات
کیا یہ بھی ہے خدنگ اسی صاف شست[1] کا

---

۱ - اصل متن کلیات سالک (صفحہ ۱۱ ، مطبوعہ ۱۸۸۰ع) میں ''ششت''
(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

کوثر سے کیا ملے گا ترے تشنہ کام کو
اک گھونٹ بھی نہیں ہے کسی مے پرست کا

ترکیبِ عنصری سے ہوں بیزار اس طرح
گویا ہوں قید چار حدِ سنگ بست کا

کیا کیا قبول کر لیے ناکردگی سے کام
اب پھر کہاں سے پائیں گے ہم دن الست[۱] کا

کس نشّے میں گزرتی ہے کیا جانے اُس کی عمر
قائل ہوں میں تو سالکِ بے بادہ مست کا

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ)
غلط ہے ۔
بہ قول صاحب فرہنگ عمید (صفحہ ۷۷۰) شست : انگشت بزرگ دست و پا و قلاب ماہی گیری ۔ مؤلف غیاث کہتے ہیں کہ شست کے معنی ساٹھ ہیں اور التباس کی وجہ سے اُسے صاد سے لکھتے ہیں ۔ دیگر معنی یہ ہیں : مچھلی کا کانٹا ، مضراب ساز کی ، نرانگشت ۔۔۔
(غیاث اللغات مع چراغ ہدایت صفحہ ۲۴۷)
نوراللغات کے مؤلف بھی اسی کی تائید کرتے ہیں ۔ ملاحظہ ہو :
شست : (بالفتح ۱۔ مچھلی پکڑنے کا کانٹا ۔ ۲۔ مضراب جس سے ساز بجاتے ہیں ۔ اردو میں بالکسر بول چال میں ہے)
مؤنث ۱۔ ہدف ، نشانہ ، سیدھ ۔ ۳۔ وہ بزرہ جسے درزی اور تیرانداز انگلی میں پہن لیتے ہیں ۔ (نوراللغات جلد سوم صفحہ ۳۷۳)

۱۔ الست : (ع) اشارہ ہے آیت ''الست بربکم'' کا جس کے معنی ہیں ۔ ''کیا میں تمھارا رب نہیں ہوں'' ۔ (نور اللغات جلد ۱ صفحہ ۳۸۳)

(۱۴)

دیدارِ عام روزِ قیامت ضرور تھا
حکمت تھی غش میں جو ارنی گوے طور تھا

سب حال سن کے وعدہ مروت سے دور تھا
قاصد کے ساتھ ہی انھیں آنا ضرور تھا

یعقوب کی نظر میں ہے کنعاں سے مصر تک
دل میں سما گیا ہے جو آنکھوں میں نور تھا

میں ناتواں نہ چیر کے مجمع کو جا سکا
ہنگامِ داد ، داورِ محشر سے دور تھا

مل مل کے سیلِ گریۂ اندوہ میں بہا
جتنا نظر میں عالمِ بزمِ سرور تھا

کیوں لوٹے اشک خوں مرے گر گر کے خاک پر
شاید کہ چشمِ تر میں دلِ ناصبور تھا

واعظ نہ مے کدے میں کبھی آ کے پی شراب
اک ایک قطرہ جامِ شرابِ طہور تھا

گو وہ لیے دیے رہے اپنے کو بزم میں
میں بھی ستم رسیدۂ طبعِ غیور تھا

تعلیم یابِ مدرسۂ عشق کیوں نہ روئیں
پہلے سبق میں جن کے ''وفارالتنور'' تھا

اچھا کیا جو تم نے جفا کو بڑھا دیا
مجھ کو بھی امتحان وفا کا ضرور تھا

۱- ''وفارالتنور'' الخ اور جوش مارا پانی نے تنور میں سے -
(آیت ۴۰- رکوع ۴- سورۂ هود ، پاره ۱۲ ، ترجمه از شاه رفیع الدین
قران مجید صفحه ۲۵۳ تاج کمپنی) -

واں سے نکل کے کیوں نہ ہوئی اپنی آنکھ بند
اُس بزم میں گئے تھے کہ سایہ بھی نور تھا
انصاف ھی نہیں تو یہاں آ کے کیا لیا
مجھ کو تو روزِ ھجر بھی روزِ نشور تھا
سالک نے موت پائی ہے یادِ بتاں میں کیا
ہلتے تھے ھونٹ نزع میں ، چہرے پہ نور تھا

(۱۵)

رھے گا دوشِ صبا پر ھی جسمِ زار اپنا
زمین پر نہ بنے گا کہیں مزار اپنا
ضرور رحم ہے اُفتادگانِ خاک پہ بھی
سمندِ ناز ذرا روک شہسوار اپنا
اُٹھا کے مجھ کو سرِ بزم یہ ستم دیکھو
جتانے بیٹھے ھیں دشمن پہ افتخار اپنا
یہ فخر کم ہے کہ تو بزم سے اُٹھائے مجھے
کروں نہ تذکرہ ، کس طور بار بار اپنا
پھنسا ھوں دام میں آوارگی سے تنگ آ کر
ھؤا ھوں آپ ھی صیّاد میں شکار اپنا
ھم اور دیکھ سکیں تیرے پاس دشمن کو
خدا کرے ترے گھر میں نہ ھو گذار اپنا
زمین پر نظر آ جائے ایک اور زمیں
ذرا بھی دل سے نکل جائے گر غبار اپنا
جفا تمھاری ، وفا اپنی ، پھر کمی کیا ہے
وہ اعتبار تمھارا ، یہ اعتبار اپنا

گلی میں اس بتِ سفاک کی چلے ھیں ولے
خدا کو کرتے ھیں سالک نگاہ دار اپنا

(۱۶)

یوں‌ھی دل غم سے اگر ھجر میں خوگر ہوگا
وصل میں عیش مجھے خاک میسر ہوگا

دو قدم بھی جو چلیں آپ تو باور آجائے
ورنہ سنتے ھیں کہ ھنگامۂ محشر ہوگا

کششِ شوق لیے جاتی ھے مجھ کو ورنہ
سب سمجھتا ھوں وھاں جاکے جو مجھ پر ہوگا

قصۂ قیس ھے اک حرف فسانے کا مرے
میں یہ سمجھا تھا کہ وہ بھی کوئی دفتر ہوگا

کی ثنا اُن کی کمر کی تو وہ ھنس کر بولے
یہ تمھارا ھی بیانِ تنِ لاغر ہوگا

نہیں' منظور دل آزاریِ دشمن مجھ کو
اس کے دل میں یہ گماں ھے کہ ترا گھر ہوگا

لے چلا شوقِ جنوں میں سوے طفلاں مجھ کو
ھاتھ میں اُن کے ترے کوچے کا پتھر ہوگا

ھم پہ ھے حشر بپا روز ھی سالک دیکھیں
کون سے حشر میں دیدار ستم‌گر ہوگا

---

۱ - یہ شعر ''ھنجار سلک'' میں نہیں ھے اور اس کے بعد والا شعر ۷ بھی نہیں ھے ؛ صفحہ ۵ پر ھنجار سالک میں یہ غزل ۵ اور کلیات سالک کے صفحات ۱۳ ، ۱۴ پر - اس سے معلوم ھوتا ھے کہ بعد میں شعر ۶ ، ۷ بڑھائے گئے ھیں -

(۱۷)

یاں ذکر اُس کے طرّۂ عنبر شمیم کا
آتا ہے مصر سے سوے کنعاں، نسیم کا

وہ جلوہ دیکھ کر مجھے کتنا رہا ہے ہوش
افسانہ اُس سے پوچھ رہا ہوں کلیم کا

مظلوم عشق ہوں مجھے دے مژدۂ بہشت
مذکور کر[1] رقیب سے واعظ جحیم کا

حسرت سے دیکھتا ہوں عبث سوے آسماں
منہ دیکھنا بھلا نہیں ہوتا لئیم کا

ظالم رضا پسند ہیں ہم لوگ ورنہ ہے
دستِ دعا میں کنگرہ عرشِ عظیم کا

یہ عشق کا مرض متعدی ہے کس قدر
مجھ سے زیادہ حال ہے ابتر ندیم کا

چپ ہوں کہ اک جہان ہے انصاف میں شریک
شکوہ عبث ہے اُس کی جفاے شمیم کا

جب اُس کی زلف دامِ لطافت ٹھہر چکی
پھر کیوں کہ ہو چمن میں اعادہ شمیم کا

آزاد اُس کے ہوتے ہیں اکثر کرم نما
کھٹکا امیدِ وصل میں ہے مجھ کو بیم کا

حد نالہ ہاے شعلہ فشاں کی نہیں رہی
مشکل ہے اب جہاں میں چلنا نسیم کا

---

۱ - ''ہنجار سالک'' (ص ۷) میں ''کو'' اور کلیات سالک (ص ۱۳) میں ''کر'' ہے -

شکوے کی تاب بھی نہیں کچھ ماجرا نہ پوچھ
ہر حال میں ہے شکر خداے کریم کا
جور اُس کے یاد آ گئے بےخود ہوں وجد میں
واعظ سے ذکر سن کے عذابِ الیم کا
حالِ [1] جگر خراش کا میرے اثر تو دیکھ
سن سن کے پک گیا ہے کلیجا ندیم کا
سالک سے کیا ہو ترکِ خرابات کی امید
بگڑا ہؤا ہے مجھ سے زیادہ قدیم کا

(۱۸)

اب تو یہ حال ، اے غمِ ہجرِ بتاں بنا
جو پوچھنے کو آئے خبر ، نوحہ خواں بنا
دونوں کی اک نمود ہی ہیں اور پتا نہیں
عاشق کا مدعا بھی تمھارا دہاں بنا
اُٹھ اُٹھ کے جاے جاے گیا بیٹھ ضعف سے
میں رفتہ رفتہ ، گردِ رہِ کارواں بنا
تو ایک دن بھی دے جو اماں محتسب مجھے
دے میکدے میں حق تجھے پیرِ مغاں بنا
اس کارگاہِ دہر پہ کس کی نظر نہیں
اللہ ہی رکھے تو رہے یہ مکاں بنا
چرچے سے میرے عشق کے ڈرنے لگے ہیں لوگ
چھیڑا جہاں یہ ذکر کہ اک داستاں بنا

---

۱ - یہ شعر ہنجار سالک (صفحہ ۷) میں نہیں ہے -

ہو ہو کے مست ہر کوئی گرتا ہے سر کے بل
مسجودِ خلق کو درِ پیرِ مغاں بنا

جی چاہتا ہے اُس کو شب و روز دیکھیے
جس کا کہ جلوہ آتشِ صد خانماں بنا

واعظ ہے نفخِ صور بھی اک کھیل سانس کا
میرے نفس کو دیکھ کے شورِ فغاں بنا

یوسف بھی ہوں تو اب نہیں پھرتے دن اے فلک
وہ دن گئے کہ بختِ زلیخا جواں بنا

سالک فلک کے نام سے کچھ کانپتا ہے دل
ورنہ ہم اس زمین کو دیں آسماں بنا

(۱۹)

صدمہ اُٹھا کے[۱] تارکِ عشقِ بتاں بنا
آخر کو اپنا آپ ہی میں مہرباں بنا

پہلے ستم گری کے لیے آسماں بنا
کچھ بات رہ گئی تھی جو وہ دل ستاں بنا

پہلے تمھارے آنے سے تھا یہ ہی رنگِ گل
تم نے تو گلستاں کو دیا گلستاں بنا

نکلا نہ شہسوار کوئی بچ کے چرخ سے
اُس راہ زن نے مار ہی رکھا جہاں بنا

ہر دم بنا بنا کے نہ کر غیر کے گلے
مجھ کو شبِ وصال نہ تو بدگماں بنا

---

۱ - "کہ" اصل متن کلیات سالک (صفحہ ۱۵) میں ہے - "کے" تصحیح قیاسی ہے -

میں اور ترکِ عشقِ بتاں خیر ہے تجھے
تو پند گو کہاں سے مرا مہرباں بنا ؟

میرے سبب سے اس کو یہ رتبہ ہؤا نصیب
میری بدی سے غیر ترا رازداں بنا

ہے کوے یار میں بھی اگر یہ ہی آسماں
پھر کس طرح رقیب کو دارالاماں بنا

اپنی نظر سے آپ نہاں ہو نہ جاؤں میں
اے ضعف ! اس قدر نہ مجھے ناتواں بنا

سعیِ بقاے نام ہے پستی کی اک دلیل
نیچا ہی لامکاں سے بنا ، جو مکاں بنا

کیا جانے آگ سینے میں کیا[1] شے لگی ہوئی
آیا جو رک کے دم ، وہی آتش فشاں بنا

وہ حال پوچھتے ہیں یہ دن پھر کہاں نصیب
میری خموشیوں کو الٰہی زباں بنا

پھر دولتِ وصال کی سالک امید ہے
نادان کوئی بھی ہے بگڑ کر یہاں بنا

(۲۰)

ملے گا اجر جس دن شیخ کو طاعت گزاری کا
تو یا رب پاس رکھنا کچھ ہماری شرمساری کا

سحر ہوتے ہجومِ یاس نے آنکھیں مری کھولیں
شبِ وعدہ رہا اک جوش سا امیدواری کا

---

۱ - ''ہنجار سالک'' (صفحہ ۸) میں ''کیا'' ہے ۔

اُلجھنا اور مجھ دیوانے سے اے حضرتِ ناصح !
پھر اُس پر سامنے میرے ہی دعویٰ ہوشیاری کا
ذرا سی ہمت اے فریاد گیتی سوز لازم ہے
عدو قائل نہیں ہے دہر کی ناپائداری کا
ہوئے خاک اُس گلی میں، عرش تک پہنچا غبار اپنا
ملا اب خاک میں دعویٰ ہماری خاکساری کا
کوئی دن اور سنگِ کودکانِ شہر کھانے تھے
مٹایا نام کیوں صحرا میں رہ کر قیس خواری کا
بجائے سبزہ ، نشتر زار یاں ہر اک قدم پر ہے
دیارِ عشق میں رستہ نہیں آساں گزاری کا
پہنچ کر لب پہ دل پھونکا، گزر کر لب سے گھر پھونکا
مجھے کیا فائدہ اے نالہ ! تیری شعلہ باری کا
جہاں وہ ہیں وہاں سب کچھ دیا ہے اختیار اُن کو
جہاں میں ہوں وہ عالم ہے مری بے اختیاری کا
نکالے جا چکے ہیں سیکڑوں اس بات پر سالک
نہ لینا نام اُس کے کوچے میں مطلب براری کا

(۲۱)

جس راہ سے وہ سروِ خراماں نکل گیا
بن کر غبار ، حشر کا ساماں نکل گیا
ٹھہری تھی خلد و کوچۂ جاناں میں گفتگو
لب وا ہوئے تھے اپنے کہ رضواں نکل گیا
مجھ سے ستم رسیدہ کا ہوگا کوئی سرشک
قطرے کا نام مفت میں طوفاں نکل گیا

سب چیز کی گئی برکت اس جہان سے
تیرا اثر بھی شورش افغاں نکل گیا

اُن سے کہاں کھنچ نہ سکی جذبِ شوق دیکھ
چٹکی سے تیر، تیر سے پیکاں نکل گیا

ہے ان دنوں میں گردشِ چشمِ بتاں کا دور
تیرا زمانہ گردشِ دوراں نکل گیا

پیری پر اپنی رحم کر اے چرخِ پیر! تو[1]
اچھا نہیں جو نالۂ سوزاں نکل گیا

آخر ہو اب تو ہم پہ قیامت گزر گئی[2]
یہ روزِ بد ہی (بھی) اے شبِ ہجراں نکل گیا

سالک یہ دم نکلتے ہی نکلے گا ہجر میں
کیا غیر کا ہے کام کہ آساں نکل گیا

(۲۲)

یوں اُن پہ حال کھولیے رنج و ملال کا
افسانہ کہتے اور کسی خستہ حال کا

پوچھو نہ ماجرا شبِ ہجراں کے حال کا[3]
اس بات کا بیاں ہے، بیاں ایک سال کا

---

۱ - یہ شعر ''ہنجار سالک'' (صفحہ ۸) میں ہے، ''کلیات سالک'' میں نہیں ہے -

۲ - یہ شعر ''ہنجار سالک'' (صفحہ ۸) میں ہے، ''کلیات سالک'' میں نہیں ہے -

۳ - یہ شعر ''ہنجار سالک'' (صفحہ ۸) میں ہے، ''کلیات سالک'' میں نہیں ہے -

دشمن سے بات کرنے کو حیلہ ملا اُنھیں
اُس کو جواب دیتے ھیں میرے سوال کا

مانا کہ لب سے مُہرِ خموشی اُٹھائیں ھم[1]
دے گا جواب کون ھمارے سوال کا

جو کچھ ھے اُس کی بزم میں سب دل پہ نقش ھے
اُلفت نے کردیا اُسے عالم مثال کا

کچھ سرنگوں ھوں ضعف سے، کچھ ناگوار ھے
منہ دیکھنا مجھے فلکِ بدخصال کا

شاید ظہورِ فتنۂ محشر قریب ھے
چرچا ھے ان دنوں میں بہت اُس کی چال کا

لیتے ھو تم ستم سے خبر، کس طرح کہوں
پرساں نہیں جہاں میں کوئی میرے حال کا

وہ آ گئے ھیں رخصتِ اعدا کا وقت ھے
ھنگامہ دیکھنا مری بزمِ خیال کا

تقلید چاھیے ارنی گوے طور کی[2]
آخر جواب کچھ تو ملے گا سوال کا

بنتی ھے مجھ پہ دیکھیے کیا اُس کی بزم میں
کرتا ھوں ذکر سالکِ شوریدہ حال کا

---

۱ - یہ شعر "ھنجارِ سالک" (صفحہ ۸) میں ھے، "کلیاتِ سالک" میں نہیں ھے -

۲ - یہ شعر "ھنجارِ سالک" (صفحہ ۹) میں ھے، "کلیاتِ سالک" (صفحہ ۱۷، ۱۸) میں نہیں ھے -

(۲۳)

بھول کر بھی اِدھر نہیں آتا
وہ کبھی راہ پر نہیں آتا

کس کا جلوہ نظر سے گزرا ہے
کہ مجھے کچھ نظر نہیں آتا

چرخ گردش سے تھک گیا شبِ ہجر[1]
دن نکلتا نظر نہیں آتا

بہہ گیا دل تو غم نہیں اے چشم
کام میں کیا جگر نہیں آتا

ہوں شبِ وصل اس قدر بے خود
بیمِ مرگِ سحر نہیں آتا

کس گلی میں چلا ہوں مرنے کو
شوق میں کچھ نظر نہیں آتا

تیرا کوچہ اگر بہشت نہیں
جا کے کیوں نامہ بر نہیں آتا

پھیر دینی چُھری تو آتی ہے
لطف صیّاد اگر نہیں آتا

تو گرفتاریِ مصیبت دیکھ[2]
ہم کو نالہ بھی کر نہیں آتا

دل کو کیا جانے کیا ہؤا سالک
چین کیوں رات بھر نہیں آتا

---

۱ - ''شاید'' ''ھنجار سالک'' میں -
۲ - یہ شعر ''ھنجار سالک'' میں ہے ، کلیات سالک (صفحہ ۱۸) میں نہیں ہے -

(٢٤)

حال کیا پوچھتے ہو چشمِ تماشائی کا
بڑھ گیا شوق بہت تم کو خود آرائی کا

وعدہ بھولے ہوئے کس چین سے وہ بیٹھے ہیں
اور ہنگامہ ہے یہاں انجمن آرائی کا

تو بھی گر لب سے خموشی میں نہ نکلی گا ہے
مجھ پر اے آہ نہ اطلاق ہو گویائی کا

کیا خبر تھی کہ ہے تدبیر سے تقدیر کو ضد
کاش ہوتا نہ بھروسا مجھے دانائی کا

آج اے آہِ جہاں سوز نہ رکھ کچھ باقی
غیر قائل نہیں اللہ کی یکتائی کا

میرے نالوں کو سمجھنا نہ شکایت اپنی
نوحۂ صبر ہی ماتم ہے شکیبائی کا

طول دیتا نہ خدا ، روزِ جزا کو اتنا
گر بیاں مجھ سے نہ سنتا شبِ تنہائی کا

آنکھ سے گریہ سوا عشق میں ہوتا ہے عزیز
رنج یعقوب کو دیکھا نہیں بینائی کا

حسرتِ مردہ کو دم بھر میں جِلا لیتا ہوں
آپ کیا ، مجھ کو بھی دعویٰ ہے مسیحائی کا

یوں اٹھالیں وہ مجھے جان کر افتادۂ خاک ؟
ناتوانی نے کیا کام توانائی کا

کچھ بھی قسمت ہو موافق تو دکھا دیں سب کچھ
کارخانہ ہے سب ، اے غیر یہ بن آئی کا

سجدۂ نقشِ کفِ پائے بتاں کے نہیں داغ
یہ نوشتہ ہے مری ناصیہ فرسائی کا

دیکھنا کس کو ہے یوسف کے سوا اے یعقوب
گر خدا دے بھی تو کیا لطف ہے بینائی کا

میں بھی خود آپ میں آتا نہیں پھروں ظالم
پوچھنا کیا ہے مرے گوشۂ تنہائی کا

ذکر یعقوب و زلیخا ہے ترے عہد میں کیا[1]
آج یوسف کو بھی دعویٰ ہے زلیخائی کا

کیوں نہ سالک مری حیرت پہ جہاں ہو حیران
محوِ حیرت ہوں کسی محوِ خود آرائی کا

(۲۵)

شکوہ کیا غیر کا وہ دل ہی جب اپنا نہ ہؤا
جس کے باعث سے مری جان پہ کیا کیا نہ ہؤا

آشیانے میں خس و خار کی رہتی تھی خلش
ایک تنگی[2] کا قفس میں مجھے کھٹکا نہ ہؤا

ہو سکا حشر میں کب مجھ سے خدا کے آگے
جب تجھی سے تری بیداد کا شکوہ نہ ہؤا

---

۱ - یہ شعر کلیات سالک (صفحہ ۱۹) میں نہیں ہے ، ''ھنجار سالک'' سے لیا گیا ہے۔

۲ - ''تنکے'' ''ھنجار سالک'' (صفحہ ۱۱) میں ہے۔

کیا وہاں شہرِ سبا[1] سے بھی ہے جانا مشکل
نامہ بر مرغِ سلیماں[2] بھی جو میرا نہ ہؤا

نامہ بر کی ترے کوچے میں بدل جاتی ہے شکل
کب گیا یاں سے کبوتر کہ وہ عنقا نہ ہؤا

صبح تک جلوۂ عارض سے رہا میں بیہوش
آن سے اس طور ہؤا وصل کہ گویا نہ ہؤا

نسر واقع[3] مرے طالع میں ہے شاید صیّاد
کہ تجھے دیکھ کے پرواز کا یارا نہ ہؤا

ناروا ہے وہ قیامت ہی سہی اے واعظ
اس کی رفتار سے جو فتنہ کہ برپا نہ ہؤا

---

۱ - سبا : بلقیس کے شہر کا نام جس کو حضرت سلیمان علیہ اسلام نے مع تخت طلب کیا اور اس کو اپنے نکاح میں لیا - یہ شہر یمن کے ملک میں ہے - (صفحہ ۱۹۷ نور اللغات جلد سوم طبع کراچی)

۲ - سلیمان : (ع - بہ ضم اول و فتح دوم) مذکر - حضرت داؤد کے بیٹے اور قوم بنی اسرائیل کے بادشاہ تھے - تمام جن و انس ان کے تابع تھے - (صفحہ ۲۸۱ نوراللغات جلد سوم طبع کراچی)

۳ - نسر واقع : (ف - لفظی معنی اترنے والا ''گدھ'') مذکر - قطب جنوبی کی طرف ایک روشن ستارے کا نام - اس کی شکل دو ہم پہلو ستاروں سے مل کر ایسی ہوگئی ہے کہ گویا ''گدھ'' اوپر سے نیچے اڑ رہا ہے ، اس کو نسر چرخ اور نسر فلک بھی کہتے ہیں - رشک :

صیدِ مرغانِ چمن کا جب خیال آیا مجھے
نسرِ واقع نسرِ طائر کے برابر ہوگیا

(صفحہ ٦٥٦ ، نوراللغات جلد چہارم طبع کراچی - نیز دیکھیے غیاث اللغات مع چراغ ہدایت صفحہ ۴۷۰ - فرہنگ عمید صفحہ ۱۱۸۳)

کس لیے حالِ دلِ گم شدہ یارب نہ کھلا
غیر کا راز تھا کیا یہ بھی کہ افشا نہ ہؤا
مبتذل جان کے اس شیوے کو چھوڑا ہوگا
لبِ جاناں سے گر اعجازِ مسیحا نہ ہؤا
نالہ اُس کا شرر افشاں ، مژہ اُس کی خوں بار
تونے چھیڑا تو ہے سالک کو پر اچھا نہ ہوا

(۲۶)

دشمن مری دعا کا ہجومِ فغاں ہؤا
گوشِ موکلّانِ اجابت ، گراں ہؤا
ہم پیشگی سے ضد ہوئی کیا چرخ و یار میں
یہ مہرباں ہؤا تو وہ نامہرباں ہؤا
اک بات منہ سے نکلی تو سو نالے ساتھ ہیں
محشر میں کس سے تیری جفا کا بیاں ہؤا
دل میں تو ایک حرف دکھائی دیا تھا عشق
پہنچا ہی تھا زباں پہ کہ اک داستاں ہؤا
وہ نالہ آج ضعف سے[۱] لب تک نہ آسکا
جو لاکھ بار داغِ دلِ آسماں ہؤا
وہ دور تھے تو سب سے رہی مجھ کو دشمنی
وہ پاس ہیں تو میرا عدو اک جہاں ہؤا

---

۱ - یہ شعر ''کلیات سالک'' میں نہیں ہے ، ''ہنجار سالک'' (صفحہ ۱۱) میں ہے -
۲ - ''میں'' ''ہنجار سالک'' (صفحہ ۱۱) میں ہے -

سچ ہے بگاڑ میں کوئی حربہ نہ کام آئے
نالہ بھی میرے سر ہی پہ آتش فشاں ہـؤا

مجھ کو ہؤا افاقہ سنبھالے کا[1] نزع میں
اُن کو ستم پر اپنے ، کمی کا گماں ہؤا

وہ صبح ہوتے آئے ، شبِ وعدہ میرے پاس
پیری کے وقت ، بختِ زلیخا جواں ہؤا

اک ایک قطرہ ضبط کیا تیرے خوف سے
اک ایک بحر بن کے مژہ سے رواں ہؤا

ہاتھ اب تو زیست سے بھی اُٹھانا محال ہے
سالک یہ رنجِ ہجر سے میں ناتواں ہؤا

(۲۷)

کیا شکوہ نہ سننے کا مرا دھیان کہیں تھا
ناصح یہ سمجھ لے مجھے گویا کہ نہیں تھا

گریے کا سبب پوچھ نہ اے شیخ حرم میں
یہ گھر بھی کبھی غیرتِ بت خانۂ چیں تھا

یہ گھر کو کیا گریے نے برباد کہ جس جا
ویرانہ نظر آئے تو کہتا ہوں نہیں تھا

یوں عمر گزاری تری فرقت میں کہ ہر دم
جینے کا گماں تھا ، مجھے مرنے کا یقیں تھا

آج اُس کا یہ عالم ہے کہ کب تک نہیں آتا
وہ نالہ جو کل رخنہ گرِ چرخِ بریں تھا

---

۱ - ''گا'' ''ہنجار سالک'' (صفحہ ۱۲) میں ہے ۔

کیا ڈھونڈھتے ہو سالکِ وحشی کو ، ابھی تو
ہنگامۂ طفلاں ، سرِ بازار یہیں تھا

(۲۸)

مجھ جیسے سخت جان پر ، کیا بس چلے قضا کا
یوں ٹوٹتا[1] رہا ہے اکثر غضب خدا کا

ہے وصل میں بھی اُن کو رنجِ فراق دشمن
یوں سر نگوں ہیں گویا انداز ہے حیا کا

در تک بھی اپنے اب تو آتے نہیں وہ ڈر سے
دیکھا اثر یہ اپنی فریادِ نارسا کا

کرنا پڑا ہے مجھ کو ، قاصد کا اپنے ماتم
بھولے سے لکھ گیا ہوں اک حرف مدّعا کا

اُس بے وفا سے مل کر ، یوں منفعل ہؤا دل
ہو جیسے آشنا سے نقصان آشنا کا

ہاتھ آ گیا کہیں سے اک مرغِ نامہ بر کیا
گویا کہ میرے سر پر سایہ پڑا ہما کا

جاتا ہوں آگے آگے یہ فرطِ شوق دیکھو
خود رہ نما بنا ہوں میں اپنے رہ نما کا

تو جس طرف سے گزرے ، جھکتے ہیں سر ہزاروں
بنتا ہے نقشِ سجدہ ، تیرے نشانِ پا کا

پائی شبِ جدائی ہم نے نہ عمر تا صبح
جی ہی میں رہ گیا سب جو شوق تھا دعا کا

---

١ - ''کلیات سالک'' (صفحہ ۲١) میں ''نوٹتا'' سہو کتابت ہے ۔

ہے دم کی آمد و شد رفتار اپنی سالک
طے کر رہے ہیں رستہ بیٹھے ہوئے فنا کا

(۲۹)

بے مروت ہیں یہ بت ، جھوٹ ہے کہنا ان کا
دے قیامت کی خبر ، وعدۂ فردا ان کا

ہائے انجامِ محبت میں دل آزار نہیں
ہائے آغازِ محبت میں دلاسا ان کا

شکل سے رحم عیاں ، دل میں نہاں کیا کیا گن
نہ بچا ہے نہ بچے گا کوئی مارا ان کا

آدمی آپ تماشائے جہاں بنتا ہے
بھول کر دیکھنے جائے جو تماشا ان کا

جب قدم رکھیے تو پیش آئیں جہنم کے عذاب
یوں نظر کیجیے تو فردوس (ہے[1]) کوچا ان کا

اُن کی باتوں میں وہ لذت ہے کہ جو چاہیں کہیں
چھیڑ کر سنتے ہیں سب شکوۂ بے جا ان کا

گو ملیں بعد فنا ، ہم کو بہت سی حوریں
نہیں ممکن کہ مٹے داغِ تمنا ان کا

جس کو کہتے ہیں قضا ، ہے نگہ ناز ان کی
ملک الموت ہے وابستۂ ایما ان کا

---

۱ - ''ہے'' تصحیح قیاسی ہے - مصرع ساقط الوزن تھا ۔

یاں جلے رشک (سے[1]) واں آتشِ دوزخ میں پھکے
کہیں آرام سے رھتا نہیں شیدا ان کا

باعثِ نالۂ عشّاق ہے چہرے پہ نقاب
وجہِ بے پردگیِ راز ہے پردا ان کا

چال سے فتنہ بپا ، زلف سے نازل ھو بلا
یہ زمیں ان کی ہے چرخِ ستم آرا ان کا

ظلم میں بھی ہے یہ شیریں حرکاتی ان کی
کہ نکلتا نہیں لب سے کبھی شکوا ان کا

ایک عالم ہے حزیں ، پوچھیے جس سے احوال
آہ بھر کر کہے مظلوم ھوں ، ان کا ، ان کا

حشر میں کوئی اگر ہم سے نہ پوچھے تو ہے خوب
اک زباں اور بیاں رکھتے ھیں کیا کیا ان کا

ھم سے آوارہ و گم‌راہ بہت پھرتے ھیں
کچھ سوا شہر سے آباد ہے صحرا ان کا

آپ سالک کو رلا کر یہ[2] عدو سے پوچھیں
آج کیا حال ہے ، آنسو نہیں تھمتا ان کا

(۳۰)

قتلِ قاصد پر گلا کیا اُس جفا کردار کا
خونِ ناحق روز ھو رھتا ہے واں دو چار کا

ربط مجھ سے ھوگیا تھا اب جو واں جانا چھٹا
لوٹتا ہے خاک پر سایہ تری دیوار کا

---

۱ - ''سے'' تصحیح قیاسی ہے - اصل متن (کلیات سالک صفحہ ۲۲) میں نہیں ہے -

۲ - اصل متن (کلیات سالک صفحہ ۲۳) میں ''نہ'' ہے ، نقطے نہیں - ''نہ'' اور ''یہ'' دونوں لفظ بنتے ھیں - قیاساً ''یہ'' لکھا گیا ہے -

میرا سر کیا نقش پا پر آپ کے رکھتے ہیں پاؤں
اس کو سمجھو تو نہ دیکھو منہ کبھی اغیار کا

غش سے میرے تو نے یہ جانا کہ پردہ کھل گیا
کیا مرا گرنا ہؤا ، گرنا تری دیوار کا

اور گرمی بزمِ دشمن میں ہوئی یہ بھی نصیب
لو اثر دیکھا ہماری آہِ آتش بار کا

عفو تقصیرات سب سے چاہتا پھرتا ہوں میں
دیکھنا ہے آج ہنگامہ تری رفتار کا

صبح[۱] واعظ نے بیاں کی روشنیِ شمعِ طور
خواب میں شب کو نظر آیا تھا ساعد یار کا

ہوگیا دیوانہ سالکؔ اس پری کو دیکھ کر
ایک ہنگامہ ہے ، رستہ بند ہے بازار کا

(۳۱)

کیوں کہ خالی نہ پڑا روزِ دبستاں ہوگا
جب کہ وحشی ترا سنگِ رہِ طفلاں ہوگا

وصل ہوجائے تو نالوں سے اماں پائے جہاں
مجھ پر احسان کرو ، خلق پر احساں ہوگا

لے چلا جوشِ جنوں کیوں مرے گھر سے مجھ کو
کیا خرابی میں سوا اس سے بیاباں ہوگا

جوش زن سینے میں یاں نالہ ، وہاں فکر ستم
آج دنیا میں عجب فتنہ نمایاں ہوگا

---

۱ - ''ہنجار سالک'' میں یہ شعر نہیں ہے ۔

مدّعا حشر کے ہونے سے ہے تیرا دیدار
واں بھی ہوگا کوئی جو داد کا خواہاں ہوگا

دل وہ کافر ہے کہ مجھ کو نہ دیا چین کبھی
بےوفا ! تو بھی اسے لے کے پشیماں ہوگا

دورۂ چرخ سے ہر شب کو ہے لازم اک دن
روزِ محشر کہیں روزِ شبِ ہجراں ہوگا

دلِ صد چاک پہ کیا کیا نہ بنے گی سالک
غیر جب شانہ کشِ کاکلِ جاناں ہوگا

(۳۲)

یاں وقتِ نزع چہرے سے کیا کچھ عیاں نہ تھا
حسرت تھی ایک یہ بھی کہ لب پر بیاں نہ تھا

یہ اور کون تھا جو ترا خستہ جاں نہ تھا
اک نعشِ بےکفن تھی ، کوئی نوحہ خواں نہ تھا

چڑھ جائے چاندنی سرِ دیوارِ قصر یوں
افسوس کوئے یار میں ، میں پاسباں نہ تھا

زانوں پہ رکھ لیا کہیں تم نے سرِ رقیب
اتنا بھی لاغری میں سر اپنا گراں نہ تھا

وعدے پر اس کو دیر ہو اک دم کی اور یوں
اے جان تو لبوں پہ رہی ، یہ گماں نہ تھا

---

۱ - مصرع ثانی ''ہنجار سالک'' (صفحہ ۱۳) میں اس طرح ہے :
''کوئی مردود ہی انصاف کا خواہاں ہوگا'' ۔
لفظ ''مردود'' تغزل کے خلاف تھا اس وجہ سے ''کلیات سالک'' کی اشاعت کے وقت سالک نے مصرع بدل دیا ۔

چشمِ خیال و بزمِ تصور میں غیر کی
ہم تو کہیں نہیں تھے مگر تو کہاں نہ تھا

صبر و سکون محال ، مگر ہو چکا تمام
بر میں نہ تھے وہ رات کو اور دل تپاں نہ تھا

اب کیا امید ہے کہ ہوئی زندگی عزیز
پہلے تو ہجر میں مجھے کچھ بیمِ جاں نہ تھا

کل کس قدر ہؤا میں سبک ان کی بزم میں[1]
بیٹھا ہؤا تھا اور عدو پر گراں نہ تھا

پیری میں آکے کھل گئیں آنکھیں سی کچھ مری
کیوں کر کہوں شباب کو خوابِ گراں نہ تھا

بیہودہ کی[2] ہیں نالۂ دل نے رسائیاں
کاشانۂ رقیب تو کچھ لامکاں نہ تھا

کیوں بے نشاں کہو مجھے بعد از فنا کہ میں
وہ زندہ تھا کہ ضعف سے میرا نشاں نہ تھا

پھونکے تھے مجھ میں خالق عالم نے چند صور[3]
کیا دم کے ساتھ ازل میں یہ شورِ فغاں نہ تھا

---

۱ - یہ شعر ''ہنجار سالک'' (صفحہ ۱۴) میں نہیں ہے -
۲ - ''کلیات سالک'' (صفحہ ۲۴) اور ''ہنجار سالک'' (صفحہ ۱۴) میں ''کیں'' ہے - قدیم املا تھا تبدیل کیا گیا -
۳ - صور : (ع) اسم مذکر ، : (۱) نرسنگھا ، بجانے کا سینگ ، ترئی ، بگل ، ترم ، تفیری ، قرنا - ۲ - وہ آواز جو حضرت اسرافیل محشر کے روز ایک دفعہ مار ڈالنے کے واسطے ، دوسری مرتبہ جلانے کے واسطے چالیس برس کے فاصلے سے نکالیں گے - (صفحہ ۲۲۸ ، جلد سوم فرہنگ آصفیہ) -

کہیے تو نور دیدۂ یعقوب کیا ہؤا
گر مصر تک چراغِ رہِ کارواں نہ تھا
مجھ ناتواں کو دیکھ کے حق نے دیا ہے ضعف
یعنی مجھے تحملِ تاب و تواں نہ تھا
بحرِ محیطِ گریہ نے میرے مٹا دیا
گویا کہ اسمِ دہر کبھی خاکداں نہ تھا
افسوس مرگِ سالکِ انصاف خواہ پر
دل میں ہزار زخم تھے ، تن پر نشاں نہ تھا

(۳۳)

جس میں نہ بہار آے وہ گلشن ہے ہمارا
کہتے ہیں جسے غم کدہ ، مسکن ہے ہمارا
ہم داغِ نہاں سینے سے کس طرح مٹاویں
ظالم یہ[1] چراغِ تہِ دامن ہے ہمارا
موقوف نہیں مجمعِ اغیار ہی پر کچھ
جو پاس تمھارے ہے وہ دشمن ہے ہمارا
عشرت نے دیا مژدۂ نومیدیِ جاوید
ہم سادہ دل اُس کے ہیں وہ پُرفن ہے ہمارا
گو راز کو دل سے بھی چھپایا مگر افسوس
مذکور سرِ کوچہ و برزن ہے ہمارا
جس طرح سے ادراکِ خلائق میں ہے عنقا
یوں دیدۂ عنقا میں نشیمن ہے ہمارا

---

۱ - اصل متن ''کلیات سالک'' (صفحہ ۲۵) میں ''ہر'' ہے ، ''یہ'' بہتر رہے گا -

دم بھر کے لیے جان نہ لے شوقِ اسیری
یہ خانۂ صیاد ، یہ گلشن ہے ہمارا
ہم بزمِ عدو اور ہی ہوگا کوئی شب کو
کیوں آنکھ ملا ، اب بھی غلط ظن ہے ہمارا
یوں حضرتِ ناصح ہیں ملامت گرِ وحشت
گویا نہ گریباں ہے نہ دامن ہے ہمارا
آنا ترے کوچے میں اجل کی ہے نشانی
ہم جی گئے اور شہر میں شیون ہے ہمارا
جب کام ہے اس سے تو کہیں حال بھی اس سے
گو جان چکے ہیں کہ وہ دشمن ہے ہمارا
برسائے ہیں وہ تیر کہ تیروں سے بھرے زخم
کیا تم کو غمِ خستگیِ تن ہے ہمارا
امت میں ہیں کس سرورِ کونین کی سالک
ہر قصر ارم میں پسِ مردن ہے ہمارا

(۳۴)

کچھ بھی جو روزِ حشر بڑھایا نہ جائے گا
قصہ تمام ہم سے سنایا نہ جائے گا
سو روز باز پرس اگر ہوں تو کیا ہمیں
پاسِ وفا سے دل دیکھایا نہ جائے گا
سیلابِ[1] گریہ گھر کا ہے دشمن اگر تو ہو
کیا اس کے دل میں ہے کہ بنایا نہ جائے گا

---

۱ - سیلابِ گریہ دشمنِ کاشانہ ہے تو ہو - (گلدستۂ انجمن ، صفحہ ۹)

کھایا ٹھے تیرے ہجر میں کھانے کی ہم قسم
اب کوئی داغِ تازہ بھی کھایا نہ جائے گا

جانا تو بزمِ غیر میں اے ضعف سہل ہے
پر کوئی فتنہ مجھ سے اٹھایا نہ جائے گا

دو اضطرابِ شوق کے طعنے وصال میں
کیا رنجِ ہجر ہے کہ اٹھایا نہ جائے گا

لانا جواب نامے کا اس کوچے سے محال
قاصد ارم میں جاکے پھر آیا نہ جائے گا

کیجے[1] نہ حسرتوں سے گراں بار اس قدر
ورنہ مجھے نظر سے گرایا نہ جائے گا

خط میں سلام لکھیے نہ مجھ کو رقیب کا
یہ حرفِ رشک بار اٹھایا نہ جائے گا

قاتل یہ جان لے ہمہ تن آرزو ہوں میں
مارا اگر مجھے تو جلایا نہ جائے گا

واعظ[2] ! ڈرا نہ شعلۂ نارِ جحیم سے
سوزِ دروں نہیں کہ بجھایا نہ جائے گا

---

۱ - یہ مصرع ''ھنجار سالک'' (صفحہ ۵۱) میں اس طرح ہے :
حسرت سے اس قدر نہ گراں بار کیجیے -

۲ - ''گلدستۂ انجمن'' ۱۲۸۴ھ (مطبع اکبری دہلی) مرتبہ عبدالکریم سے معلوم ہوتا ہے کہ ۶۷، ۱۸۶۸ع مطابق ۱۲۸۴ھ میں محمد کرم اللہ خاں اور محمد احسان الرحمان خاں کے مکان پر میر عبدالرحمان آہی (خلف میرحسین تسکین) شاگرد مومن کے اہتمام سے جو پہلا مشاعرہ ہوا اُس کی طرحی غزل ہے اور سالک شریک ہوئے - یہ مشاعرے گلدستہ

(باقی حاشیہ اگلے صفحے)

اُس در پہ لاغری سے نہ آیا نظر تو کیا
یہ نقش پسلیوں کا مٹایا نہ جائے گا

جاگے[1] مرا نصیب تو نقصاں نہیں فلک
یہ فتنہ تو نہیں کہ جگایا نہ جائے گا

اے چرخ کچھ کمی شبِ غم میں کہ غیر کا
منصب نہیں کہ تجھ سے گھٹایا نہ جائے گا

سالکؔ چراغِ پردۂ فانوس کی طرح
سینے میں داغ دل کو چھپایا نہ جائے گا

(۳۵)

گرہ لب پہ جو مدّعا ہوگیا
وہ دل میں مرے آبلا ہوگیا

سمجھتے ہیں وہ فرض اس کی شکست
مرا دل بھی عہدِ وفا ہوگیا

کہوں کیا نہ دیکھیں جو میری طرف
تغافل، شریکِ حیا ہوگیا

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ)
کی صورت میں طبع ہوئے تھے۔ ایک شعر عنجار سالک اور کاینات سالک میں نہیں ہے۔ سالک نے دیوان میں شامل نہیں کیا تھا۔ ملاحظہ ہو:

آخر دل و جگر ہے بس اب شعلۂ فراق
خاشاک کی طرح سے جلایا نہ جائے گا

(گلدستۂ انجمن، صفحہ ۹)

۱۔ جاگا (گلدستۂ انجمن، صفحہ ۹)

وہ کرتے ہیں سن کر ستم اور بھی
مرا نالہ شکرِ جفا ہوگیا

قیامت ہوئی اُس کی رفتار سے
یہ ہنگامہ ، ہنگامہ زا ہوگیا

بد و نیک کا اُن پہ کیا اعتراض
جو چاہا کیا ، جو کیا ، ہوگیا

شبِ وصل ہونے کی ہے یہ دلیل
شبِ ہجر سے دن سوا ہوگیا

اثر سب کھچا اُس کی گفتار میں
مرا نالہ بھی نارسا ہوگیا

وہ صورت ہے دل کش کہ اس ظلم پر
زمانہ ترا مبتلا ہوگیا

ملادے جگر کو بھی دل میں خدا !
کہ اب شوق حد سے سوا ہوگیا

غم و رنج و حرمان و اندوہ کو
مرا سینہ ملکِ بقا ہوگیا

محبت میں الزام کیا دل کو دوں
یہ گمراہ تھا ، مجھ کو کیا ہوگیا

ہجوم بلاِ ہائے ہجراں نہ پوچھ
تجھے کیا ، جو کچھ ہوگیا ، ہوگیا

''انا العشق[۱]'' کہنا نہ آیا مگر
کہ منصور ''انا الحق'' مرا ہوگیا

۱- یہ شعر ''کلیات سالک'' میں نہیں ہے - ''ہنجار سالک'' (صفحہ ۱۶)
(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

یہ تقویٰ جوانی میں سالک ، مگر
برے وقت میں پارسا ہوگیا

(۳۶)

جذبۂ شوق ہی بن جائے گا رہبر اپنا
جاؤ ، بس بس نہ بتا جاؤ مجھے گھر اپنا[1]

یہی جنگل ہے ، یہی پاؤں ، یہی راہ روی
یہی سودا ہے ، یہی کوہ ، یہی سر اپنا

کھوئے دن عمر کے آئینہ بنانے میں عبث
پہلے دل صاف کیا ، کیوں نہ سکندر اپنا

راز دیتے نہیں ہم ، دوست ہو[2] یا دشمن ہو
حال کہہ دیتے ہو تم غیر سے کیوں کر اپنا

برّشِ تیغ پہ کیا ناز ہے قاتل تجھ کو
سخت جانی مری اب کھولے[3] گی جوہر اپنا

ایک میری ہی پریشانیِ قسمت لکھ کر
تہ کیا ، کاتبِ تقدیر نے دفتر اپنا

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ)
میں ہے لیکن مصرعِ اولیٰ 'انا العش' ہے جو غلط ہے ۔ 'انا العشق' تصحیح قیاسی ہے ۔

۱۔ مصرعِ ثانی ''ھنجار سالک'' (صفحہ ۱۶) میں اس طرح ہے :
''جائیے آپ ، بتا جائیے مت گھر اپنا''

۲۔ ''ہو'' کلیات سالک (صفحہ ۲۸) میں کاتب کے سہو سے چھوٹ گیا ہے ۔ ''ھنجار سالک'' میں ہے ۔

۳۔ ''ھنجار سالک'' (صفحہ ۱۶) میں ''دکھلائے گی'' ہے ۔

رازِ دل گم شدگی بس کہ کسی پر نہ کھلا
خود کیا کرتے ہیں افسوس ہم اکثر اپنا

رنج کی بات سے آتی ہے کدورت دل پر
آئینہ بھاپ سے ہوتا ہے مکدّر اپنا

وہ نہ آتے تو مجھی پر کوئی بجلی گرتی
کچھ دکھانا تھا اثر آہ مقرر اپنا

یہ بھی عاشق ہے تجھی پر کہیں اے دہر فریب
مثل دشمن کے ہے برگشتہ مقدر اپنا

جب وہ چلتے ہیں تو ہر نقشِ قدم کہتا ہے
منہ[1] دکھا مجھ کو نہ اے فتنۂ محشر اپنا

واہ کس شان سے سالک کو نکالا تم نے
خوش رہو، ہم بھی لیے جاتے ہیں بستر اپنا

(۳۷)

انسانِ ہوس پیشہ سے کیا ہو نہیں سکتا
مجبور ہے اس سے کہ خدا ہو نہیں سکتا

وہ عقدہ مرے کام میں تقدیر نے ڈالا
جو ناخنِ تدبیر سے وا ہو نہیں سکتا

دہشت سے کوئی نام بھی لیتا نہیں ورنہ
اس بزم میں کیا ذکر مرا ہو نہیں سکتا

کیوں کر ہو حریصِ ستمِ عشق کی سیری
غم رزقِ مقدر ہے، سوا ہو نہیں سکتا

۱- ''ہنجار سالک'' (صفحہ ۱۷) میں مصرع ثانی یوں ہے:
منہ نہ دکھلا مجھے اے فتنۂ محشر اپنا

دل کیوں کہ خدنگِ نگہِ یار سے بچ جائے
یہ تیر قضا کا ہے خطا ہو نہیں سکتا

تمکیں سے نہ دیکھے جو کبھی آئنہ جھک کر
وہ مرتکبِ شرم و حیا ہو نہیں سکتا

ماتم زدہ کے ہاتھ سے گھبرا نہ شبِ وصل
عادت ہے کہ سینے سے جدا ہو نہیں سکتا

کہنے پہ چلے دل کے عبث یہ ابھی نہ جانا
گمراہ کبھی راہ نما ہو نہیں سکتا

ہے چال تری باعثِ آسودگیِ خلق
خجلت کے سبب حشر بپا ہو نہیں سکتا

یہ درد ہے تیرا ہی کہ ہے جان سے شیریں
ہر درد میں ظالم یہ مزا ہو نہیں سکتا

اے طائرِ جاں شکوۂ تکلیفِ قفس کیوں
کیا تو قفسِ تن سے رِہا ہو نہیں سکتا

غیرت ہے جو مجھ میں تو وہ کہتے ہیں سرِ بزم
پروانے سے جو کام ہؤا ، ہو نہیں سکتا

وہ غم زدہ ہنستے ہیں مری نعش پہ لیکن
دل خوش ہے کہ لب نوحہ سرا ہو نہیں سکتا

ہم[1] زمزمہ سنجِ ارنی بن نہیں سکتے
تو بام پہ کیا جلوہ نما ہو نہیں سکتا

---

۱ - یہ شعر ''کلیات سالک'' (صفحات ۲۸ ، ۲۹) میں نہیں ہے -
''خنجارِ سالک'' (صفحہ ۱۷) میں ہے -

میں اس قدر اوچھا تو نہیں ہوں کہ بھر آؤں
منصور نے دعویٰ جو کیا ہو نہیں سکتا
میں اس نگہِ ناز کا محکوم ہوں سالک
وابستۂ احکام قضا ہو نہیں سکتا

(۳۸)

خیال گزرے کہاں کہاں کا ، ارادہ ان کو ہو گر یہیں کا
نہ کچھ ٹھکانا مرے گماں کا ، نہ کچھ ٹھکانا مرے یقیں کا
نہ شوق مجھ کو ہے حورِ عیں کا ، نہ پاس واعظ ہے اپنے دیں کا
جو ذکر کرتا ہے گر یہیں کا ، سنا نہ جھگڑا کہیں کہیں کا
خرابِ کوئے بتاں ہے خلقت ، یہیں سے پاتے ہیں رنج و راحت
سپہر گردش میں کر نہ جرأت کہ دور آیا ہے اب زمیں کا
شہید ہونے کی یہ تمنا ، نہ دل سے نکلے گی دیکھ لینا
اٹھائے خنجر وہ ہاتھ میں کیا ، نہ بار سنبھلے جب آستیں کا
ہزار نالے زباں پہ لاتا ، ہزار محشر ابھی دکھاتا
شبِ جدائی اگر نہ آتا ، خیال اس چشم سرمگیں کا
نشانِ پائے عدو نے مارا کہ تیرے در پر نہیں گوارا
جھکے جو سجدے کو سر ہمارا ، مٹائیں لکھا ہؤا جبیں کا
کہوں مطالب سب اپنے جی کے یہ شرط کیجے کہ ہاں نہ کیجے
کہو نہیں پھر اسی طرح سے مجھے ہے سننا نہیں نہیں کا
جو پوچھے مجھ سا ہے کوئی بدنام ، کہو نہ احوالِ وصلِ دشمن
یہ میں نے مانا کہ تم ہو پُرفن علاج کیا چشم شرمگیں کا

---

۱ - یہ شعر ''کلیات سالک'' (صفحات ۲۸ ، ۲۹) میں نہیں ہے -
''ہنجار سالک'' (صفحہ ۱۸) میں ہے -

ملے گی محشر میں داد اب کیا ادائے مطلب میں ہوں میں الجھا
بیان پہلے ہی کیوں کیا تھا ، تمھارے گیسوئے عنبریں کا
بیانِ لطفِ عدو جفا ہے ، یہ تم سے سو بار کہہ دیا ہے
پھر اب کی سن لو نہیں رہا ہے ہمیں بھی ضبط آہِ آتشیں کا
عجب ہے سالک بھی رند مشرب کہ چھوڑ بیٹھا ہے ملتیں سب
نہ مانتا ہے کسی کا مذہب ، نہ ہے یہ پابند اپنے دیں کا

(۳۹)

منہ نہ کھلوا نہ تجاہل سے یہ کہہ ، کیا دیکھا
کیا کہیں بزم میں دشمن کی جو دیکھا ، دیکھا
جس نے اس برقِ تجلّی کو سراپا دیکھا
کہہ سکا ہوش میں آ کر نہ کبھی ، کیا دیکھا
وصل و ہجراں ہے زمانے کے تغیر پہ دلیل
یہ ہی کاشانہ گلستاں ، یہی صحرا دیکھا
آپ ہی کی ہے یہ تصویر کہ بول اٹھتی ہے
نقشِ مانی کو بھی ہم نے تو نہ گویا دیکھا
عشق وہ شے ہے کہ الکن کو بناتا ہے کلیم
تجھ سے نقصاں نہ کچھ اے اکنتِ موسیٰ دیکھا
یوں بھی کرتا ہے دمِ نزع عیادت کوئی
تم بھی اچھے ہو کہ بیمار کو اچھا دیکھا
بخت سو جاتے ہیں ، برسوں میں اگر نیند آئی
دیکھنے کو نہ کبھی خوابِ زلیخا دیکھا
بس یہی عشق ہے تم سے کہ شبِ وصل کا حال
ہم نے دشمن کو سنا کر بھی شکیبا دیکھا

روکتا ہوں مگر آنسوں نہیں تھمتے اب تک
تیرے بیمار کا احوال کچھ ایسا دیکھا

خم واژون فلک سے نہیں ملتا کچھ بھی
غیر نے کیوں کہ بھرا جامِ تمنّا دیکھا

جان کھونے کے بہت کام ، تہِ دل سے کیے
دشمنِ جاں کوئی اپنا سا نہ اپنا دیکھا

دیکھتے ہیں مری حیرت کو وہ حیراں ہوکر
صورتِ آئنہ بن کر یہ تماشا دیکھا

جاتے ہیں توبہ کو مسجد میں خدا خیر کرے
راستے میں درِ میخانہ اگر وا دیکھا ؟

وہی رونا ہے ، وہی گریہ ہے سالک تجھ کو
تندرستی میں بھی ہم نے تو نہ اچّھا دیکھا

(۴۰)

دل محبّت مکان ہے گویا
آرزو کا جہان ہے گویا

خاک میں مل چکے ہم اور اُس کو[1]
آج تک بھی گماں ہے گویا

میرے آزار دینے کو وہ شوخ
دوسرا آسمان ہے گویا

کھول دے منہ خُموں کے پیرِ مغاں
آج ہی امتحان ہے گویا

---

۱ - یہ شعر ''ہنجار سالک'' (صفحہ ۱۹) میں نہیں ہے ۔

پاؤں آگے نہ اٹھ سکے واں سے
اس گلی کا نشان ہے گویا

تیری تصویر کیوں نہ بول اٹھے
اس میں عاشق کی جان ہے گویا

تیرا چپ چپ یہ بیٹھنا سالک
اک طرح کا بیان ہے گویا

(۴۱)

میرا ہو آشیانہ اور آدھا جلا ہؤا
بجھ بھی گئی ہے آگ تو بجلی کو کیا ہؤا

مارا جو مجھ کو دوست نے، دشمن کو دو نوید
میں کیوں کہوں کہ مفت میں میرا بھلا ہؤا

ہنگامِ قتل، دیکھ تڑپتا ہؤا نہ چھوڑ
اے تیغِ یار دم سے ہوں تیرے لگا ہؤا

شورِ نشور سن کے عبث گور سے اٹھا
سمجھا تھا میں کہ یہ کوئی فتنہ بپا ہؤا

عاشق ہیں اس پہ رشک سے کہتے ہیں تو نہ مل
معلوم ناصحوں کا مجھے مدّعا ہؤا

کیا سیر ہو، بتا دے کوئی بت کدے کی راہ
جاتا ہوں راہ کعبے کی میں پوچھتا ہؤا

۱- "ہنجار سالک" (صفحہ ۱۹) میں بجائے "یہ" لفظ "پھر" ہے -

سالک کو وجد[1] سا ہے عذابِ جحیم میں
یاد آگیا کوئی ستم اُس کا[2] کیا ہوا

(۴۲)

جس قدر ضبط کیا ، اور بھی رونا آیا
یہ طبیعت نہیں آئی ، کوئی دریا آیا

کام کیا جذبِ تمنائے زلیخا آیا
کارواں بھی چہِ یوسف ہی پہ ہوتا آیا

کوچۂ یار میں آکر نہیں جاتا کوئی
یہ وہ جا ہے کہ یہاں جو کوئی آیا ، آیا

رات کیا جانیے کس طرح گذاری ہم نے
اپنے وعدے پہ شبِ وعدہ تو اچھا آیا

آگئے آج وہ اغیار کے بہکانے میں
نہیں معلوم بُرا وقت یہ کس کا آیا

کششِ شوق نے مجبور کیا ہے سو بار
میں تو واں جانے کی ہر بار قسم کھا آیا

ہاتھ دونوں نہ ہوے سینے سے اک جاے جدا
میں چمن میں دلِ ناشاد کو بہلا آیا

واں سے یہ شکل بنائے ہوے آیا قاصد
میں نے جانا مجھے پیغامِ قضا کا آیا

۱۔ ''کلیات سالک'' (صفحہ ۳۲) میں ''وحد'' سہوِ کتابت ہے اور غلط ہے۔
۲۔ ''کلیات سالک'' (صفحہ ۳۲) میں ''اُس کا کہ کیا ہوا'' میں ''کہ'' زائد ہے۔ ''ھنجار سالک'' (صفحہ ۲۰) میں نہیں ہے۔

ہم نے در پردہ بھی کی تیری برائی نہ کبھی
شکر کبھہ کر بھی نہ لب پر کوئی شکوا آیا

وعدۂ وصل پہ قسمیں تو نہ کھا عہد شکن
باور آیا مجھے ، بس ، اور تو آیا آیا

کبھہ اٹھا آج کہ اس بت کو خدا لا ے کہیں
شکر ھے لب پہ مرے نام خدا کا آیا

فتنے قدموں سے لگے رھتے ھیں گویا ھردم
آپ کیا آے کہ اک مجمع اعدا آیا

اشک آنکھوں میں بھرے، لب پہ فغاں، دامن چاک
جو تماشے کو گیا ، واں سے تماشا آیا

گریے کو ضبط کیا ، رک نہ سکے نالے آہ
ٹکڑے ھو ھو کے مرے منہ کو کلیجا آیا

جس نے دیکھا مجھے فریاد کناں واں سالک
رحم کیسا ، وہ برا مجھ کو ھی کہتا آیا

(۴۳)

مجھ کو مست شراب ھونا تھا
محتسب کو کباب ھونا تھا

کی رسائی مگر کہاں تاثیر
نالے کو آفتاب ھونا تھا

خون دل بہہ گیا تو کیا ، آخر
چشم کو کامیاب ھونا تھا

وهم تر دامنی کیا کیوں شیخ
غرق موج شراب ھونا تھا

اب نہ ترکِ ادب ہو بس صاحب
ہو لیا جو عتاب ہونا تھا
دل کے ناسور کو ٹپکنے میں
میری چشم پُر آب ہونا تھا
یہ بھی تقدیر کا لکھا سالک
نامہ بر کو جواب ہونا تھا

(۲۴)

رشکِ کلام ، باعثِ یاسِ خبر ہؤا
پیدا بہ صد تلاش جو اب نامہ بر ہؤا
خط میں رقم جو عالمِ مژگانِ تر ہؤا
طوفان کا گماں انھیں ہر فقرے پر ہؤا
ہے دوش بارِ فرق و کمر ہے وبالِ دوش
یہ ناتوانیوں سے نگوں اپنا سر ہؤا
ڈالا ہے کشمکش میں مجھے شوق و رشک نے
نادم بُلا کے میں تجھے اے نامہ بر ہؤا
خلقت کو یہ گماں ہے کہ خلوت عدو سے ہے
پردے کو تم اٹھاؤ کہ یہ پردہ در ہؤا
حالِ تباہ آئنہ ہے تیرے حسن کا
بے ہوش دیکھتے ہی مجھے چارہ گر ہؤا
وہ بھی سمجھ گئے کہ شب وصل ہوچکی
رنگِ شکستہ اپنا دلیلِ سحر ہؤا
سالک کو کر گیا ہو نہ وہ شوخ پائمال
ہنگامہ گرم کیا یہ سرِ رہ گذر ہؤا

(۴۵)

ہے اُس سے ملتے ہی اندیشہ جاں کے جانے کا
وگرنہ تھا مجھے کیا شوق دل لگانے کا

نہ لامکاں سے گری ، نخلِ سدرہ پر بجلی
مجھے خیال ہے واں آشیاں بنانے کا

ہمارے گھر میں قدم رکھے کیوں کہ وہ بے مہر
جسے خیال میں بھی قصد ہو نہ آنے کا

وہ نور جس سے نظر آئے بن ترے دیکھے
ہماری آنکھ میں ہرگز نہیں سمانے کا

کہاں سے لائے تم اک خم بھرا ہؤا سالک
بتاؤ قفل تو توڑا نہیں خزانے کا ؟

(۴۶)

شورِ نشور خوابِ عدم سے جگا گیا
کس کا خرامِ ناز یہ فتنہ اُٹھایا گیا

ضبطِ فغاں بھی راز کا پردہ اُٹھا گیا
میری خموشیوں سے وہ مطلب کو پا گیا

اک بار میرے سر سے جو اُڑ کر ہُما گیا
بختِ سیاہ سایہ فگن ہو کے چھا گیا

تھوڑے ہی دن ہوئے تھے کہ اندوہِ ہجرِ یار
یاں تک بڑھا کہ[1] عمر کی مدت گھٹا گیا

---

۱ - اصل متن ''کلیات سالک'' (صفحہ ۸۳) میں ''کی'' بے معنی ہے -
''کہ'' تصحیح قیاسی ہے -

صیّاد نے کہا تھا تجھے چھوڑ دیں گے ہم
بازو کو آج توڑ گیا ، جی چھڑا گیا

عاشق مزاجی اپنی یہ کچھ ، اُن کا حسن وہ
گزرا نظر سے جلوہ کہ دل میں سما گیا

کہتا ہے جوشِ یاس ، دعا سے حصول کیا
تقدیر کا بگاڑ تو جی پر بنا گیا

اُس کی نگاہ تھی ، کوئی آفت تھی ، قہر تھا
کیا تھا الٰہی سینے میں اک تیر سا گیا

پہلا سا نور چشمِ بصیرت میں اب کہاں
دل کیا گیا کہ ساغرِ گیتی نما گیا

کیفیتِ جواب نہ پوچھو کہ نامہ بر
بدلے جواب کے مجھے صورت دکھا گیا

ساقی نے کیا دکھا دیے خالی خم و سبو
پیمانۂ حیات ہی گویا بھرا گیا

دودِ فغاں ہے باعثِ آسائشِ جہاں
اب آسماں سے خوفِ نزولِ بلا گیا

اہلِ دیارِ عشق کی اُلٹی سمجھ تو دیکھ
جاتا ہے جب کہ دل تو یہ کہتے ہیں آ گیا

اب دیکھیے زمیں پہ ہوں کیا آفتیں بپا
انداز چرخِ پیر تمھارے اُڑا گیا

سالک نکل کے میکدے سے آ گئے کدھر
ساغر کو پھینکو ہاتھ سے ، بازار آ گیا

(۴۷)

گماں مجھ پر ہے اُس کو دادخواہی سے شکایت کا
قیامت ہو گیا حق میں مرے آنا قیامت کا

وہ اک جلوہ دکھا کر چل دیے کب کے مگر، اب تک
نظر نے سامنے رکھا ہے نقشہ اُن کی صورت کا

عجب کیا ہے بہا دے گر خس و خاشاکِ عصیاں کو
ہؤا ہے موج زن دریا مرے اشکِ ندامت کا

پسند اللہ کو کیا جانے کیا آجائے اے زاہد!
مجھے شرمِ گنہ، تجھ کو تکبر ہے عبادت کا

ہم اُن کو دیکھ کر ہوتے ہیں یاں تک محوِ نظّارہ
بھری محفل میں بھی ہم کو مزا آتا ہے خلوت کا

اتر جائے گلے پر رکھتے ہی یوں خنجرِ قاتل[۱]
اثر ہے یہ ہمارے جذبۂ شوقِ شہادت کا

عدم سے کیوں چلے آتے خراب آبادِ دنیا میں
ازل میں گر دکھا دیتے نوشتہ ہم کو قسمت کا

اسی سے تیرگی بختِ سیہ کی ہو گئی روشن
کہ یہ باعث ہؤا ہے ظلمتِ شب ہائے فرقت کا

بنایا ہے کرم کو بھی غضب، دشمن کی دہشت نے
ستم کرتے ہیں وہ جب جوش ہوتا ہے محبت کا

زمانہ رفتہ رفتہ آگیا چشمِ تصور میں
مزا جاتا رہا سارا ہمارے کنجِ عزلت کا

---

۱ - یہ شعر اور اس کے بعد والے چار شعر ''ہنجار سالک'' (صفحہ ۲۲) میں نہیں ہیں -

لہو پانی کیا رو رو کے تم نے ایک کیوں سالک
مٹاتے ہو کہیں گریے سے لکھّا اپنی قسمت کا

(۴۸)

غم سے بھاری ہی رہا قبر میں بھی دل میرا
نہ کھُلا بار، پہنچ کر سرِ منزل میرا
تم سے کس طرح کھلے عقدۂ مشکل میرا
کچھ سرانگشتِ حنابستہ نہیں دل میرا
دل بغل میں نظر آتا نہیں اک مدت سے
کہوں کس منہ سے کہ رکھتے نہیں تم دل میرا
جان کر کشتہ چلے وہ، مری شامت دیکھو
آپ کہتا ہوں کہ جانا ہے یہ قاتل میرا
میں کروں نالہ[1] اور آفت نہ ہو برپا، کیا خوب
دیکھ لیں آپ ابھی دعویٔ باطل میرا
کس ستم گر سے ہے امیدِ حصولِ مطلب
نہیں اندیشۂ تحصیل میں حاصل میرا
کیوں نہ اغیار کی گردن پہ ہو چلنا دشوار
یہ بھی کیا حلق ہے اے خنجرِ قاتل میرا
سب خبردار ہوے، رنجِ قفس سے صیّاد
شور سن سن کے گلستاں میں عنادل میرا
نیند اڑنے سے بڑھا لطفِ شبِ وصلِ عدو
ہاے پہنچا ہے کہاں شورِ سلاسل میرا

---

۱ - ''اور'' بر وزن فع -

کیوں مرے گریے کا رونا ہے تجھے اے ناصح
چشمِ خوں بار ہے میری جگر و دل میرا
زورق انداز ہوں اس بحر میں سالک جس میں
نام ہرگز نہیں لیتا ، لبِ ساحل میرا

(۴۹)

چرخ کو وہمِ سکوں ہے پسِ مردن کیسا
خاک میں گھر کو ملایا ہے تو مدفن کیسا
یہ بھی تیرِ نگہِ ناز کی تاثیر ہے کیا
پڑ گیا آپ کے دروازے میں روزن کیسا
بھڑک اٹھا ہے کوئی داغِ نہاں کیا دل میں
آج جل بجھنے کو یہ خانہ ہے روشن کیسا
مژدۂ نزع مرا غیر سے شب کو سن کر
صبح کو پوچھتے ہیں آج ہے شیون کیسا
ہم سے مجروح ، دل افگار کہاں دیکھے ہیں
حیرتی بن کے رہا دیدۂ سوزن کیسا
زخم دے دے کے نمک سیروں ہی چھڑکا جس نے
پھر ہے اس سے گلۂ خستگیِ تن کیسا
سخت جانی کا ہمیں بھی ہے نہایت دعویٰ
دیکھیں قاتل کی ہے شمشیر کا آہن کیسا
ایک ہم ہیں کہ جسے دوست بنایا نہ بنا
ایک دنیا سے ملا رہتا ہے دشمن کیسا
جن سے بے پردہ ملا تو نہ کبھی رشکِ قمر
داغ لے جائیں گے دل میں پسِ مردن کیسا

ہم نہ کہتے تھے کہ باز آؤ ستم سے اب بھی
اب ہے یہ شکوۂ آہِ شرر افگن کیسا
بات کی اس سے کہ سو نالۂ موزوں کھینچے[1]
سالکِ تفتہ دروں بھی ہے جلا تن کیسا

(۵۰)

یہ کیا لطف شورِ فغاں رہ گیا
زمیں رہ گئی ، آسماں رہ گیا
ابھی نامہ بر کو روانہ کیا
ابھی کہہ رہا ہوں ، کہاں رہ گیا
ترے لطف نے کی یہاں تک کمی
جو پہلے یقیں تھا ، گماں رہ گیا
ملے خاک میں یوں کہ مشہور ہے
مٹے یوں کہ مٹنا نشاں رہ گیا
وہی گردشیں ہیں وہی چال ہے
ستم کون سا آسماں رہ گیا
رہی آشنائی فقط نام کی
وہ نام آشنائے زباں رہ گیا
میں واماندہ اور[2] کہہ رہا ہے جرس
رہا جو پسِ کارواں ، رہ گیا

---

۱ - اصل متن ''کلیات سالک'' (صفحہ ۳۷) میں ''کھنچے'' ہے - مصرع ساقط الوزن تھا ، تصحیح قیاسی کی گئی -
۲- ''اور'' بر وزن فع -

مرا نالہ برقِ جہاں سوز ہے
اگر یوں ہی آتش فشاں رہ گیا
بہت دور پہنچیں نگاہیں ولے
وہ پردے میں اب بھی نہاں رہ گیا
یہ کاہل ہوں سالک غمِ ہجر سے
وہیں کا رہا میں، جہاں رہ گیا

(۵۱)

یہ نالہ شب کو جس پر شعلہ زن تھا
سحر دیکھا تو وہ بیت‌الحزن تھا
جواب اُس سے لیا کل مدّعا کا
ہمارا ہی یہ اعجازِ سخن تھا
شبِ وعدہ تڑپ کر ہم نے کاٹی
بھی پیماں اے پیماں شکن تھا؟
اکھیڑوں دم میں شارستانِ[1] خسرو
جو یوں ہی مر گیا وہ کوہ‌کن تھا
کبھی رہتے تھے ہم بھی اُس گلی میں
کبھی جنت بھی آدم کا وطن تھا

---

۱ - مؤلف فرہنگ عمید (صفحہ ۷۸۸) کے بہ قول شہرستان یا شارستان اور شارسان بڑے شہر یا اُس کے توابع کے معنی میں استعمال ہوتا ہے - صاحب قاطع برہان کا بیان ہے کہ شارستان بروزن نارستان بہ معنی شارسان ہے جو شہر اور شہرستان ہے اور ایرانی حکیم فرزانہ بہرام کی کتاب کا نام ہے، اور اُس محل اور عمارت کو بھی کہتے ہیں جس کے گردا گرد باغات ہوں - (برہان قاطع، صفحہ ۲۳۲)

کروں گا تنگ آ کر ، اب کے وہ آہ
کہیں گے لوگ یاں چرخِ کہن تھا ؟
نہ پوچھو رخصتِ جاناں کی ساعت
شبِ اندوہ تھی ، روزِ محن تھا
کہاں تم اور[1] کہاں اغیار ، سچ ہے
نہ غصے ہو ، یہ میرا سوئے ظن تھا
نہ مرتا کس طرح فرہاد سالک
فلک پہنے لباسِ پیرزن تھا

(۵۲)

کب عکس پذیرِ رخِ دلبر نہیں ہوتا
طالع میں کب آئینہ سکندر نہیں ہوتا
مرنے میں بھی مختار نہیں عاشقِ مہجور
سم بھی تو ضرورت پہ میسّر نہیں ہوتا
سو بار کیا ہے دلِ بے تاب نے جھوٹا
آ جاتے ہیں جب وہ تو یہ مضطر نہیں ہوتا
کیا شے ہے محبت بھی کہ کُل کرتی ہے جز کو
آنسو کب ان آنکھوں میں سمندر نہیں ہوتا
کہلاتے ہو کیوں وعدہ فراموش جہاں میں
آ جاؤ کہ میں آپ میں اکثر نہیں ہوتا
کیا دوست کہ یوسف کے زمانے سے ہے ثابت
دنیا میں برادر بھی برادر نہیں ہوتا

---

۱ - ''اور'' بروزن فع -

اے بحرِ گنہ، جوش سے کیا فائدہ آخر
اک تار بھی دامن کا مرے تر نہیں ہوتا

مے خانۂ توحید کے سرمست ہیں جو لوگ
واں رہتے ہیں جس بزم میں ساغر نہیں ہوتا

کھائیں نہ غمِ ہجر اگر ہم تو کریں کیا
معدوم کبھی رزقِ مقدر نہیں ہوتا

گویا کہ وہ ہوتے ہی نہیں انجمن آرا
جس بزم میں ہنگامۂ محشر نہیں ہوتا

جب کام پڑا ہے مجھے تسلیم و رضا سے
پھر چرخِ ستم گر بھی ستم گر نہیں ہوتا

سالک کوئی تدبیر محبت میں بنے کیا
تقدیر کا لکھا بھی تو اکثر نہیں ہوتا

(۵۳)

سرِ غیر اور ہاتھ قاتل کا
کیوں نہ بسمل ہوں رشکِ بسمل کا

ماجرا اس سے جان لے دل کا
کہ تلاشی ہوں زہرِ قاتل کا

میں ستم کش نہ ہوں تو حال کھلے
غیر کے ادعاے باطل کا

غرق ہونے کو جانتا ہوں نجات
ورنہ لینا ہے سہل ساحل کا

دیدۂ حسرتِ رہائی ہے
حلقہ حلقہ مری سلاسل کا

تیغ کھچتی[1] ہے واں نزاکت سے
دم یہاں کھچ رہا ہے بسمل کا

راہ گم کردہ ہوں چلوں جتنا
بُعد ہوتا ہے مجھ سے منزل کا

جس پہ گرنے کو ہے وہ برقِ نگاہ
وہی خرمن ہے میرے حاصل کا

طبع دقت پسند ہے اُن کی
جو مرا کام ہے سو مشکل کا

تیز چلتی ہے سخت جانوں پر
دم نہ چڑھ جائے تیغِ قاتل کا

ضعف میں خط لکھوں آسے اے شوق
تو مددگار ہو انامل[2] کا

جس طرف جائے ناقۂ لیلیٰ
چشمِ مجنوں گذر ہے محمل کا

سر گرانی ہے اور سر پر چرخ[3]
بار گویا ہے پائے در ِگل کا

کیوں انا الحق سرا بنے سالک
کون پرساں ہے حق و باطل کا

---

۱ - ''کلیات سالک'' (صفحہ ۳۹) میں ''کھنچتی'' ہے اور ''ہنجار سالک'' (صفحہ ۲۴) میں ''کھچتی'' -

۲ - انامل : ع (بہ فتح ہمزہ و کسر میم) - سرانگشتاں ، جمع انملہ - (فرہنگ عمید ، صفحہ ۱۸۷) -

۳ - یہ شعر ''ہنجار سالک'' (صفحہ ۲۴) میں ہے -

(۵۴)

مجھ پہ احسان ہے جذبۂ دل کا
ہاتھ اوچھا پڑا نہ قاتل کا

مانعِ شورِ نالہ ہے ناصح
خامشی ہے جواب جاہل کا

غیر سے بے وفا ! ترا کُھلنا
ہو گیا عقدہ میری مشکل کا

مر چکا تم پہ کیوں ہوں طالبِ مرگ
رنجِ تحصیل کیوں ہے حاصل کا

غیر پر کیوں حوالے کرتے ہو
تم سے کہتا ہوں ماجرا دل کا

قیس ہی کی ہے کثرتِ انظار
کھل گیا آج پردہ محمل کا

نظر آتا ہے سب کچھ اور ہے ہیچ
محوِ حیرت ہوں نقشِ باطل کا

شہدا کے لیے ہے عمرِ ابد
دمِ شمشیر ، دم ہے بسمل کا

ہو چکے حشر بھی کہ باقی ہے
ایک ارمان ہے یہ مرے دل کا

آشنا بحرِ عشق میں ہوں اور
قصد ہے مثلِ موج ساحل کا

میرا چلنا ہے ضعف میں چلنا
ناتوانانِ پائے در گِل کا

بیٹھے چلتے ہیں رہ روانِ عدم
ہر نفس میں ہے لطف منزل کا

نالہ آہن گداز ہے میرا
ڈر جنوں میں نہیں سلاسل کا

کہتے ہیں ہر کمال کو ہے زوال
مجھ کو رونا ہے سعیِ کامل کا

مر گیا قیس دشت میں سالک
ساتھ تھا یہ بھی ایک منزل کا

(۵۵)

عمر بھر تیری گلی سے نہیں باہر ہونا
خاک ہونا مگر اس خاک میں مل کر ہونا

کھیل ہر بات میں ہے فتنۂ محشر ہونا
اور ابھی سیکھتے ہیں آپ ستم گر ہونا

اس نے جانا شبِ ہجراں کے بیاں کو مضموں
ہو گیا قہر مرے حق میں سخن ور ہونا

تم اگر در پہ جگہ دو تو زمانہ آ جائے
کس کو منظور نہیں آج سکندر ہونا

میرے کوچے سے گذر جائے عدو دیکھوں تو
یہ بھی سمجھا ہے مگر دل میں ترے گھر ہونا

تیرے بیمارِ غمِ ہجر کا احوال ہے یہ
کہ تصور میں عدو کے نہیں بدتر ہونا

عجز ہی تھا کہ سلیماں کو بڑھایا یاں تک
ورنہ اک مور کا مشکل ہے مسخّر ہونا

غم[1] سے پوچھا ہے اگر داورِ محشر احوال
چاہیے حشر کئی روز مقرر ہونا

تجھ سے بےرحم پہ کیوں کر کوئی شیدا ہو جاے
ظالم آساں نہیں برگشتہ مقدّر ہونا

نامہ شہپر کی جگہ کام دے اے ہمتِ شوق[2]
چاہیے قوتِ بازوے کبوتر ہونا

عشق کس دشت خطرناک میں لایا کہ جہاں
اپنے رہبر کا مجھے چاہیے رہبر ہونا

آپ آجائیں مجھے چین نہ ہوگا یوں بھی
لطف دشوار ہے حسرت کے برابر ہونا

صبر سے سہل گزر جائیں گے دن ہجراں کے
سالک انسان کو لازم نہیں مضطر ہونا

(۵۶)

ہزار وعدے کیے ہیں تم نے ، کبھی کسی کو وفا نہ کرنا
چلو اسی پر جو غیر کہہ دیں ، کہیں ہمارا کہا نہ کرنا

اگر نہ سنتے ہوں بات میری ، تو صبر آ جاے جی کو میرے
ستم ہے اُن کا خموش رہنا ، غضب ہے سن کر سنا نہ کرنا

خوشی ہے اُن کو یہ جانتا ہوں مگر میں رکھنے کو بات اپنی
کہوں یہ اُن سے کہ بعد مردن تم آکے ماتم مرا نہ کرنا

---

۱ - ''ہنجار سالک'' (صفحہ ۲۴ ، ۲۵) میں مصرع اول اس طرح ہے :
''ایک دن میں دلِ ہنگامہ طلب کیا پہلے''
۲ - ''ہنجار سالک'' (صفحہ ۲۵) میں ''ہمت اے شوق'' ہے -

وہ جانیں عشق و ہوس کو جب تک حیات دشمن کی ہے غنیمت
بڑھے گی اس سے ہی قدر اپنی کہ غارت اُس کو خدا نہ کرنا

سبب مرض کا ہے ترکِ عادت، یہاں ہیں درد و الم آکے خوگر
یہی سمجھنا دوا ہماری کہ چارہ سازو دوا نہ کرنا

اگر ہے آنا تو اب بھی آؤ، نہ تنگ آ کر وہ کچھ کریں ہم
کہ جس کو سن کر کہے زمانہ کیا وہ[1] اُس نے جو تھا نہ کرنا

یہ ایک مدت کی ہے توقع، مٹا نہ دینا الٰہی اس کو
اگر ہے منظور پاس اُس کا، ظہور روزِ جزا نہ کرنا

ہمیں تو مرنا ہے آخر اک دن، تمہارے سر ہو کے مر رہیں گے
ستائے جانا تمہیں قسم ہے، کمی نہ کرنا، خطا نہ کرنا

بتا رہے ہیں فلک کو دشمن، وہ منتقم ہے، کرے جو چاہے
اٹھے ہوئے ہیں جو ہاتھ اپنے، تصور اس کو دعا نہ کرنا

کہیں عدو کی برائیاں کیا، ملے ہو اُس سے، ملو ولیکن
جتائے دیتے ہیں اس لیے ہم کہ ہم سے آ کر گلا نہ کرنا

لبوں پہ رہنا کہ جب تک امیدِ آمد اُس کی ہے مجھ کو باقی
کرے نہ وعدہ وفا اگر وہ تو مجھ سے اے جان وفا نہ کرنا

یہیں ہو اپنا سا حال دشمن، ملے نہ دوزخ، بلا سے اُس کو
نہ نکلے جب تک یہ حسرت اپنی، الٰہی محشر بپا نہ کرنا

حیا کا پردہ ہے ورنہ تم تو، ہوئے پشیمانِ جنگِ دشمن
نہیں ہو فکرِ مصالحت میں تو ہم سے مل کر حیا نہ کرنا

سہیں گے جو کچھ پڑے گی ہم پر، بلا میں پھنستے ہو کس لیے تم
اگر ہے منظور خیر سالک تو ذکر اُن سے مرا نہ کرنا

---

۱ - نسخۂ ''کلیات سالک'' (صفحہ ۴۲) میں ''جو'' ہے لیکن ''ہنجار سالک'' (صفحہ ۲۵) میں ''وہ''۔

(۵۷)

دم دے کے تیرا عاشقِ ناشاد رہ گیا
جور، اب بھی کوئی اے ستم ایجاد رہ گیا

مٹ جائے گا خیالِ ارم ایک روز میں
تیری گلی میں آکے جو شداد رہ گیا

تاب و تواں کے ساتھ ھی جاتا تو خوب تھا
بے تاب رہنے کو دلِ ناشاد رہ گیا

خوبیِ دروغِ مصلحت آمیز کی ھے سب
بد نام ایک تیشۂ فرھاد رہ گیا

اے کاش بھولتا کہ وھی ھے بنائے غم
جو لطفِ بزمِ یار مجھے یاد رہ گیا

دم بھر کو آگیا ھے خیالِ وفا اسے
کیوں چلتے چلتے خنجرِ فولاد رہ گیا

اے نالہ! پائمالِ ستم ھم تو ھوگئے
تو ڈھونڈھتا ھی چرخ کی بنیاد رہ گیا

سالک وہ اھل دل ھیں کریں گے وفا ضرور
وعدہ کیا ھؤا جو کوئی یاد رہ گیا

(۵۸)

نہ پوچھو کہ نظروں سے گزرا ھے کیا کیا
ان آنکھوں نے کیا جانے دیکھا ھے کیا کیا

شبِ وصل کہتے نہیں حالِ دشمن
وہ بے پردہ ھیں اور پردا ھے کیا کیا

خوشی سے نہ کچھ کہہ سکوں گا قسم لو
اگر پوچھیے گا ، تمنّا ہے کیا کیا

زباں تھک گئی جس کے شکرِ جفا میں
وفا کا مری اُس کو شکوا ہے کیا کیا

رہیں یوں ہی گر وصل کی گفتگوئیں
شبِ ہجر بھی عشرت افزا ہے کیا کیا

مری جان اٹکی ہوئی ہے کسی میں
اجل کا الٰہی تقاضا ہے کیا کیا

کہاں تک کیے جاؤں تکرارِ احوال
جو تم سن چکے ہو تو بے جا ہے کیا کیا

تماشا گہِ دہر میں سیر کیسی
تماشا بنے خود تماشا ہے کیا کیا

ہزاروں تمنائیں اور[1] ایک دل ہے
چمن سے مرے دیکھ اُگتا ہے کیا کیا

بہت کاسۂ سر گئے ہم سے روندے
مگر سر میں اب تک بھی سودا ہے کیا کیا

خبر کیا ہے اسرار قدرت کی سالک
کہ پوشیدہ کیا کیا ہے پیدا ہے کیا کیا

(۵۹)

سودا جو ستانے کا یہی سر میں رہے گا
تاحشر فلک آپ بھی چکّر میں رہے گا

اک زلزلہ ہر وقت جب اس گھر میں رہے گا
وہ کیوں کہ ہمارے دلِ مضطر میں رہے گا

۱ - ''اور'' بروزن فع -

کہتے ہیں فلک کو ہے فنا ، حشر کو نالہ
کیا تو بھی اسی گنبدِ بے در میں رہے گا

جائے گا تصور تری مژگاں کا نہ دل سے
یہ بال ہمیشہ مرے ساغر میں رہے گا

کہتا ہے شبِ وعدہ یہ مجھ سے دلِ بے تاب
کانٹا کوئی اس گل کے عوض بر میں رہے گا

دیکھے گا مرا گریہ جو طوفانِ گزشتہ
کشتی کی طرح آپ بھی چکّر میں رہے گا

پامال کیا ہم کو نہ تو نے تو ہوا کیا
مر کر بھی دم اپنا تری ٹھوکر میں رہے گا

عاشق کو تو ہنگامہ ہے درکار کہیں ہو
جائے گا ترے در سے تو محشر میں رہے گا

قاتل مجھے کیوں قتل کیا جرمِ وفا پر
اس خون کا دھبّا ترے خنجر میں رہے گا

اے پیرِ مغاں مجھ کو نہ بے ہوش سمجھنا
قطرہ کوئی جب تک خم و ساغر میں رہے گا

یاد آئے گی سالک مری آشفتہ مزاجی
چرچا مرے مر جانے کا اکثر میں رہے گا

(٦٠)

غیر یوں اُس سے مرے بعد گلا کرتا تھا
وہ ستم سہنے میں کیا جانیے کیا کرتا تھا

طول سا طول ہے اے کاتبِ تقدیر مگر
آج تک تیرا نوشتہ ہی لکھا کرتا تھا[1]

شکوہ سنج آپ کیا ، ہجر بتوں کا دے کر
ورنہ راضی تھے ہم اس میں جو خدا کرتا تھا

کیا کہوں کچھ دلِ وابستہ کا احوال نہ پوچھ
شب کو وا کوئی ترے بندِ قبا کرتا تھا

کیا عجب ، گر نہ رہی بات میں پہلی تاثیر
بھول کر آج عدو ذکر مرا کرتا تھا

وہی میں ہوں ، وہی بے چارگی و مظلومی
تیری حسرت عبث اے روز جزا کرتا تھا

میں کروں شکوہ تو غیر اُن کو سنائے[2] قصے
تا وہ سمجھیں کہ یہ پہلے بھی ہؤا کرتا تھا

مجھ سے ہی پوچھتے ہیں در سے اُٹھا کر ہے ہے
کس تجاہل سے کہ یاں کون رہا کرتا تھا

کم نہیں زندگیِ خضر سے کچھ نامِ نکو
کیوں سکندر ہوسِ آبِ بقا کرتا تھا

مقتل اس ضعف میں یوں مجھ سے ہو رنگیں لیکن
قتل کے نام سے کچھ خون بڑھا کرتا تھا

---

۱ - ''ھنجار سالک'' (صفحہ ۲٦) میں یہ مصرع قدرے تبدیلی سے اس طرح ملتا ہے : ''آج تک میرا نوشتہ بھی لکھا کرتا تھا''
۲ - ''ھنجار سالک'' (صفحہ ۲٦) میں ''سنائیں'' ہے ۔

نہیں اک بار بھی اب سننے کی طاقت دل میں
پہلے سو بار ترا نام لیا کرتا تھا

غیر کی جنبشِ لب پر نگراں ہے وہ شوخ
جو مرا قصۂ غم روز سنا کرتا تھا

خوگرِ ظلم ہؤا ہوں تو بہ ظاہر ہے کرم
ورنہ کچھ چرخ سے بڑھ کر وہ جفا کرتا تھا

دیکھنے جاؤں انھیں انجمنِ غیر میں کیا
وہی جلوہ ہے جو آنکھوں میں رہا کرتا تھا

ہوگئی نزع میں اب میری زباں بند تو کیا
پہلے میں یاس سے کس روز دعا کرتا تھا

جان یوں سہل دی فرہاد نے عاشق ہوکر
پہلے اقبال بھی اللہ عطا کرتا تھا

یہ جو صحرا سے مرے بچ کے الگ جاتا ہے[1]
ہے وہی خضر جسے راہ نما کرتا تھا

تھا وہ سالک کہ درِ کعبہ پر اک بے چارہ
سر جھکائے ہوئے روتا تھا ، دعا کرتا تھا

(٦١)

بتوں کی بزم کہ کوئی نہیں جہاں اپنا
خدا کو کرکے چلا ہوں نگاہ باں اپنا

پسند ہجر میں کیوں ہے زیانِ جاں اپنا
کہ ہم عدو کو بناتے ہیں راز داں اپنا

---

۱ - یہ شعر ''ہنجار سالک'' (صفحہ ۲٦) میں ہے - ''کلیات سالک'' (صفحہ ۳۵) میں نہیں -

جو ہم صفیر سنیں کچھ بھی سرگذشت مری
کوئی چمن میں بنائے نہ آشیاں اپنا

یہ ضبطِ راز ہے یا رعبِ حسن ہے کیا ہے
وہ پوچھیں اور نہ ہو مجھ سے کچھ بیاں اپنا

زمینِ کوچۂ جاناں ہے آسمانِ بلا
ذرا سمجھ کے بنا گھر رقیب واں اپنا[1]

حقیقت اپنی ہوں بھولا ہؤا کہ مدت سے
مری نظر میں نہیں جسمِ ناتواں اپنا

ندامت اس کو ہو کیا سن کے اپنے جور و ستم
جو بار بار کرے فخر سے بیاں اپنا

گرے ہیں چشمِ خلائق سے خاک ہو کر ہم
ستم سے تم نے کیا کس طرح جہاں اپنا

یہ نہ سپہر نہ ہوں سدِ راہ اگر اپنے
تو کیا بتائیں کہ منظر بنے کہاں اپنا

رقیب کھائے اگر زہر، جالنا عاشق
تم ایک شب تو کرو ہم کو میہماں اپنا

جہاں تک آئے نظر رہ زنِ فلک تجھ کو[2]
مقام کیجو نہ سالارِ کارواں اپنا

لگائے بیٹھے ہو بستر مگر کہیں سالک
سمجھ لیا درِ دلدار کو مکاں اپنا

---

۱ - ''ھنجار سالک'' (صفحہ ۲۷) میں مصرع اس طرح ہے :
''نہ گھر بنائیو اے غیر تو وہاں اپنا''

۲ - ''کلیات سالک'' (صفحہ ۳۶) میں یہ شعر نہیں ہے - ''ھنجار سالک''
(صفحہ ۲۷) میں ہے -

(۶۲)

جوش ہے دل سے لبوں تک نالۂ پُر شور کا
پھر مرے سینے میں ماتم ہے دلِ مغفور کا

کیا بیاں ہو اس شبستانِ سراسر نور کا
چھپ گیا جس میں چراغِ صبح گاہی طور کا

شرم سے گردن نہیں خم ، بار عصیاں دیکھیے
بوجھ بڑھتا ہے تو جھک جاتا ہے سر مزدور کا

خوگرِ اندوہِ ہجراں ہوں ، شبِ عشرت مجھے
غم سے بہلانا پڑا ہے خاطرِ مسرور کا

چادرِ گل قبر پر ہے پھول بستر پر نہیں
ہے شبِ مہتاب میں عالم چراغِ گور کا

پڑ گیا جو زخم آنکھوں کی طرح بہنے لگا
مل سکے دل میں پتا کیا اوّلیں ناسور کا

مے ملا لوں کچھ سیاہی دوڑنے کے واسطے
وصف لکھنا ہے کسی کی نرگسِ مخمور کا

تارے آتے ہیں نظر ، روزِ سیاہ ہجر میں
تیرہ روزی رنگ لائی ہے شبِ دیجور کا

ہاتھ آ جائے جو مجھ کو تیرگی ظلمات کی
چاند سمجھوں اس کو میں اپنی شبِ دیجور کا

کوے جاناں سے نکل کر اس طرح آتے ہیں ہم[۱]
جس طرح کوئی تھکا آئے کہیں سے دور کا

---

۱ - یہ شعر ''ہنجار سالک'' (صفحہ ۲۱) سے لیا گیا - (مرتب)

آگیا پاس سخن واں ہم کو بھی ہوگا جواب
کیوں نہ موسیٰ سے کیا پہلے ارادہ طور کا

تنگیٔ[1] کاشانہ کا میری نہ سالک حال پوچھ
یاں ہے اک دھوکا سا دروازے پہ چشمِ مور کا

خود نہیں آتے دکھاتے ہیں عدو کو دور سے
وہ جنازہ جا رہا ہے سالکِ مہجور کا

(۶۳)

کام آگیا جنوں بھی عشّاقِ خستہ تن کا
ہر زخم پر ہے پھاہا اپنے ہی پیرہن کا

باعث ہے لاکھ غم کا موجب ہے صد محن کا
ہے قہر یاد رہنا لطف اُس کی انجمن کا

تیغوں پہ تیغ کھائی تیروں پہ تیر برسے
اب امتیاز کیا ہے زخمِ نو و کہن کا

کیا ہو غمِ اسیری نظروں میں ہے گلستاں
مجھ سے قفس میں پوچھو عالم چمن چمن کا

خوش خوش وہ سن رہے ہیں تنگیِ دل کا شکوہ
گویا کہ کہہ رہا ہوں وصف اُن کے ہی دہن کا

اب جا بہ جا سے شق ہے سنگِ مزار اپنا
آخر ہؤا نہ ہم سے ضبط آہِ شعلہ زن کا

نکلا ہوں جس طرح سے ہے دل پہ نقش ورنہ
غربت میں یاد آنا دشوار تھا وطن کا

---

۱ - یہ مقطع ''ھنجار سالک'' (صفحہ ۲۱) سے لیا گیا - (مرتب)

جوشِ جنوں ہے یارب یا فرطِ ضعف ہے یہ
جو تار رہ گیا ہے ، اک بار ہے بدن کا
مطلب ہے مدّعا ہے گویا مرا نکلنا
ہوں انجمن میں تیری محسود انجمن کا
بیکاریِ جنوں میں ہو شغل ہی بلا سے
رتبہ گھٹا کے میرا ، لو کام کوہ کن کا
کوے بتاں میں جانا یوں بار بار کیا ہے
اپنی جگہ پہ سالک پتھر ہے لاکھ من کا

(٦۴)

یوں بھی ہوتے ہیں خوار کیا کہنا
اے دلِ ہرزہ کار کیا کہنا
بزم دشمن کا من رہے ہو حال
پھر بھی آنکھیں ہیں چار کیا کہنا
دے کے سو طرح کے مجھے آزار
ہیں وہ بیمار دار کیا کہنا
ہوے مہمانِ غیر وہ کب کے
میں ہوں اور[۱] انتظار کیا کہنا
شوق بن کر وصال میں بھی رہا
واہ اے اضطرار کیا کہنا
اے وفا ! خُو بگاڑ دی آن کی
ستم آموزگار کیا کہنا

---

۱ - ''اور'' بر وزن فع -

آسماں کتنی دور ہے اے آہ
تو ہے عنقا شکار کیا کہنا

کر لیے سیکڑوں ہی اپنے سے
چشمِ بیمارِ یار کیا کہنا

مجھ کو اغوائے غیر سے مارا
اب ہوئے شرمسار کیا کہنا

تجھ پہ مر کر بھی ہم نہیں مرتے
عیسیِ روزگار کیا کہنا

روزِ محشر کی صبحِ اول ہے
اے شبِ انتظار کیا کہنا

ہاتھ جب تک رکے نہ قاتل کا
لب پہ ہے بار بار کیا کہنا

قطع امیدِ زندگانی کی
واہ شمشیرِ یار کیا کہنا

ضبط اس بزم میں کیسے نالے
صبر پر اختیار کیا کہنا

بن گیا نامہ ایک دفترِ شوق
پھر بھی ہے اختصار کیا کہنا

میں اگر کوہ کن بنوں تو ابھی
بول اٹھے کوہسار کیا کہنا

دم میں اس کو سے نکلے دم میں گئے
سالکِ ہرزہ کار کیا کہنا

(٦٥)

کیا پوچھتے ہو حال شبِ انتظار کا
وعد اورا آپ جیسے تغافل شعار کا

آہ زمانہ سوز کو مانع ہے یوں وہ شوخ
گویا شریک ظلم میں ہے روزگار کا

ہے خود شکستِ عہد سے نفرت اُنھیں مگر
دل توڑنا پسند ہے امیدوار کا

شوقِ ستم ہے یہ کہ مری دیکھتے ہیں راہ
مجھ سے زیادہ اُن کو ہے رنج انتظار کا

نعشِ رقیب پر وہ بہانے لگے سرشک
آنسو کہیں تھا ہے مری چشمِ زار کا

تم ہی کہو کہ کیوں کہ سہوں طعنہ ہائے غیر
یہ بھی ستم ہے کیا فلکِ بد شعار کا

کہتا ہوں برملا یہ سنو[2] کان کھول کر
نالہ نہیں ہے آج مرے اختیار کا

کیوں آنکھ کھولیے کہ جہاں دیدنی نہیں
پر کیا کریں کہ سامنے جلوہ ہے یار کا

دشمن سے کہنے بیٹھ گیا ہائے راز دل
پھر پوچھتے ہو حال مرے اضطرار کا

گو ابتدائے عشق میں سو حشر ہو چکے
کھٹکا مگر ہنوز ہے انجامِ کار کا

---

۱ - ''اور'' بروزن فع -

۲ - ''سنوں'' اصل متن ''کلیات سالک'' (صفحہ ۹۰) میں غلط ہے -
''ھنجار سالک'' (صفحہ ۲۸) میں ''سنو'' ہے -

میری خموشیوں پہ کسی نے نظر نہ کی
گویا چراغِ روز ہوں میں رہ گزار کا
دکّانِ مے فروش پہ سالک پڑا رہا
اچھا گزر گیا، رمضان بادہ خوار کا

(٦٦)

بے ہوش و بے خود اپنی طرح کون ما نہ تھا
آج اس کی بزم ناز میں جو کوئی تھا، نہ تھا
محشر میں اس کو دیکھ کے یوں خلق ہے خموش
گویا کہ کوئی طالبِ روزجزا نہ تھا
تدبیر کیوں کہ عقدۂ تقدیر کھولتی
ناخن نہ تھا عدو کا وہ بندِ قبا نہ تھا
کیا محتسب کو رند لگا لائے راہ پر
یوں میکدہ کبھی رمضاں میں کھلا نہ تھا
تم غیر کے ہوئے تو رہا کیا جہان میں
گویا ہمارے واسطے کچھ بھی بنا نہ تھا
بیٹھے ہوئے تھے ضبط کیے گریہ اقربا
تم آ گئے وگرنہ یہاں کچھ رہا نہ تھا
کیوں میری خواریوں سے ہوئیں اُن کی شہرتیں
گھٹنا مرا جو باعثِ نشو و نما نہ تھا
کرتا نہیں ہے کیا دلِ بے مدّعا ثبوت
کیوں کر کہوں کہ ساغرِ گیتی نما نہ تھا
فرہاد مر کے عشق کو دھبّا لگا گیا
کچھ خودکشی طریقۂ اہلِ وفا نہ تھا

یوسف ہو تم تو میرے گرفتار ہو رہو
ورنہ کہیں گے لوگ کہ دعوا بجا نہ تھا

سالک جفائے یار کی ہردم شکایتیں
بے صبر ! تیرے واسطے روزِ جزا نہ تھا

(٦٧)

تھا چین رات کو مجھے بے مہر ، یا نہ تھا
تجھ کو تو پاس عہد کا اپنے ذرا نہ تھا

گویا کہ اک خراشِ جبیں کا ہالہ تھا
دستِ جنوں سے کم مجھے دستِ دعا نہ تھا

واعظ نے آج قائلِ "جف القلم"[1] کیا
میں شکوہ سنج کارکنانِ قضا نہ تھا

شوقِ جواب میں یوں ھی قاصد کو خط دیا
لکھّا ھنوز ہم نے کوئی مدّعا نہ تھا

اب دل کہاں کرم بھی کرو تم تو قہر ہے
وہ دن گئے کہ مجھ کو جفا کا گلا نہ تھا

ہم حشر میں چلے گئے بے خوف اس طرح
گویا یہ فتنہ اس کا اٹھایا ہؤا نہ تھا

غم کھانے کی رہی نہیں جب حد تو مر گئے
گویا کہ تھا یہ رزقِ مقدر سوا نہ تھا

---

۱ - "جف القلم" اور قلم خشک ہوگیا - (مرتب)

کیوں غیر کے کہے پہ گئے[1] خیر ہے تمھیں
میں شکوے سے کبھی نہ ہؤا آشنا نہ تھا

جو فتنہ آسماں سے گرا مجھ پہ آ گرا
جو تیر اس کماں سے چھوٹا خطا نہ تھا

زنداں[2] میں بھیج کر ہو زلیخا کو اضطراب
یوسف مگر نظر میں سمایا ہؤا نہ تھا

سالک[3] یہ قدرت اُن کو ہے ایجاد ظلم میں
وہ رنج دیتے ہیں جو ازل میں ملا نہ تھا

(٦٨)

توڑ اے بتِ بے مہر مجھی پر ہے جفا کا
دنیا میں کوئی اور بھی بندہ ہے خدا کا

چھوڑا نہ گراں جانِ محبت نے ترے دم
سو بار بھرا خون میں پر تیرِ قضا کا

رکھتے ہیں یہ بت شرم کے پردے میں تغافل
الہام کی رکھتا ہے صفت لفظ حیا کا

ہے پہلوے چپ میں تو سمجھ کیوں نہ ہو اُلٹی
کیا عشق میں شکوہ دلِ اندوہ فزا کا

---

۱ - ''کلیات سالک'' (صفحہ ۵۱) میں ''گئے'' اور ''ھنجار سالک'' (صفحہ ۳۰) میں ''کہے'' ہے - (مرتب)

۲ - یہ شعر ''کلیات سالک'' میں نہیں ہے - ''ھنجار سالک'' میں ہے - (مرتب)

۳ - ''ھنجار سالک'' میں تخلص مصرع اول میں نہیں آیا ہے - مصرع اس طرح ہے :
''قدرت ہے ان بتوں کو یہ ایجاد ظلم میں''

پھولوں میں بسا لاتی ہے اُس بزم سے کیا شے
دیکھا نہ کبھی تار بھی دامانِ صبا کا

لا ، اے اثرِ شوق اُسے یوں مرے گھر میں
دروازے ہی سے ہاتھ میں ہو بند قبا کا

آ جائے گی یاں موت سحر ہوتے ہی ہوتے
پائیں گے شبِ غم میں نہ ہم وقت دعا کا

اُس بت کی برابر نہ سنوں گا ، نہ سنوں گا
زاہد تجھے کچھ خبر ہے لے نام خدا کا

سر پیٹ لیا جب ترے کوچے میں نہ پہنچا
قدموں کے عوض ہاتھ چلا راہ‌نما کا

کیا روز کہ فرقت میں نہ بن جائے شبِ مرگ
کیا شب کی درازی میں نہ ہو روز جزا کا

پوچھو جو زمیں کی تو کہے عرش کی سالک
دیکھا تو عجب رنگ ہے اس مردِ خدا کا

(٦٩)

پردہ ابھی اُٹھ جائے اگر غیر خدا کا
ہر سمت بپا شور ہو ''موسیٰ صعقا'' کا

بخشیں ترے عاشق جو اثر آہِ رسا کا
موسیٰ کے لیے اور سہارا ہو عصا کا

جل جائے اگر اُس کے ضعیفوں کی فغاں سے
شہپر ہو قوی اور بھی مرغانِ ہوا کا

---

۱ - ''و خر موسیٰ صعقا'' اور گر پڑا موسیٰ بےہوش (قرآن مجید ، پارہ ۹ سورۂ اعراف آیت ۱۴۳)

بڑھتی نہیں اس راہ میں جاں دے کے اگر عمر
کیوں زندۂ جاوید لقب ہے شہدا کا

سوتے ہوے چونکے نہ کبھی راہ عدم کے
گو چار طرف شور ہے آوازِ درا کا

ہے ایک ضیا ، دیدۂ توحید نگر میں
ہوتا نہیں یہ آئنہ محتاج جلا کا

اندوہِ علائق سے چھٹے عشق میں تیرے
اس درد نے بخشا ہے اثر ہم کو دوا کا

بھولیں جو تری راہ تو پھر کون بتاے
یاں نقش قدم تک بھی نہیں راہ نما کا

تعمیم ہے خاص ایک ہی دن کے لیے منظور
کیوں موسیِ عمران[1] کو ہو دیدار خدا کا

سالک مجھے تعلیم ہوا[2] لام اور الف ہے
ہوں قاعدہ آموز دبستانِ فنا کا

(۷۰)

آوارہ[3] ہوں اس وادیِ پُر خوف و خطر کا
ہے ڈر سے نہاں جس میں نشاں راہ گزر کا

---

۱ - موسیِ عمران یعنی موسیٰ ابن عمران - اس میں اضافت ابنی ہے - (مرتب)
۲ - ''کلیات سالک'' (صفحہ ۵۲) میں ''ہو'' ہے - سہو کتابت سے حرف الف 'ہوا' کا یا حرف یائے 'ہوئی' کا رہ گیا ہے - تصحیح قیاسی کی گئی - (مرتب)
۳ - ''ہنجار سالک'' میں مطلع به تغیر الفاظ ملتا ہے :
ہوں راہ رو اس وادی پرخوف و خطر کا
جس میں نہ ملا نقش قدم تک بھی خضر کا

دم بھر میں بگاڑا مجھے ، دشمن کو بنایا
اک شعبدہ ہے یہ فلکِ شعبدہ گر کا

دشمن کی شبِ وصل ہے اور اپنی شبِ ہجر
منظور مجھے شام سے ہونا ہے سحر کا

ناچار ہؤا وادیِ محشر کو روانہ
جس فتنے کو[1] پایا نہیں رستہ مرے گھر کا

کچھ ضعف ہے کچھ سر میں خیالات بھرے ہیں
دشوار ہے بالیں سے اٹھانا مجھے سر کا

گھبرائے ہوئے تیز چلے جاتے ہو سالک
ہم سے بھی تو فرماؤ ارادہ ہے کدھر کا

(۷۱)

خوبانِ ظلم دوست کو میں نے برا کہا
تم کیوں خفا ہوئے تمھیں للہ کیا کہا

ہم کہتے ہیں کہا لہ گیا ہم نے کیا کہا
وہ کہتے ہیں کتاب تھی یا مدّعا کہا

فریاد کیا سنے گا مری حشر میں کوئی
دنیا میں جب سنا نہ کسی نے مرا کہا

وہ سوختہ جگر ہوں کہ جس نے تمام عمر
بادِ سموم کو بھی شمال و صبا کہا

کیا کیا سزا ملی ہے مجھے وصل کے عوض
میں نے شبِ فراق کو روزِ جزا کہا

---

۱ - ''کو پایا'' بہ معنی ''کو ملا'' سالک نے برتا ہے - (مرتب)

سالک کے کچھ حواس ٹھکانے ہوے کہ آج
بندے کو بندہ اور خدا کو خدا کہا

(۷۲)

تیرے آنے کی ہو پھر کیا مجھے امید کہ میں
آپ میں بھی اگر آیا تو بہ مشکل آیا

آج بازار میں ڈر سے نہیں جاتا کوئی
مژدہ اے[1] شوقِ شہادت کہ وہ قاتل آیا

غرقِ دریاے محبت ہوئی جب کشتیِ عمر
کان میں آئی یہ آواز کہ ساحل آیا

دیکھنا مجھ کو کہ واں تک نہیں پہنچا قاصد
کہہ رہا ہوں کہ وہ پھر کر کئی منزل آیا

وحشتِ قیس یہی ہے تو مقرر سالک
چین لیلیٰ کو پسِ پردۂ محمل آیا

(۷۳)

کیا کہا ہے میں نے حالِ دل جو ہو کر بے دماغ
آپ کہتے ہیں غمِ ایام کا دفتر کھلا

کیجیے کیا ، ناتوانی مانعِ پرواز ہے
ورنہ دروازہ قفس کا رہ گیا اکثر کھلا

روزنِ در سے جو جھانکا ، آ گیا دشمن نظر
حال اُس بت کا کھلا ہم پر تو کیا پتھر کھلا

---

۱ - ''کلیاتِ سالک'' (صفحہ ۵۳) میں ''مژدۂ شوق شہادت'' اور ''ھنجار سالک''(صفحہ ۱۲) میں ''مژدہ اے شوق شہادت''۔ (مرتب

دیکھتے ہی پھر کہیں چاک گریباں کی بہار
پھر نصیحت پر ترا منہ اے نصیحت گر کھلا
اس سے اور[1] بوسے کی خواہش اپنی حد سے بات کر
وہ اگر دے بھی تو سالک کب ترے منہ پر کھلا

(۷۴)

یہ بھی عہدِ وفا سے پھر جاتا
دل ہمارا تری زباں نہ ہؤا
گاہ نالہ بہ ناگہی فریاد
راز جو سینے میں نہاں نہ ہؤا
ڈر گیا کچھ خدا سے جو سالک
عازمِ کوچۂ بتاں نہ ہوا

(۷۵)

کیا میں اظہارِ مدّعا کرتا
ٹوٹتے ہاتھ اگر دعا کرتا
میرا افسانہ لوگ سنتے ہیں
ایک تو ہی نہیں سنا کرتا
خوگرِ جور ہوں ستم سے ہوں خوش
لطف کرتے تو میں گلا کرتا
عشق اور ان بتوں سے ہاں سالک
اپنے حق میں نہیں بھلا کرتا

---

۱ - ''اور'' بر وزن فع - (مرتب)

(۷۶)

غضب ہم پر اور لطف اغیار پر
زمانہ ادھر کا اُدھر ہو گیا
ہوئے سن کے خوش آپ سالک کا حال
کہ رومال اشکوں میں تر ہو گیا

(۷۷)

ہمارے گریے سے کس جا بہا نہیں دریا
سپہر چشمۂ طوفاں ہے اور[۱] زمیں دریا
فغان و گریہ کا ماخذ بنا ہے دل سالک
نہاں یہیں کترۂ نار ہے یہیں دریا

(۷۸)

وہ دن گئے ، وہ وقت گیا ، وہ محل گیا[۲]
اب کیوں ستم اُٹھائیں زمانہ بدل گیا

(۷۹)

جرعۂ مے سے مجھے پیر مغاں شاد کیا
لاکھ میخانے سے اک شہر کو آباد کیا

---

۱ - ''اور'' بر وزن فع - (مرتب)
۲ - یہ شعر کلیات سالک میں مکرر ہے - دیکھیے صفحہ ۵۵ اور صفحہ ۱۱۳ - (مرتب)

(۸۰)

جو کوئی ناتواں ہو تو مجھ سے مثال دیں[1]
لوگوں نے میرے ضعف کو ضرب‌المثل کیا

(۸۱)

جو میں نالوں سے گرمِ شکوۂ بیداد ہو جاتا
نیا یہ کاسۂ چرخِ کہن بنیاد ہو جاتا

جو فرصت مجھ کو مل جاتی جنوں میں سر کھجانے کی
مجھے ہر ایک ناخن تیشۂ فرہاد ہو جاتا

مثال اس کو دمِ آرائش اپنے دل سے تم دیتے
یہ آئینہ جو ٹوٹا ہے ابھی فولاد ہو جاتا

جو لینے بیٹھتا تصویر اُس دستِ نگاریں کی
تو انگشتِ ششم ہی خامۂ بہزاد ہو جاتا

نہیں کاشانۂ اغیار ہی پر منحصر رونق
قدم جس گھر میں تم رکھتے وہی آباد ہو جاتا

ہوا کھانے گلستاں میں اگر ہم ناتواں جاتے
ہر اک جھوکا ہمیں طوفانِ قومِ عاد ہو جاتا

شبِ غم گر نہ کرتے ضبط تو بھی اجر کچھ ملتا
کہ نالہ باعثِ بیداریِ زہاد ہو جاتا

بتانِ بے کنہ‌کُش کو نہ کرتا گر خدا پیدا
تو مل کر دونوں عالم، عالمِ ایجاد ہو جاتا

---

۱ - یہ شعر کلیات سالک میں نہیں ہے - ''ھنجار سالک'' (صفحہ ۲۱) سے لیا گیا - (مرتب)

اگر ہم قدِ جاناں سے کبھی دیتے مثال اس کو
زمینِ باغ میں اونچا ابھی شمشاد ہو جاتا

لیاقت غیر کو گر چرخ نے دعوے کی دی ہوتی
خدا ہونا تو مشکل تھا مگر شدّاد ہو جاتا

ہمارے دل میں اور رہ جائے چٹکی سے تری چھٹ کر
لبِ معشوق کیوں کر ناوکِ بیداد ہو جاتا

نہیں پائے پتے سالک نے اس بے مہر کے ورنہ
کبھی تو اس طرف وہ خانماں برباد ہو جاتا

(۸۲)

ہجومِ خلق رہا ، تا وہ زیبِ بام رہا
ادھر سے جو کوئی گزرا وہیں قیام رہا

نہ بیٹھے چین سے ہر روز قتلِ عام رہا
کبھی نہ آپ کی شمشیر پر نیام رہا

بتوں کے عشق نے یکساں کیا زمانے کو
نہ کوئی خاص جہاں میں ، نہ کوئی عام رہا

پیام بر کو مرے دیں گے سب کا ایک جواب
وہ پوچھتے ہیں کوئی اور بھی پیام رہا

شبِ وصال تو گزری پلک جھپکنے میں
فلک سے روز مجھے خوفِ انتقام رہا

وہ جانتے ہیں کہ ہو جاؤں گا میں شادی مرگ
تو پھر وصال کے وعدے میں کیا کلام رہا

تم آ کے دیکھ لو ہوگی نہ کچھ بھی قدرِ وصال
کہ عمر بھر غمِ ہجراں سے مجھ کو کام رہا

گھٹا نہ داغِ فراقِ بتاں کبھی دل میں
یہ ماہ وہ ہے کہ جو مدتوں تمام رہا

نہ شامِ ہجر کو اپنی سحر نصیب ہوئی
نہ صبحِ وصل میں اک روز رنگِ شام رہا

دیا نہ پیرِ مغاں ایک قطرہ تیری خیر
یہ عید کا بھی مہینا مہِ صیام رہا

شراب خانے میں کیا موت پائی سالک نے
نظر سبو پہ رہی اور لب پہ جام رہا

(۸۳)

شراب خانے میں یہ کون تشنہ کام رہا
کہ قطرہ جام میں باقی، نہ خم میں جام رہا

صدائے مرغِ سحر ہے پیامِ رخصتِ دوست
تمام ہوگئی شب، شوق نا تمام رہا

اگر ہوئی بھی قیامت تو کون دیکھے گا
اسی طرح جو نظر میں ترا خرام رہا

تڑپ تڑپ کے شبِ وعدہ جان دی ہم نے
یہاں تو کام ہؤا اور اُن کو کام رہا

ہزار حصے بڑھی لذت ستم اُن کی
رہا گلہ بھی تو ''کالملح فی الطعام'' رہا

وہ سامنے ہیں تو قاصد میں کیا رہا باقی
زباں دہن میں رہی، دل ہی میں پیام رہا

یہ ضعف اور تری جستجو، خدا حافظ
قدم جہاں سے نہ اُٹھا وہیں مقام رہا

اگرچہ ابلقِ ایّام نے زمیں پھانکی[1]
سمندِ عمر بھی اپنا نہ ایک گام رہا

کسی طرح نہیں کٹتے فراق میں اوقات
سحر ہوئی تو مجھے انتظارِ شام رہا

ہمارا عشق کہ دنیا سے کھو دیا ہم کو
تمہارا حسن کہ مقصودِ خاص و عام رہا

بنا بنا کے قدم رکھتے ہیں زمیں پر وہ
یہ فتنہ چال کا ہم پائے انتظام رہا

نہ حشر میں دلِ رشک آشنا کو چین ملا
یہاں بھی دیکھنے والوں کا ازدحام رہا

مجھی سے پوچھتے ہیں، آپ کون ہیں سالک؟
قصور وار تو در پر پڑا مدام رہا

(۸۴)

ہر ایک ستم اُس کا مقبول جہاں ہوتا
یہ پیر فلک بھی گر تم سا ہی جواں ہوتا

تم کاش مرا قصہ، مجھ سے ہی کبھی سنتے
میری ہی زباں ہوتی، میرا ہی بیاں ہوتا

کیوں وعدہ خلافی کی، اک دم اگر آجاتے
میں فرطِ خوشی سے خود کیاجانے کہاں ہوتا

---

۱ - ؟

(۸۵)

قیامت کی کہ عاشق کو سمجھ کر ناتواں چھیڑا
عبث بیٹھے بٹھائے اک بلا کو آسماں چھیڑا

کیا کیا، طنز سے کیوں قصۂ شور فغاں چھیڑا
ہنسی سمجھے کہ ذکرِ دیدۂ دریا فشاں چھیڑا

شبِ عشرت میں شکر و شکوۂ دشمن سے کیا حاصل
نکالی پھر وہی چھیڑ آپ نے، وہ ہی بیاں چھیڑا

دکھائی ہے زمیں لاکھوں کو رخشِ عمر نے غافل
یہ وہ توسن نہیں ہے جس کو یاں چھیڑا وہاں چھیڑا

دلِ مجروح کا ہر زخم پھر کیوں ہوگیا گہرا[1]
صبا نے کیا کسی کا طرۂ عنبر فشاں چھیڑا

نہ پچھوائے خدا احوالِ سالک رحم کھا کر بھی
کہ اک غم کی کہانی چھیڑ دیتا ہے جہاں چھیڑا

(۸۶)

وہ اشک بار دیکھ کے مجھ کو حزیں ہؤا
میں تر زبانِ لطفِ جہاں آفریں ہؤا

پھر گریہ سیلِ آفتِ روے زمیں ہؤا
پھر نالہ برقِ خرمنِ چرخِ بریں ہؤا

کس کے خیال میں نہیں کوے بتاں مگر
یہ وہ مکاں ہے جو دلوں میں مکیں ہؤا

سنتا ہوں آس گلی میں گیا، سچ ہے یہ اگر
آوارہ آج سالکِ عزلت گزیں ہؤا

---

۱ - ''گہیرا'' اصل متن میں غلط ہے - (مرتب)

ردیف ب

(۸۷)

اس قدر سیلابِ گریہ نے کیا ہے گھر خراب
دشت کیا ہے دشتِ الفت سے بھی افزوں تر خراب

میں کہاں، صیاد کیسا، دام کیا شے ہے؟ مگر
تو کرے گی طاقتِ پرواز بال و پر خراب

گام زن دل کی ہدایت پر ہؤا ہوں عشق میں
اس طریقِ صعب میں ہی ہے ملا رہبر خراب

ہے سوا اُن سے نگاہِ ناز اُن کی فتنہ ساز
سیرِ اختر چرخ کی گردش سے ہے بڑھ کر خراب

تیرگی بخشِ دلِ روشن کدورت غم کی ہے
میرے آئینے کو کرتی ہے یہ خاکستر خراب

وحشتِ دل نے نہ دم لینے دیا اک جا[1] مجھے
پھر رہا ہوں چار سوے عرصۂ محشر خراب

رتبہ اُس کا ساغرِ گیتی نما سے کم نہ تھا
مضطرب ہو کر ہؤا لیکن دلِ مضطرب خراب

منزلِ مقصود تک کوئی نہ پہنچا عشق میں
مجھ سے پہلے ہو چکے اس راہ میں اکثر خراب

یارو دشمن میں الٰہی دید کا ہے واسطہ
صورتِ زخمِ جگر ہو وہ شگافِ در خراب

---

۱ - ''هنجار سالک'' (صفحہ ۳۱) میں ''یک جا'' ہے - (مرتب)

سالکِ بیمار کا اب جو معالج ہے طبیب
حال میں نے اس سے پوچھا تھا، کہا ابتر خراب

(۸۸)

یوں جان دی کہ جس کی بنی داستاں ہے اب
مرنا ہمارا، نام کا تیرے نشاں ہے اب

اپنی ستم کشی کا مجھے امتحاں ہے اب
درکار ایک اور نیا آسماں ہے اب

الفت میں کیا تغیّرِ احوال ہو گیا
جو پہلے بات تھی وہ لبوں پر فغاں ہے اب

طالب نہیں ہوں اوج کا پستی سے خوش ہوں میں
منظور تجھ سے بُعد مجھے آسماں ہے اب

میں لاغری میں طعنِ عدو کب اُٹھا سکا
ہلکی سی بات دوست کی دل پر گراں ہے اب

افلاک کو غبارِ پسِ کارواں کہوں
خلقِ خدا عدم کی طرف کو رواں ہے اب

سینہ ہجومِ راز سے اپنا اُبل گیا
دل سے بھی جو چھپائیں وہ منہ سے عیاں ہے اب

کھویا وہ دور، دور کا جانا تو ضعف نے
آماجِ تیرِ نالہ فقط آسماں ہے اب

واماندگی پہ میری کسی نے نظر نہ کی
ہمراہ ایک گرد، پسِ کارواں ہے اب

دیر و حرم میں جا کے کوئی جھانکتا نہیں
عالم[1] اسی کا معتکفِ آستاں ہے اب
افشائے راز، جرم اناالحق سرا ہوا
اس خوف سے ہی بند ہماری زباں ہے اب
شمشیر ہاتھ میں لیے پھرتے ہیں اور وہ
ہر اک سے پوچھتے ہیں کہ سالک کہاں ہے اب

(۸۹)

اب کیا کریں گے خط کا مرے بھیج کر جواب
یاں زندگی ہی دے چکی، اے نامہ بر جواب
ہم کہہ کے مدعا ہوئے محوِ جمالِ دوست
اب کیا سنیں دیا بھی ہو اس نے اگر جواب
ہو اضطرابِ شوق کو تسکین اُن سے کیا
جو شام کے سوال کا دیں تا سحر جواب
میں اور سر نگوں رہوں یوں انتظار میں
قاصد گرا چکا ہے سرِ رہ گزر جواب
حاجت نہیں ہے تم کو حجاب و نقاب کی
یاں دے چکی ہے پہلے ہی اپنی نظر جواب
کچھ عرضِ مدعا کی خرابی نہ پوچھیے
کہتے ہیں دیں گے غیر سے ہم پوچھ کر جواب
حاضر جوابیوں کا نہ کچھ اُن کی حال پوچھ
میں نے کیا سوال کہ پایا اُدھر جواب

---

۱ - ''جو ہے سو تیرا معتکفِ آستاں ہے اب'' (ہنجار سالک، ص ۳۱)

مضمونِ خطِ یار نہ پوچھو کہ شرم سے
دروازے ھی پہ پھینک گیا نامہ بر جواب

وہ کوچہ اور بہشت، بھلا کیوں کہ ہو سکے
آدم کے وقت کا یہ پرانا سا گھر جواب

آئیں گے یا نہ آئیں گے، دو حرف ھیں یہی
قاصد کو دے چکو نہ کہیں مختصر جواب

کیوں عرضِ مدعا پہ ہوئے گرم اس قدر
دیتے ھیں آدمی کو ذرا دیکھ کر جواب

نالے بھی کھینچے، آہ بھی کی، روئے بھی، مگر
تیرے ستم کا ھو نہ سکا فتنہ گر جواب

قاصد کے ٹکڑے کرچکے سالک وہ خط کے ساتھ
اب راہ کس کی، نامہ کہاں کا، کدھر جواب

(۹۰)

جیا اس جور پر میں ناتواں کب
مجھے طاقت بہ قدرِ امتحاں کب

وہ آئے، مجھ پہ ہو کے مہرباں کب
پھرا میرے موافق آسماں کب

کیا شکوہ یہ دھوکا کھا کے افسوس
کہ دشمن سے ہوئے وہ سرگراں کب

اسی کی چال میں آئی قیامت
ابھی لایا ھوں میں لب پر فغاں کب

جو ھوتا جذب کامل، اے زلیخا!
تو منزل پر ٹھہرتا کارواں کب

وہ آئیں غیر ہی کو لے کے ، لیکن
مجھے آتی ہے مرگِ ناتواں کب
کرو ضد سے نہ تم اغیار پر لطف
ہؤا ہے چرخ مجھ پر مہرباں کب
تماشائے جہاں میں دیکھتا کیا
تھا تھا آنکھ سے اشکِ رواں کب
جسے دیتے ہیں دنیا کے مزے خضر
اسے دیتے ہیں عمرِ جاوداں کب
ستم سے تیرے ظالم سرنگوں ہیں
گرا سر پر ہمارے آسماں کب
کھلا دشمن پہ کیوں کر حال میرا
وہ سننے آئے میری داستاں کب
وہ محشر میں سنیں گے کیا کسی کی
ٹھہرنے دیں گی اُن کو شوخیاں کب
کرو تم شوق سے سننے کا اقرار
کہ سالک سے ہؤا غم کا بیاں کب

(۹۱)

لے کے اُڑ جانے کی طاقت گر نہ پائے عندلیب
غل سے گھر صیّاد کا سر پر اُٹھائے عندلیب
گر خزاں کو فصلِ گل میں بھول جائے عندلیب
خار کیوں اپنے نشیمن میں بچھائے عندلیب
بے وفائی رنگِ گل کی سب نظر آجائے گی
خاکِ پائے یار کا سرمہ لگائے عندلیب

خانۂ صیّاد ہی کو پھونکتے اک آہ میں
قید ہوتے گر قفس میں ہم بہ جائے عندلیب

حاملانِ عرش تک پہنچا خزاں آنے کا شور
آسماں کے پار گزرے نالہائے عندلیب

زندگی کیوں کر ہو، یہ صیّاد کی مٹھی نہیں
اک فشارِ گور ہے گویا برائے عندلیب

گر حصولِ لذتِ الفت کی رکھتے آرزو
پھول تربت پر مری آ کر چڑھائے عندلیب

وہ چمن میں بزم آرا ہوں تو دیکھوں کس طرح
شمع پر پروانہ جائے، گل پہ جائے عندلیب

آشیانے کے بنانے سے چمن میں فائدہ
پہلے دل میں باغباں کے گھر بنائے عندلیب

بس کہ اس اشباع سے نفرت ہے بدلا بحر کو
سالک اب کب تک کہے جاؤں کہ ہائے عندلیب

(۹۲)

ہے عمر بھر قفس میں تری جائے عندلیب
سو بار گر چمن سے خزاں جائے عندلیب

اس رشکِ گل کو روز جو دیکھ آئے عندلیب
فصلِ خزاں سے کچھ بھی نہ گھبرائے عندلیب

کھینچا ہے سوئے باغ، نسیمِ بہار نے
موجِ ہوا ہے سلسلۂ پائے عندلیب

صیّاد آشیاں کے تلے، آسماں پہ برق
آفت میں گھر گیا ہے سراپائے عندلیب

ہے گفتگو ثباتِ جہاں میں ، چمن تو کیا
سمجھی ہے جی میں کیا مجھے سمجھا ے عندلیب

نے باغباں کو موت ، نہ صیّاد کو اجل
پوری ہوئی نہ کوئی تمنّاے عندلیب

یاں مفلسی میں گھر کا ہے سالک چراغ گل
عاشق جو گل کی ہے تو ادھر آئے عندلیب

(۹۳)

واعظ ملے گی خلد میں کب اس قدر شراب
پانی کے بدلے پیتے ہیں اے بے خبر شراب

آمد میں اس کی مست ہوئے کچھ خبر نہیں
ساقی ہے کون ، جام کہاں اور کدھر شراب

اس قلزمِ گناہ میں ڈوبا ہؤا ہوں میں
جس میں ہے ایک موجۂ دامانِ تر شراب

مستی میں ان کو لگ گئی 'لو اور غیر کی'
دینی شبِ وصال نہ تھی اس قدر شراب

اقرارِ وصل اور وہ مستِ غرورِ ناز
آیا ہے پی کے 'تو کہیں اے نامہ بر شراب

میں ایک بار آنکھ چرا کر جو پی گیا
لایا نہ زخم دھونے کو پھر چارہ گر شراب

---

۱ - ''ھنجار سالک'' (صفحہ ۳۳) میں مصرع اول یہ ہے :
''مستی میں اور سرکشیاں ان کی بڑھ گئیں''

ق

کرتا [کرتا] تھا مجھ کو حیلہ شکستِ خمار کا¹
دینی تھی خوب قبلِ طلوعِ سحر شراب
رخصت کا ہوش اُن کو نہ رہتا شبِ وصال
کچھ بولتے تو یہ کہ دھری ہے کدھر شراب
سالک ملے جو بزم میں اُس کی تو لطف ہے²
ورنہ پیا ہی کرتے ہیں ہم اپنے گھر شراب

ردیف پ

(۹۴)

کچھ مجھے کہہ کے نہ کہوائیے آپ
بس زباں میری نہ کھلوائیے آپ
دوش پر اور نہ بھاری ہو جائے
میرے سر کی نہ قسم کھائیے آپ
بزمِ ناز اُس کی ہے اے حضرتِ دل
پاؤں اپنے بھی نہ پھیلائیے آپ
غیر کے شکوے نہ پوچھو شبِ وصل
پچھلے مُردے نہ اُکھڑوائیے آپ

---

۱ - یہ قطعہ "هنجار سالک" (صفحہ ۳۳) میں ہے - "حیات سالک" میں نہیں ہے - (مرتب)
۲ - "هنجار سالک" (صفحہ ۳۴) میں مصرعِ اولیٰ یوں ہے :
سالک جو اُس کی بزم میں پہنچے تو لطف ہے

لوگ جانیں گے تمہارا عاشق
میں اگر آؤں تو[۱] شرمائیے آپ
کچھ پتا میرا بتا دیجیے گا
کچھ خبر میری اگر پائیے آپ
ساتھ میرے نہ کوئی چیخ اُٹھے
مجھ کو محفل سے نہ اُٹھوائیے آپ
جاتے جاتے کہیں اغیار کے گھر
کاش رستے ہی میں مل جائیے آپ
ایک دم اُس کو بھلا کر سالک
جی کسی طرح تو بہلائیے آپ

(۹۵)

کیوں رشکِ حور کہنے سے اتنے خفا ہیں آپ
بندے اگر نہیں تو کسی کے خدا ہیں آپ
سنتے ہیں اس طرح سے بیاں مجھ سے غیر کا
گویا کہ اُس کے نام سے ناآشنا ہیں آپ
آرائشوں کے حیلے سے فرصت نہیں کبھی
یہ وہ بلا ہے زلف کہ خود مبتلا ہیں آپ
یہ بحرِ عشق اور ہر اک موج لطمہ خیز
کشتی شکستہ ، حضرتِ دل ناخدا ہیں آپ
تاثیر میری گرمیِ شوقِ نہاں کی ہے
خود وصل میں جو کھولتے بندِ قبا ہیں آپ

---

۱ ۔ اگر 'تو' کی جگہ 'نہ' ہوتا تو شعر کا مطلب بلند ہو جاتا ۔ (مرتب)

کہتے ہیں کس ادا سے وہ آئینہ دیکھ کر
شہرت جہاں میں جن کی ہے ، نامِ خدا ہیں آپ

سالک چلے ہو کوچۂ سفّاک کی طرف
کیا زندگی سے اپنی نہایت خفا ہیں آپ

(۹٦)

سن لیں جو کبھی مری فغاں آپ
شرمندہ ہو مجھ سے آسماں آپ

مسجد سے ہے پاس مے کدہ شیخ
بھکے ہوئے جاتے ہیں کہاں آپ

ہے روزِ جزا میں پرسشِ جور
کر لیجیے پہلے کچھ بیاں آپ

گردش ہے مری خدا کو منظور
گردش میں نہیں ہے آسماں آپ

یہ شوقِ بیانِ مدعا ہے
ہلتی ہے دہن میں کچھ زباں آپ

اس ضعف میں واں کا عزم سالک
دیکھو وہ گلی کہاں ، کہاں آپ

ردیف ت

(۹۷)

یا رب ہے جس قدر کہ مجھے آرزوے دوست
وہ دن نصیب ہو کہ کہوں روبروے دوست

ہے ایک بے چراغ سا کاشانۂ تہی
کیوں کر ارم سے دیجیے تشبیہِ کوے دوست

مجھ پا شکستہ کو بھی نبھانا[1] ضرور ہے
اے رہ روان بادیۂ جستجوے دوست

پھر جان لے گی غیرتِ ہم بزمیِ رقیب
پھر لے چلی کشا کشِ دل مجھ کو سوے دوست

کافر ہوں گر سنا ہو کہ واعظ نے کیا کہا
یاں دل سے بزم وعظ میں تھی گفتگوے دوست

محتاجِ پیرہن ہوے یعقوب کس لیے
میری، طرح مشام میں رکھنی[2] تھی بوے دوست

اے چارہ ! گر نہ ڈر مرے تغییر حال سے
میں کیا کروں بدلتی ہے دم دم میں خوے دوست

---

۱ - ''کلیات سالک'' (ص ۶۱) میں ''نبھانا'' اور ''هنجار سالک'' (ص ۳۴) میں ''اٹھانا'' ہے ۔ (مرتب)

۲ - ''کلیات سالک'' اور ''هنجار سالک'' میں ''رکھتی'' ہے لیکن اس سے مفهوم واضح نہیں ہوتا اس لیے ''رکھنی'' تصحیح قیاسی ہے ۔ (مرتب)

گر صبر جا چکا ہے تو طاقت بھی جا چکی
بھرنی[1] ہے دل میں اور مجھے آرزوے دوست
بگڑا نہ کچھ رقیب کا بن کر خوشامدی
لیکن خراب ہو گئی طبعِ نکوے دوست
سب کی جدا جدا ہیں حکایاتِ جور و ظلم
سو عاشق اور ایک دلِ کینہ جوے دوست
صحرا و شہر و دیر و حرم ، ایک کر دیے
سالک ہے اب بھی حوصلۂ جستجوے دوست

(۹۸)

یاد ہے واعظ مجھے بھی داستان کوے دوست
کر چکا تعریفِ خلداب سن بیانِ کوے دوست
میری قسمت میں ہے واں آوارہ ہونا چارہ گر
میری پیشانی پہ لکھا ہے نشانِ کوے دوست
ہے ہجومِ خلق سے بیرونِ در آنا محال
تنگ آجائیں نہ کیوں کر ساکنانِ کوے دوست
خاک اڑاتا جاؤں گا ، مجھ کو جنونِ عشق ہے
خوف کیا ، اندھا نہیں گر پاسبانِ کوے دوست
اے صبا صدمے سے پاے مور کے جو ہو عیاں
رہ گیا ہوں وہ غبارِ ناتوانِ کوے دوست
جا بہ جا ہے نقش سجدے کا زمیں پر آشکار
سر کے بل چلتے ہیں رستہ رہ روانِ کوے دوست

---

۱ - ''بھرتی'' ''کلیات سالک'' (صفحہ ۶۱) میں اور ''ہنجار سالک'' میں ''بھرنی'' ہے - (مرتب)

یہ زمیں ہوگی ، نہ ایسا آسماں ، قاصد وہاں
کیا بتاؤں اور میں تجھ کو نشان کوے دوست

فرش میرے قاصدوں کے سر ہیں واں سالک تمام
خاک پر چلتے نہیں ہیں سالکان کوے دوست

(۹۹)

ڈھونڈھا کیا ، ملا نہ ترا در ، تمام رات
رکھا نہ میں نے دوش سے بستر تمام رات

اک جان رہ گئی ہے ہماری بساط میں
وہ بھی رہی ہے آج لبوں پر تمام رات

ہم جی میں خوش تھے آگ لگی، پر خبر نہ تھی
وہ شعلہ رو ، عدو کے رہا گھر تمام رات

تم کو تو وعدہ کر کے نہ آنا ہے ایک بات
وہ کیا کرے ، گزرتی[۱] ہو جس پر تمام رات

تا دن کو جستجو نہ ہو طفلانِ شہر کو
وحشت[۲] میں ایک جا کیے پتھر تمام رات

عالم نہ پوچھ مجھ سے شبِ انتظار کا
گزری ہے روز مرگ سے بدتر تمام رات

کہتے ہیں دیکھنا کہیں سالک پھر آ گیا
آئی ہے بانگِ نالہ برابر تمام رات

---

۱ - ''ہنجار سالک'' (ص ۳۵) میں '' گرانی'' ہے - (مرتب)
۲ - ''ہنجار سالک'' (ص ۳۵) میں مصرع ثانی یوں ہے :
وحشت میں جمع کرتا ہوں پتھر تمام رات

(۱۰۰)

آنسوں بہائے ہجر میں اے چشمِ تر بہت
تو نے ملائے خاک میں گنجِ گہر بہت

احساں ہیں تیغِ ناز کے مجھ خستہ پر بہت
ٹکڑے ہؤا جگر تو ملے ہیں جگر بہت

ہیں دل میں درد و حسرت و ارماں جدا جدا
اس ایک گھر کے ہم نے بنائے ہیں گھر بہت

گھبرا نہ چارہ گر مرے تغیرِ حال سے
اللہ نے دیا ہے دوا میں اثر بہت

ہوگی شبِ فراق ، شبِ روزِ حشر کیا
سب کو دعا کا شوق ہے وقتِ سحر بہت

اب غیر کے خیال میں جانا سمجھ کے تم
جانے لگی ہے دور ہماری نظر بہت

اتنا بھی دور کھینچ نہ اے آہ آپ کو
تجھ سے تو بات میں ہے عدو کی اثر بہت

رکھنا سمجھ کے دل میں ہمارے ، قدم کو پاس
ٹوٹے ہوئے پڑے ہیں یہاں نیشتر بہت

چھپ چھپ کے میرے رونے کی سن لی خبر کہیں
ہنستے رہے وہ آج مجھے دیکھ کر بہت

دیکھا ترے غضب سے تغیر نہ غیر کو
تیرِ نگاہ کا ہے ہمیں پر اثر بہت

آباد ایک کوچۂ جاناں ہؤا تو کیا
ہم کو بھرے بھرے نظر آتے ہیں گھر بہت

تو رنج اٹھائے کیوں ہے کیں میرے واسطے
دشمن ہیں تجھ سے ، اے فلک کینہ‌ور بہت

عیشِ شبِ وصال دمِ صبح مٹ گیا
ہے عمر بھر کے عیش کو غم لمحہ بھر بہت

تیغِ نگاہ کا وہ بھروسا نہیں رہا
شمشیر اب تو رکھتے ہو زیبِ کمر بہت

اکثر ترے فراق میں خود رفتہ ہی رہے
تھوڑے دنوں میں ہم نے اٹھائے سفر بہت

پھنستے ہی ہم نے رنجِ قفس کو سمجھ لیا
ہر سو پڑے ہوئے ہیں نُچے بال و پر بہت

پہلی خرابیوں سے نکلنا گئے ہیں بھول
پھر ان دنوں میں جاتے ہیں سالک آدھر بہت

(۱۰۱)

واں فکر جور ، ہوش نہیں اپنے یاں درست
کیا ہو اگر کبھی ، نہ ہؤا امتحاں درست

افغان عرش رس مرے لب پر پہنچ چکی
اب ترکِ شیوۂ ستم اے آسماں درست(؟)

سالک جو کوئی عشق میں مجھ کو برا کہے
تکتا ہوں منہ کو اور یہ کہتا ہوں ، ہاں درست

(۱۰۲)

سنی جو وصل میں ہجراں کی بےقراری رات
تو غیر کے لیے روتا رہا وہ ساری رات
دھؤاں مزار سے اٹھتا ہے تفتہ جانوں کے
یہ کس نے کی ترے کوچے میں اشک باری رات

(۱۰۳)

گھیرے رہا مجھے غمِ ہجراں تمام رات
آنکھوں ہی میں کٹی ہے مری جاں تمام رات
بزمِ خیال اور وہ مہماں تمام رات
فرقت کی بھی گزر گئی آساں تمام رات
تا رخصتِ سحر میں نہ ڈالوں میں کچھ خلل
کرتے رہے پھر آنے کے پیماں تمام رات
دن بھر رہا کشاکشِ وحشت میں مبتلا
میں نے سیا ہے چاکِ گریباں تمام رات
لطفِ وصالِ یار کوئی ہم سے سیکھ جائے
کہتے رہے ہیں قصۂ ہجراں تمام رات
دل بد بلا ہے، زلف میں رکھتے ہو کس لیے
رکھتے نہ تم کو بھی یہ پریشاں تمام رات
میں مر گیا تو غیر بھی مرتا مری طرح
وہ کیوں رہے جفا سے پشیماں تمام رات
سینے میں توڑ توڑ کے نشتر بھی رکھ لیے
پھر بھی رہا تصورِ مژگاں تمام رات

آیا جو لب پہ نالہ اُسے ضبط کر لیا
کرتا رہا میں خلق پر احساں تمام رات

محشر میں بھی اگر نہ ہو انصاف یا نصیب
اس روز کی دعا میں کٹی یاں تمام رات

سالک نہ شام ھجر ھی کچھ کھا کے سو رہے
کاٹی عبث پہاڑ سی ناداں تمام رات

(۱۰۲)

کس طرح کہہ دوں ارم ھے گلستان کوے دوست
ڈر ھے نظروں سے نہ مٹ جائے نشان کوے دوست

دفن ھو کر بھی رھے اغیار ھی کے پائمال
ھم نے مر کر کر لیا ھے امتحان کوے دوست

گر زمیں کا گز بنوں ، حد سے نہ باھر جا سکوں
گردش قسمت بنی ھے آسمان کوے دوست

ھم ملا کر خاک میں جس دل کو آئے ھیں ابھی
یاد آتا ھے وہ جنت آشیان کوے دوست

نقد دل دے کر متاعِ درد و غم لیتے ھیں لوگ
آج کل دنیا میں چلتی ھے دکان کوے دوست

گو نظر آتا نہیں میں ضعف سے پر خوف ھے
ناتواں بیں ھے الٰہی پاسبان کوے دوست

جوش میں سارے بتوں کی لکھ گیا تعریف میں
میرے دیواں سے ملا سب کو نشان کوے دوست

آپ سے کیا حضرتِ واعظ کریں ھم گفتگو
آپ جنت ھی کو کہہ دیں گے بسان کوے دوست

آس کے دامن پر نہ چشمِ غیر پر جا کر پڑی
اپنی مٹی بھی ہوئی ہے رائگاں کوے دوست

کل تو میں ہوں اور شب گیرِ عدم کی سختیاں
آج ہی کا رہ گیا ہوں میہماں کوے دوست

بعد مردن بھی اسی حیلے سے وہ یاد آ گیا
دیکھتے ہی خلد پر گزرا گماں کوے دوست

ایک بار آس کی طبیعت رحم پر آنے تو دو
کون ہے ہم سے زیادہ خستہ جاں کوے دوست

کیوں غریب آزار بن کر سر آٹھایا اے فلک
کر نہ بیٹھے کوئی نالہ ناتواں کوے دوست

قبر جس کا نام نادانی سے رکھا خلق نے
ہم آسے کہتے ہیں پہلا آستانِ کوے دوست

سچ ہے الفت ہوتی ہے ہم جنس کو ہم جنس سے
ہل گئے دو دن میں دشمن سے سگاں کوے دوست

اس تظلّم پر نہیں بنتا کوئی فریاد رس
ہے جدا میری زباں سے کیا زباں کوے دوست

واعظ اپنی تو وہی جنت وہی فردوس ہے
جاے مل جاے جہاں دو گز میاں کوے دوست

سچ ہے تخریب اس کی کیوں کر ہو سکے تجھ سے فلک
غیر کے ہاتھ آ گیا دارالاماں کوے دوست

تھک کے سالک کس لیے بیٹھے ہو منزل دور ہے
راہ میں تھمتے نہیں ہیں سالکانِ کوے دوست

ردیف ٹ

(۱۰۵)

اچھی ہوئی ہے اور نہ ہوگی جگر کی چوٹ
کچھ آج کی نہیں ہے یہ ہے عمر بھر کی چوٹ

کچھ دل کے اضطراب سے ہوتی ہے آگہی
آتی ہوئی نظر نہیں آتی نظر کی چوٹ

گفتار یار ہی کوئی جادو ہے ، سحر ہے
لگتی ہے بات بات میں دل پر اثر کی چوٹ

سالک ہوں کب سے یوں تو اسی روگ میں، مگر
اب کے بری طرح سے ہے ابھری جگر کی چوٹ

ردیف ث

(۱۰۶)

مخلوق کوئی چیز جہاں میں نہیں عبث
پیدا کیا مجھی کو جہاں آفریں عبث

میں اور کثرتِ ستم و جور کا گلا
تم کو عدو کے کہنے پر آیا یقیں عبث

سالک کچھ ان پہ زور ہے گر وعدہ بھول جائیں
صورت بنائے بیٹھے ہو اندوہ گیں عبث

(۱۰۷)

مجھ کو یوں خاک میں ملانے کا
گردشِ چشمِ سرمہ سا باعث ؟

ہائے میں اور یہ پریشانی
کیا ہے اے کاکلِ دوتا باعث ؟

آنکھ سے کیوں لہو ٹپکتا ہے
دل میں کچھ درد سا ہے، کیا باعث ؟

کیوں مرا ہو گیا ہے یہ احوال
تو ہی بے مہر ، کچھ بتا باعث

میری تخریب کے لیے سالک
ہو گئے ہیں ہزارہا باعث

ردیف ج

(۱۰۸)

ساقی کے دل میں لطف کی گر کچھ بھی آئے موج
مے کا ہر ایک گھونٹ نہ کیا کیا دکھائے موج

دریا کے دم کے ساتھ لگی ہے بقائے موج
پانی پر استوار ہے کتنی بنائے موج

یوں جوش پر ہے بحرِ معاصی تو کیا عجب
ہر ایک تارِ دامنِ تر میں دکھائے موج

ہم آشنائے بحرِ محبت ہوئے تو ہیں
گرداب کی طرح سے نہ چکّر میں آئے موج

غافل سراب گاہِ جہاں سے کنارہ کر
جنبش میں ہر گھڑی ہے لبِ بے صدائے موج

یہ بحرِ عشق ہے تو نہنگِ بلا بہت
گرداب سے نکل کے ہوں کیا آشنائے موج

گر ڈوبنے کو جائیں ترے ناتوانِ ہجر
خس کی طرح کنارے ہی پر پھینک جائے موج

بحرِ فنا سے پار ہو کیا کشتیِ حیات
گستردہ سطحِ آب[1] پہ ہیں دام ہائے موج

تشبیہ دے چکے تری چیں جبیں سے ہم
ڈر ہے کوئی غضب کی نہ بجلی گرائے موج

دیکھیں ڈبوئے کشتیِ امید کس جگہ
ہمراہ ہے کنارے ہی سے ناخدائے موج

جس جائے روئیں بیٹھ کے سالک فراق میں
صحرا بھی ہو تو اس میں سمندر کی آئے موج

(۱۰۹)

طوفاں ہے جوش زن جو یہی چشم تر سے آج
ہم نے تو ہاتھ دھو لیے دیوار و در سے آج

یہ تازہ رشک کس کا ہے دل میں بجز عدو
شاید ملے ہیں وہ مرے پیغام بر سے آج

قسمت کا آب و دانہ ہے صیّاد تیرے ساتھ
ہاں اڑ گئی ہے طاقتِ پرواز پر سے آج

---

۱ - مطبوعہ ''کلیات سالک'' صفحہ ٦٥) میں ''آپ'' غلط ہے - (مرتب)

فردائے حشر کیوں کہ بیاں ہوں گے یہ ستم
ہوتی نہیں ہے بات بھی یاں تیرے ڈر سے آج

یہ نورِ مہر، تیرگیِ شب سے کم نہیں
گزرا ہے کس کا جلوہ الٰہی نظر سے آج

کہنا خدا لگی کہ مقیمانِ کوئے دوست
نکلا ہے منہ چھپائے عدو کس کے گھر سے آج

اس سے تو بے قراریِ فردا ہی خوب تھی
سالک[1] بنی ہے جان پہ دردِ جگر سے آج

(۱۱۰)

لب پر فغانِ شورِ نشور آفریں ہے آج
آجا کہ ضبطِ راز کی طاقت نہیں ہے آج

گھبرا کے لب پر آ گئی کیوں جوشِ یاس سے
کیا جائے تنگ سینے میں جانِ حزیں ہے آج

کیوں غیر کو بلاتے ہو، کیوں ہے یہ اہتمام
فریاد کچھ نئی تو ہماری نہیں ہے آج

رفتار میں سپہر کی سرعت ہے شام سے
اے دل وہ اپنے وعدے پر آئیں یقیں ہے آج

صحرا کے ایک گوشے میں تھک کر رہا ہے بیٹھ
سالک سا ہرزہ گرد بھی خلوت گزیں ہے آج

---

۱ - ''ہنجار سالک'' (صفحہ ۳۷) میں مصرع اس طرح ہے :
سالک بری بنی مجھے دردِ جگر سے آج

ردیف ح

(۱۱۱)

نقدِ جاں تک بھی دوں بہائے قدح
ایک بھی گر کوئی پلائے قدح
ظرفِ ساقی کو جانتا ہوں ، اور
ہوں طلب گارِ خم ، بجائے قدح
ترکِ[1] مے کر چکا ولے اب بھی
ورد رکھتا ہوں میں دعائے قدح
قدحِ مے سے ہو جس طرح لبریز
یوں ہی سر میں بھری ہوائے قدح
کاش میری ہی خاک ہو جس پر
ہاتھ سے اُس کے چھوٹ جائے قدح
جس میں آ جائے ایک خم سالک
ایسی وسعت کہاں سے لائے قدح

(۱۱۲)

بستر سے ایک جان ہؤا تار کی طرح
یہ ضعف سے ہوئی ترے بیمار کی طرح
مجھ پر گماں شکوۂ بیداد کس لیے
جانا ہے مجھ کو بھی کہیں اغیار کی طرح

---

۱ - ''ھنجار سالک'' (صفحہ ۳۷) میں مصرع یوں ہے :
مے جو ملتی نہیں تو مدت سے

آٹھتے نہ بزم میں کوئی فتنہ جو ایک دم
پہلو میں بیٹھ جاؤ دلِ زار کی طرح

رضواں ارم میں جی ہی نہ بہلے تو کیا علاج
جانا کہ سب ہے کوچۂ دلدار کی طرح

اے رشکِ آفتاب چھپایا جو تو نے منہ
ہم گر پڑیں گے سایۂ دیوار کی طرح

وحشت میں پاؤں پڑتے ہیں اس کوچے کی طرف
ہم نشے میں بھی چلتے ہیں ہشیار کی طرح

سالک گزارنے نفسِ چند ہجر میں
آساں نہیں ہے مردنِ دشوار کی طرح

(۱۱۳)

وہ چال دے رہی ہے صدا مرگِ عام کی
ہر ہر قدم پہ کرتے ہیں عاشق نثار روح

کب آتے ہیں وہ، لب پہ ٹھہرنے سے فائدہ
اب کس کی منتظر ہے، شبِ انتظار روح

بیزار بات بات میں ہونا جہان سے
عاشق کے جسمِ زار میں رہتی ہے خوار روح

عاشق بنا کے حق نے مجھے ایک جان دی
پیکر میں میرے پھونکنی[1] تھی چند بار روح

---

۱ - ''کلیات سالک''(صفحہ ۶۷) میں ''پھونکتی'' صحیح نہیں - ''پھونکنی'' تصحیح قیاسی ہے - (مرتب)

ردیف خ

(۱۱۴)

آئے ہیں حسرتِ دیدار میں کس شوق سے ہم
آج تو منہ ہو ترا روزنِ دیوار کے رخ

پٹ پڑی قاتلِ سفّاک کی تلوار تو کیا
خود رکھوں شوقِ شہادت میں گلا دھار کے رخ

کوئی میلہ نہیں ، کیوں جمع ہے خلقت لیکن
وہ سرِ بام چلے آئے ہیں بازار کے رخ

سیلِ گریہ سے مٹے گھر کے نشاں کچھ ایسے
کہ مری یاد سے اترے در و دیوار کے رخ

مر گئے پر کششِ عشق نے چھوڑا نہ ہمیں
پھر گیا قبر میں منہ کوچۂ دلدار کے رخ

ردیف د

(۱۱۵)

فتنے جائیں گے کہاں میرے بعد
روئیں گے اہلِ جہاں میرے بعد

کس کو معلوم نہیں ، عاشق تھا
کیا کریں دوست بیاں میرے بعد

میرے نالوں نے زمیں کو اُلٹا
نہ رہا کوئی مکاں میرے بعد

دہر میں اتنا پھرا تھا کہ رہا
مدتوں شور و فغاں میرے بعد

وعدہ یاں آنے کا آن کو سالک
یاد آ جائے گا ، ہاں میرے بعد

(۱۱٦)

اب انتظارِ روزِ جزا ہے فنا کے بعد
کیا دیکھیے گزرتی ہے روز جزا کے بعد

کیا آے نعش پر وہ مری جو بپا ہؤا
شورِ عظیم ، نالۂ اہلِ عزا کے بعد

اصحاب اس طرح سے ہیں سالک پس از نبی
جیسے نبی کا رتبۂ عالی ، خدا کے بعد

(۱۱۷)

کرے بندہ کیا وصفِ شانِ محمد
خدا نے کیا ہے بیانِ محمد

ہو تفسیر ''سیما ہم'' اپنی جبیں پر
اگر سر ہو اور آستانِ محمد

رہا ساتھ کب ''قاب قوسین'' تک[۱]
کہ جبریل ہو رتبہ دانِ محمد

---

۱ - عروض اور ضرب دونوں بحر متقارب میں محذوف استعمال ہوتی ہیں۔ اس مصرع میں صرف ''ضرب'' محذوف ہے ، یعنی ''فعل''۔ (مرتب)

ردیف ر

(۱۱۸)

یہ صفت تجھ میں نئی ہوگئی بدخو ہوکر
''آپ'' بھی منہ سے نکلتا ہے ترے ''تو'' ہوکر

حال کہتا ہوں تو وہ طنز سے یہ کہتے ہیں
راست گفتار بنے آپ سخن گو ہوکر

پہلے جو بات تھی اعجاز[1] و کرامت مشہور
آگئی ہے تری گفتار میں جادو ہوکر

قہر ہے ، رحم بھی آن کا جگر افگاروں پر
کہ دکھاتے نہیں صورت مجھے مہ رو ہوکر

جانور کیوں کہ بھلا نامہ‌رسانی کرتا
لے گیا شوق سلیماں اسے بازو ہوکر

ہم وفادار ہیں ، کرتے ہیں شکایت کوئی
گر ستائیں وہ ہمیں چرخِ جفا جو ہوکر

بوالہوس کہتے ہیں جمعیّت خاطر اس کو
تو پریشاں نہ ہؤا مائلِ گیسو ہوکر

سر اٹھانے کی تو کیا تاب غنیمت ہے[2] یہی
کہ سلامت رہے سر رونقِ زانو ہوکر

دلِ صد چاک چھٹا ایک شکن سے نہ کبھی
شانہ اس زلف سے نکلا ، سرِ ہر مو ہوکر

---

۱ - ''ہنجار سالک'' (صفحہ ۱۰۳) میں ''اعجاز مسیحا'' ہے - (مرتب)
۲ - ''ہنجار سالک'' (صفحہ ۱۰۲) میں ''بہ ہے'' - (مرتب)

لافِ ہم پالگیِ عارضِ جانان ہے غلط
رنگ بھی چہرۂ گل سے نہ اڑے بو ہوکر

حسن صورت ہو اگر کچھ تو ہے حسن سیرت
تیغ[1] کو کاٹ ملا ، صورتِ ابرو ہوکر

کہہ سکے کون کہ ہے بے سبب آزار یہی
حشر کے روز بھی وہ چھٹ گئے بدخو ہوکر

حسرت اس ضعف پر اپنے ہے کہ تجھ سے فرہاد
عشق نے کام لیا قوتِ بازو ہوکر

کیوں چلا آتا ہے ہر بات پہ رونا سالک
آج اس کوچے سے آیا ہے مگر تو ہوکر

(۱۱۹)

تیری رفتار سے کیا جانے رہے کیا ہوکر
کچھ قیامت نہیں ، رہ جائے جو برپا ہوکر

وہ سراپا ہیں اگر حسن تو ہم بھی ان کو
دیکھتے ہیں ہمہ تن دیدۂ بینا ہوکر

منحصر تیرے ہی در پر نہیں ، عالم ہے وسیع
بیٹھ رہنا ہے ہمیں تو کہیں تنہا ہوکر

ہم سے پوچھو تو کہیں جان گھٹی جاتی ہے
غیر سے ربط بڑھائے کوئی تنہا ہوکر

ظلم کا شوق ہے مرنے نہیں دیتے مجھ کو
طول آزار کو دیتے ہیں مسیحا ہوکر

---

۱ - ''هنجار سالک'' میں یہ مصرع بہ تغیر الفاظ یوں ہے :
''تیغ سفاک بنی صورت ابرو ہوکر''

همت اے پیر مغاں تشنہ لبی کھو[1] میری
جی چرانا کہیں سائل سے نہ دریا ہوکر

واں ہے امید شہادت کہ دم ذبح جہاں
لب سے تکبیر بھی نکلے دم عیسیٰ ہوکر

چرخ ہر چال[2] میں کرتا ہے مجھی کو پامال
ہے وہ کج باز کہ چلتا نہیں سیدھا ہوکر

خلق کو میرے نکلنے کی خوشی ہے کیا کیا
میں رہا کوچۂ جاناں میں تمنا ہوکر

وصل کی رات ہے اور بیم سحر ہے دل میں
عیش بھی ہم کو ملا ہے غم فردا ہوکر

ظاہر اطوار ہیں آغاز محبت میں برے
یوں توجوکچھ کہ ہےقسمت میں رہے گا ہوکر

بے گنہ کش ہیں وہ اور[3] بے سبب آزار فلک
کیا کرے گا کوئی اس دور میں پیدا ہوکر

اجر بیداری صد سالہ ہے قسمت میں اگر
نیند آئے گی مجھے، خواب زلیخا ہوکر

میرے نالے ترے دل میں یہ اثر کرتے ہیں[4]
لب پہ آتے ہیں ترے شکوۂ بے جا ہوکر

---

۱ - کلیات سالک (صفحہ ۷۰) میں ''کو'' اور ہنجار سالک (صفحہ ۴۲) میں ''کھو'' ہے - (مرتب)
۲ - کلیات سالک (صفحہ ۷۰) میں ''حال'' اور ہنجار سالک (صفحہ ۴۲) میں ''چال'' ہے - (مرتب)
۳ - ''اور'' بر وزن فع - (مرتب)
۴ - یہ شعر ہنجار سالک میں نہیں ہے - (مرتب)

کس کو دل دیتے ہو، کیا کرتے ہو دیکھو سالک
ہائے نادان بنے جاتے ہو، دانا ہوکر

(۱۲۰)

ملی ہے چشمِ عبرت ضعف سے خوار و زبوں ہو کر
نظر آتا ہے زیرِ خاک جانا[1] سر نگوں ہو کر
جلا دل سوزِ غم سے اور ہنوز اشکوں میں ہے سرخی
مگر حسرت سرِ مژگاں نکل آئی ہے خوں ہو کر
شبِ عشرت وہ میرا طنز سے شکرِ جفا کرنا
وہ چپ چپ بیٹھنا اُن کا سمجھ کر سر نگوں ہو کر
ہوئی جاتی ہے کچھ صورت دگر گوں سنتے ہی سنتے
تمھارا ذکر آتا ہے مرے آگے فسوں ہو کر
نہ پوچھو مجھ سے کچھ اسباب میری بےقراری کے
وہ بیٹھے ہیں بغل میں غیر کی صبر و سکوں ہو کر
یہ کہتا ہوں کہ حال اُن سے کہوں گا مختصر لیکن
دمِ اظہار لب پر آ ہی جاتا ہے فزوں ہو کر
مری گم کردہ راہی ہر قدم پر آشکارا ہے
مجھے ہر جادہ پیش آیا بیاباں جنوں ہو کر
نہیں ہیں یہ شرارے کوہ کن، فتنے نکلتے ہیں
فلک ہر سنگ میں پنہاں ہؤا ہے بے ستوں ہو کر
نہ روکو حضرت سالک کو اُس کوچے کے جانے سے
سنبھل جائیں گے آخر آپ ہی خوار و زبوں ہوکر

---

۱ - ''کلیات سالک'' (صفحہ ۷۰) میں ''جاناں'' اور ''ہنجار سالک'' میں ''جانا'' ہے - (مرتب)

(۱۲۱)

ہے در و دیوارِ زنداں سے مرے پیدا بہار
کیا چمن میں آ گئی اے بلبلِ شیدا بہار

اُن کو گل گشتِ گلستاں ، ہم کو صحرا گردیاں
اک طرح کا رنگ دیتی ہے جہاں ہر جا بہار

آدمی کیا ، خاک میں بھی اس سے آ جاتا ہے جوش
پر نہ بدلا حال ناصح ، کیا خزاں اور[1] کیا بہار

دیکھنے میں آئنے کے مجھ کو بھی کر لو شریک
کیا مزا آتا ہے تم کو دیکھ کر تنہا بہار

جتنے اچھے ہیں شکایت مند رہتے ہیں یہاں
دستِ تاراجِ خزاں کا کرتی ہے شکوا بہار

ہم تو اک مدت سے اس عالم کو ہیں بھکتے ہوئے[2]
تو نے بھی رنگِ ثباتِ دہر کچھ دیکھا بہار

ہم گریباں چاک کرتے رہتے ہیں ہر فصل میں
کون وحشی ہیں کہ جن سے ہو گئی رسوا بہار

خیر سے سالک گزر جائے شبِ وعدہ کہیں
اس نہ آنے کی سحر اُن کو دکھاؤں گا بہار

---

۱ - ''اور'' بر وزن فع - (مرتب)

۲ - ''کلیاتِ سالک''(صفحہ ۱۷) میں ''بھگتے ہوئے'' اور ''ھنجار سالک'' (صفحہ ۳۹) میں ''بہکتے ہوئے'' کتابت کی فروگذاشت ہے - صحیح ''بھگتے ہوئے'' - (مرتب)

(۱۲۲)

زور چلتا ہے مجھی سے ناتوان و زار پر
تو کرے گا کیا ستم ، اے آسماں ! اغیار پر

پاسباں ہم سا اگر ہو آستانِ یار پر
دھوپ کا آنا بھی مشکل ہو در و دیوار پر

جب بنایا ھی نہیں تو نے تو یا رب کس طرح
مُہر خاموشی لگا دی ہے دہانِ یار پر

حال بزم یار سن کر یاں ہؤا میں مضطرب
یا الٰہی کیا بنی ہوگی وہاں حضّار پر

کل کیا تھا حضرت سالک نے خرقہ رہن مے
آج مے خانے میں اک ساغر پیا دستار پر

(۱۲۳)

کیا کہیٔے کیوں ستم میں ہؤا آسمان شیر
ہوتا ہے بس غریب پہ سارا جہان شیر

کھاتا ہے کون آتے ہوئے تجھ کو اس جگہ
اے موت ! آدمی ہوں نہ میں ناتوان شیر

بس چپ رہو ، سنے کوئی کب تک برا بھلا
کیوں ہو گئی ہے آپ کی مجھ پر زبان شیر

مجنوں کی سمت ناقۂ لیلیٰ کو ہانک دے
بیٹھا نہیں ہے اس طرف اے ساربان شیر

کیا منہ عدو کا ہے جو کرے مجھ سے بڑھ کے بات
تم نے ھی کر رکھا ہے اسے میری جان شیر

شودان[1] سنگھ عدل سے ظالم شکار ہیں
سالک کہو بڑھائے ستم کی دکان شیر

(۱۲۴)

نالاں نہیں کچھ ترے ستم پر
ایسی ہی بنی ہے اپنے دم پر

ہر داغ پر ایک زخم آیا
قاتل کا یہ سکہ ہے درم پر

لو اہلِ جہاں نویدِ فرحت
مائل ہے دل اپنا اخذِ غم پر

کیسی ہی صدا مہیب آجائے
نالے کا گماں کریں وہ ہم پر

سالک سے لیا ہے تم نے دل مفت
یاں اور بھی بیچتے ہیں کم پر

---

۱ - مہاراجا شیو دھان سنگھ والی ریاست الور علم دوست تھے - ۱۸۵۷ع کی تحریک آزادی کے ستم دیدہ ادیبوں اور شاعروں کو انھوں نے اپنی ریاست میں آسائش مہیا کی - سالک ۱۸۵۷ع کے بعد کچھ مدت تک ریاست الور میں مقیم رہے اور وکالت کرتے رہے - ظہیر دھلوی بھی چار برس اسی زمانے میں الور میں رہے - میر مہدی مجروح بھی مہاراجا کے متوسل رہ چکے ہیں - (دیکھیے ''تاریخ ادب اردو'' ترجمہ ہسٹری آف اردو لٹریچر صفحات ۳۱۹ ، ۳۴۰ ، ۳۴۱ ، مطبع نول کشور ۱۹۵۲ع) -

(۱۲۵)

دیکھ لیتے ہیں جو دروازے کے اکثر باہر
تو مجھے ہاتھ سے کہہ دیتے ہیں ''باہر باہر''

نامہ بر سامنے آیا نہ مرے خجلت سے
دے گیا خط مرے دربان کو در پر باہر

کوے قاتل کی زمیں پاؤں پکڑ لیتی ہے
خوں گرفتہ کوئی جاتا نہیں آ کر باہر

نامہ اُس قاتل بے مہر کو میرا دے آئے
گھر سے ہو اپنے اگر کوئی کبوتر باہر

تو بھی آ بام پہ تا فتنہ دوبالا ہوجاے
ہے قیامت سی قیامت مرے سر پر باہر

سالک اور[۱] توبۂ مے کیا ہے جو گھر سے اپنے
توڑ کر پھینک دیے شیشہ و ساغر باہر

(۱۲۶)

گلی سے تیری جو گزرا کبھی اے دل ستاں ہوکر
زمیں واں کی پھری برسوں نظر میں آسماں ہوکر

گرا جو اشک آنکھوں سے وہی خونابۂ دل تھا
رہی جو دل میں حسرت رہ گئی داغِ نہاں ہوکر

اسی گلشن کی مٹی ہے، اسی گلشن میں رہتا ہے
یہیں مٹ مٹ گئے برباد لاکھوں آشیاں ہوکر

---

۱ - ''اور'' بر وزن فع - (مرتب)

نہ ہوتا راہ بر گر جذبۂ الفت زلیخا کا
نہ آتا چاہِ یوسف پر کبھی یوں کارواں ہو کر

وہ چھپ کر انجمن سے ساتھ دشمن کے نکل آئے
پھرے کس کس جگہ ہم جستجو میں بدگماں ہو کر

الٰہی قبر میں انسان کیا پہنچا کہ واں پہنچا
نکالا ہے عدم کے ملک کا رستہ کہاں ہو کر

سوالِ وصل پر اتنا سکوت ، آخر سبب کیا ہے
زباں کو بھی مٹائے دیتے ہو تم بے دہاں ہو کر

نزولِ رحمتِ حق بعدِ مردن کیا ہو عاشق پر
رہے جب بے کسی مرقد پہ چھائی سائباں ہو کر

رقیبوں کے ہیں بھکائے ہوئے چہرے پہ غصہ ہے
چلے آتے ہیں میرے گھر وہ آشوبِ جہاں ہو کر

کیے شب کو اشارے بزم میں تو نے رقیبوں سے
وہ سب دل میں مرے اترے ہیں ظالم برچھیاں ہو کر

تماشا حشر کا بھی ایک دن ہوجائے گا سالکؔ
یہ فتنہ بھی یوں ہی رہ جائے گا اک دن عیاں ہو کر

(۱۲۷)

جنوں میں دشت گردی ہے مرے آثار سے ظاہر
کہ سو سو خار ہیں دامن میں ہر اک تار سے ظاہر

مصیبت ہے اگر صیاد کو مجھ سے ہوئی الفت
صدائے خوش نہ ہو یا رب مری منقار سے ظاہر

پسِ مردن ہماری قبر سے شعلے نکلتے ہیں
ہوا یہ کثرتِ مرغانِ آتش خوار سے ظاہر

حدوثِ حشر سے انصاف کی امید ہے ورنہ
یہ فتنہ روز ہوتا ہے تری رفتار سے ظاہر

یہ نور حسن ہے جو دھوپ میں روشن نظر آیا
تمہارا جھانکنا ہے روزنِ دیوار سے ظاہر

نشانِ سنگ ہائے کودکاں سر پر نہیں سالک
گلِ زخم جنوں ہے گوشۂ دستار سے ظاہر

(١٢٨)

پھری ہوئی ہے کسی کی نظر الٰہی خیر
اجل اشارے کی ہے منتظر الٰہی خیر

شبِ وصال کی آئی سحر الٰہی خیر
طیور جھاڑ کے بیٹھے ہیں پر الٰہی خیر

بتوں کے شر سے نہ ہم کو کبھی نجات ملی
کٹی ہے کہتے ہوئے عمر بھر الٰہی خیر

(١٢٩)

آ کے دنیا میں رہا میں پئے عقبیٰ بے صبر
سچ کہا ہے یہ کسی نے کہ ہے بندا بے صبر

برقِ بے تاب کہوں یا اسے سیماب کہوں
دل بھی قسمت سے ملا ہے مجھے اچھا بے صبر

وصل میں شوق سے اور ہجر میں غم سے بے تاب
ہم نے سالک کو تو ہر حال میں دیکھا بے صبر

(۱۳۰)

انکارِ وصلِ غیر میں خجلت ہے آشکار
اس جھوٹ سے تمھارے صداقت ہے آشکار

واعظ ملے گی خاک میں جب مل چکیں گے ہم
اُدنیٰ یہ ایک خوبیِ جنت ہے آشکار

صدمے اٹھائے فرقتِ جاناں میں اس قدر
چہرے سے رنج بات سے حسرت ہے آشکار

گر پوچھے کوئی، کیسے ہو، کہتا ہوں شکر ہے
یوں منہ بنا کے جس سے شکایت ہے آشکار

سالک جو خاک ہی میں رہے تو چھپی رہے
منعم کے ہر کنایے سے دولت ہے آشکار

ردیف ز

(۱۳۱)

وہ بہانہ جُو جو سن کر نہ لکھے جواب ہرگز
مرے خط کو آسمانی نہ کہو کتاب ہرگز

نہیں فرق عیش و غم میں یہ ہیں دونوں ایک صورت
تری شوخیوں سے یاں کم نہیں اضطراب ہرگز

یہ ہے تیغ اور[1] گلا ہے یہیں زہر بھی دھرا ہے
کہیں نامہ بر تو آئے وہ نہ دیں جواب ہرگز

---

۱ - 'اور' بر وزن فع - (مرتب)

غمِ حشر کیا ہو مجھ کو ، غمِ زندگی بڑھا یہ
کہ عذاب وعدۂ حق نہ رہا عذاب ہرگز

مرے امتحاں کو یا رب وہ ستم نہ کر رہے ہوں
جو دعائیں مانگتا ہوں ، نہ ہوں مستجاب ہرگز

مجھے خاک میں ملانا انھیں ایک کھیل سا ہے
نہ سرِ عنایت ان کو ، نہ سرِ عتاب ہرگز

مری تیرہ روزی اور[1] میں نہیں روزِ حشر کا غم
نظر آئے گا نہ واعظ مجھے آفتاب ہرگز

انھیں مجھ سے ہے یہ نفرت کہ اگر نہ ہوں میں ساقی
تو عدو کی بزم میں بھی نہ پئیں شراب ہرگز

تری چال نے مٹا کر وہ بنائی ایک صورت
کہ جہاں کو اب نہ ہوگا کوئی انقلاب ہرگز

کوئی ایسی جائے جاکر کہو کس طرح پھر آئے
نہیں نامہ بر کو خود ہی طلبِ جواب ہرگز

نہ ہو حسرت اے زلیخا ترا خواب سن کے افزوں
جو نہ آئے خواب میں وہ تو نہ آئے خواب ہرگز

کوئی بزم یا مکاں ہو مجھے اس سے کیا جہاں ہو
مرے سامنے ہو یوں تم کہ نہیں حجاب ہرگز

شبِ غم کٹی ہے سالک ہوئی صبحِ روزِ محشر
مگر آج بھی نہ نکلے کہو آفتاب ہرگز

---

۱ - 'اور' بر وزن فع - (مرتب)

(۱۳۲)

جی ہیچ ، جان ہیچ ، نہ دل ، نے جگر عزیز
سب سے سوا ہے وصل ترا فتنہ گر عزیز

آئی خبر جو اس کی تو جائے گی اپنی جان
اب تو برابر اپنے ہؤا نامہ بر عزیز

لے جائیں اپنی بے ہنروں پاس التجا
رکھتے ہیں لوگ اس لیے کسبِ ہنر عزیز

رہنے نہ دے جو وحشتِ دل ہی تو کیا کروں
وہ کون ہے کہ جس کو نہیں اپنا گھر عزیز

سالک شبِ وصال میں نفرت ہے جس قدر
اس سے زیادہ ہے شبِ فرقت سحر عزیز

(۱۳۳)

خم لڑھائیں سرِ بازار یہ ہے باک ہنوز
شرم میں رہتے آلودہ نہیں پاک ہنوز

مل کے بھی خاک میں اندیشہ ہے اب کیا ہوگا
پہلے ہی ڈھنگ سے گردش میں ہیں افلاک ہنوز

ردیف س

(۱۳۴)

مل مل کے رونے کو گیا احبابِ صاحب دل کے پاس
جاتا ہے دلیا سے مجھے جاتا ہوں اس قاتل کے پاس

چھن چھن کے جلوے حسن کے باہر نکل آئیں گے آپ
بیٹھے رہے یوں ہی اگر تم پردۂ حائل کے پاس

نظّارۂ جاں بخش سے آزار کو دینا ہے طول
رُخ سے نقاب الٹے ہوئے بیٹھے ہیں وہ بسمل کے پاس

ہے دل تو اُن کی بزم میں چلیے یہ حیلہ خوب ہے
کہہ دیں گے تم سے کام کیا آئے ہیں اپنے دل کے پاس

یہ رونقِ داماں نہیں ، اشکِ ندامت بعدِ قتل
بے جرمیِ مقتول کا محضر ہے خود قاتل کے پاس

ہر گام پر دشتِ بلا ، ہر اک قدم میدانِ حشر
جانا بہت دشوار ہے منزل تو کیا منزل کے پاس

اب فتنہ اٹھا ہے کوئی اب انجمن برہم ہوئی
بیٹھے ہو تم جا کر کہاں اغیارِ ناقابل کے پاس

تخریبِ گردوں کیا ہوئی لو اور بھی زینت بڑھی
ہر آہ تارا بن گئی جا کر مہِ کامل کے پاس

گزریں گریباں کو اگر ثابت رہے دو چار روز
جا بیٹھتا ہوں آپ ہی میں ناصحِ جاہل کے پاس

ہیں ناخنِ تدبیر بھی دقّت بڑھانے کے لیے
پھندوں کی صورت بن گئی ہر عقدۂ مشکل کے پاس

ہم کو نکالا کس لیے در پر ہی دیں گے جان آج
بنتا ہے اب ماتم کدہ ظالم تری محفل کے پاس

ہو لیلیِ محمل نشیں ناقے سے کچھ آگے رواں
جذبِ دلِ مجنوں مگر پہنچا نہیں محمل کے پاس

تنہا نہ اس کو چھوڑتے گر چین دیتا کچھ بھی یہ
اللہ تجھ سے مانگتے اک اور دل ہم دل کے پاس

پہنچی تہِ بحرِ فنا جب کشتیِ عمر رواں
آیا زبانِ موج پر لو آ گئے ساحل کے پاس

قاتل تڑپتا چھوڑ کر دشمن کو ایما سیر کا
اے کاش ہوتا زہر ہی رکھا ہؤا بسمل کے پاس

جاتی ہے آہِ نارسا گر چرخ کی جانب تو کیا
بجلی نے گر کر کیا کیا اک کشتِ بے حاصل کے پاس

وصلِ بتاں کی غیر سے تم اور[1] سالک التجا
حسرت بڑھاتی ہے اگر سائل گیا سائل کے پاس

(۱۳۵)

میں ہؤا زینتِ مکانِ قفس
دودِ افغاں ہے سائبانِ قفس

لو اسیرو کرو بیانِ چمن
اور مجھ سے سنو بیانِ قفس

ضعف سے میں نظر نہیں آتا
جانِ صیاد مجھ کو جانِ قفس

تو سمجھتا نہیں مری صیّاد
میں سمجھتا نہیں زبانِ قفس

آ گئی لب تک آہِ آتش بار
اب خدا ہے نگاہ بانِ قفس

نہیں آتی خبر رہائی کی
طالعِ بد ہے پاسبانِ قفس

---

۱ - ''اور'' بر وزن فع - (مرتب)

کس کی فریاد نے ھلائی زمیں
کس پہ ٹوٹا ھے آسمانِ قفس

سالک آنے سے موت کے ھوگا
فائدہ اپنا اور زیانِ قفس

(۱۳۶)

عالم ستم کشی میں یہ میرا ھؤا کہ بس
ان کو فلک نے کرکے ملامت کہا کہ بس

بیٹھے ھوئے ھیں کیا وہ کنارِ رقیب میں
ھوتا ھے خود بخود یہ مرا دم خفا کہ بس

لکھتا خرابیاں مری قسمت میں اور بھی
بولا قلم ھی کاتبِ تقدیر کا کہ بس

ھم مر گئے تو حسرتِ وصلِ بتاں رھی
جیتے رھے تو جینے میں یہ غم سہا کہ بس

اس ڈھب سے اب کے روئیے یوں نالہ کیجیے
بول اٹّھیں ایک بار تو ارض و سما کہ بس

بیٹھے تھے اس سے کہنے کو ھم ماجرائے ھجر
کچھ ھونٹ ھی ھلے تھے وہ کہنے لگا کہ بس

اب تک بھی ھوش میرے ٹھکانے نہیں ھوے
سالک کا حال رات کو ایسا سنا کہ بس

---

۱ - 'اور' بر وزن فع (مرتب)

(۱۳۷)

کیجے بیان خاک ترے روبرو ہوس
نکلی ہے کس کی تجھ سے بھلا فتنہ جو ہوس
کیوں کر سما گئے ہیں دلِ تنگ میں خدا
ارمان ، حسرت ، آز ، امید ، آرزو ، ہوس
اس جستجو میں ایک زمانہ خراب ہے
کرنا نہ وصلِ یار کی ہرگز عدو ہوس
اس بزم کے ہوں دُرد کشوں میں کہ جس میں ہے
مینا امید ، جام تمنا ، سبو ہوس
اے آنکھ کور ہو جو بتوں پر کبھی پڑے
اے دل دو نیم ہو جو رکھے ان کی تو ہوس
دیکھا شب اس کی بزم میں سالک پہ کیا بنی
کھوتی ہے آدمی کی ضرور آبرو ہوس

(۱۳۸)

قیمتِ دل کو نہ پوچھو کہ کہے کیا کوئی
دل ہی لینے کا نہ دیکھے جو خریدار کے پاس
بادہ نوشی کو ملے ظرفِ سفالیں ، اچھے
بنتی ہے مسجد نو ، خانۂ خمّار کے پاس
بند کس واسطے آواز ہوئی ماتم کی
کہیں آ بیٹھے ہیں وہ میرے عزادار کے پاس
یوں تو بے باک نہ جائیں گے وہ ہر روز وہاں
گھر بنا لیتے ہیں ہم خانۂ اغیار کے پاس

دیکھ کر اپنے سے بدتر کو تسلی ہو جائے
ہم شفا پاتے ہیں آ کر ترے بیمار کے پاس
آشنا ہے سرِ وحشت زدہ میرا مالک
جتنے پتھر ہیں پڑے دامنِ کہسار کے پاس

ردیف ض

(۱۳۹)

ملی نہ فرصت جہاں ہو غش سے اٹھی جو کچھ بھی نقابِ عارض
مگر سمجھتے نہیں ابھی تک تم اپنا جلوہ حجابِ عارض
نہ دشتِ ایمن میں ذکر اس کا نہ طور ہی پر کبھی یہ چمکا
نہ ہو نظر میں جو تیرا جلوہ تو مہر کو دوں خطابِ عارض
تصور ان کا ہے مجھ کو ہر دم نہ شب کو تسکیں نہ چین دن کو
ہوئے ہیں اوقات میرے بالکل تباہِ کاکل، خرابِ عارض
خوشی کی کثرت اگر ہو ان کو تو بن کے آنکھوں میں آئیں آنسو
زیادہ یاں تک ہیں اپنی حد سے نہ ٹھہرے عارض میں آبِ عارض
یہ رنگِ بزمِ عدو تو دیکھو کہ لاکھ پردے کیے ہیں حائل
نقاب اٹھائے وہ گو ہیں بیٹھے مگر ہے غیرت حجابِ عارض
الٰہی میری جگر فگاری رقیب سن کر انھیں سنا دیں
وہ مصلحت ہی سمجھ کے آئیں دکھانے کو ماہتابِ عارض
نظر فزا ہے جہاں ہے جلوہ تمہارا احسان سب پہ ہو گا
اٹھاؤ عارض سے تم جو پردہ تو گھٹ نہ جائے گی تابِ عارض
یہ نام جس کا قمر رکھا ہے مجھی سے اک داغ لے گیا ہے
سمجھ تو دیکھو، سمجھ رہا ہے فلک اسی کو جوابِ عارض

کہیں الٰہی شبِ جدائی ، تمام ہونے کو آ گئی ہے
نمودِ صبحِ جزا ہو شاید کہ میں نے دیکھا ہے خوابِ عارض

ہوئی یہ حالِ زبوں کی شہرت کہ اس نے خجلت سے منھ چھپایا
بنا ہے رنگِ شکستہ میرا ، بہت دنوں میں نقابِ عارض

نہ پوچھو ہم سے کہ کیا سبب ہے سیاہ روزی کا اپنی سالک
چمک رہا ہے بہت دنوں سے عدو پہ وہ آفتابِ عارض

(۱۴۰)

پند کا ناصح ہے اور میں دردِ الفت کا مریض
اس زمانے میں ہے ہر اک اپنی عادت کا مریض

ہے[1] ازل آورد یہ آزار اپنے عشق کا
چارہ گر دیکھا ہے کوئی اتنی مدت کا مریض

بعد میرے کس کے آگے روے جا کر پند کو
ہو گیا ہے چارہ آخر ترکِ عادت کا مریض

محفلِ اغیار میں جاتے ہو ، جاؤ ، رشک کیا
ایک پروانہ ہے واں سوزِ محبت کا مریض

عیش ہو یا رنج ہو ، ہر رنگ میں خاموش ہوں
شکر کا عادی ، نہ میں سالک شکایت کا مریض

---

۱ - ''ہنجار سالک'' (صفحہ ۵۴) میں مصرعے کی صورت یہ تھی :
''عشق کا آزار اپنا یہ ازل آورد ہے''

ردیف ط

(۱۴۱)

مجھ ناتواں پہ حشر میں وہمِ فغاں غلط
میں گفتگو کی تاب رکھوں یہ گماں غلط

سب آنکھ بند کرکے عدم کو پہنچ گئے
کرتا نہیں یہ راہ کبھی کارواں غلط

دھوکے سے کھینچتا ہے سوے نجد جذبِ قیس
کرتا ہے یاں کی راہ ہر اک ساربان غلط

تم بھی وہی کہو تو کہیں سب بجا درست
میں بھی وہی کہوں تو کہے اک جہاں غلط

نارِ جحیم کی ہے فقط اک مثال دوں
تا سمجھو تم نہ شکوۂ سوزِ نہاں غلط

بندے کے حق میں آپ ہی چاہیں جو کچھ کریں
سیرِ نجوم و گردشِ ہفت آسماں غلط

گرمی سے اس کے حسن کی کس کا جگر جلا
تشبیہ مہر و روے نکوے بتاں غلط

کہیے اسیرِ خواہشِ سنبل کوئی ہؤا
دینی مثالِ کاکلِ عنبر فشاں غلط

سچ ہے کہ آدمی کو غرض آدمی سے ہے
واعظ بیانِ دلکشِ حورِ جناں غلط

کہہ کر تمام سالکِ غمگیں کا ماجرا
میں نے کہا غلط ہے تو بولے کہ ہاں غلط

ردیف ظ

(۱۴۲)

فتنہ پاتا ہے چین یاں رہ کر
رہتی ہے میرے گھر بلا محفوظ

سالک آفت ہے عشق اور[1] یوں تو
ہر بلا سے خدا رکھے محفوظ

(۱۴۳)

وصل میں تھا لطف گر رہتا لحاظ
کھو دیا اے نشۂ صہبا لحاظ

لیتے لیتے نامِ دشمن رہ گئے
رہ گیا ہے اب تو بس اتنا لحاظ

دہر میں پھیلیں مری رسوائیاں
سالک اب فریاد میں کس کا لحاظ

ردیف ع

(۱۴۴)

اس شعلہ رو کے سامنے جس وقت آئے شمع
جل کر نہ کیوں کہ آنکھ سے آنسو بہائے شمع

وہ آ گیا ہے بزم میں یا ہو گئی ہے صبح
کیوں کم ہوئی ہے بار خدایا ضیائے شمع

---

۱ - ''اور'' بر وزن فع - (مرتب)

اس کا خیال ہی مجھے شمع و چراغ ہے
حاجت نہیں مزار پہ کوئی جلائے شمع
شب ہائے تارِ ہجر میں ڈھونڈھوں سحر کو میں
کہہ دو کہ آفتاب کی کوئی دکھائے شمع
دل کا بخار رو کے نہ ہرگز نکل سکے
اشکوں سے کیوں کہ آتشِ دل کو بجھائے شمع
اس کے فروغِ حسن سے اتنی ہے بے نمود
پروانہ گر چراغ سے ڈھونڈھے نہ پائے شمع
فرماؤ اپنے عارضِ روشن کا کچھ علاج
مانا شبِ وصال نہ کوئی جلائے شمع
اس گرمیِ سخن سے جلاتا ہے جی فقط
خاموش اگر نہ ہو تو[1] نہ آرام پائے شمع
سالک جو مستعار دے پروانہ پر اسے
اس پر نثار بزم میں ہونے کو آئے شمع

(۱۲۵)

انصاف کی ہے مرگ سے اے فتنہ گر طمع
پوچھیں نہ پوچھیں حشر میں ہم کو مگر طمع
انعام کی ہے مجھ سے عبث بخیہ گر طمع
رکھتا ہے اور زخم کی میرا جگر طمع
چندے رہیں جو نالے یہی نارسائیاں
بن جائے گی ہماری امیدِ اثر طمع

---

۱ - ''کلیات سالک'' (صفحہ ۱۸۱) میں سہو کتابت سے 'تو' رہ گیا ہے۔ ''ہنجارِ سالک'' میں ہے - (مرتب)

زاهد نے خواب میں کبھی دیکھا ہے باغِ خلد
اہلِ خرد تو کرتے ہیں کچھ دیکھ کر طمع

دونوں جہان ملتے ہیں اُن کے عوض مگر
اللہ بڑھ گئی ہے مری کس قدر طمع

کر لے فلک سے عشق، قضا سے لگا لے جی
لیکن رکھے نہ وصلِ بتاں کی بشر طمع

میں نے کہا کہ نیم نگہ دل کا مول ہے
ہنس کر کہا خدا سے ڈرو اس قدر طمع!

دشمن ہو درمیاں تو نہیں وصل بھی قبول
میں اور تجھ سے اے فلکِ کینہ‌ور طمع

سالک کا نام بے نقط اورا وہ بھی بے نقط
گھیرے نہ اس کو کیوں کہ رہے بیش تر طمع

ردیف غ

(۱۴۶)

کب تک غمِ فراق میں انساں اُٹھائے داغ
نعمت تو کچھ نہیں ہے کہ ہر روز کھائے داغ

کھویا برہنگی کو مری سر سے پاؤں تک
کیا ٹھیک آ گئی مرے تن پر قبائے داغ

مانا کہ میں ہی حشر میں کوثر کو پی گیا
پر کیوں کہ جائے گی تپشِ دیرپائے داغ

---

۱ - 'اور' بر وزنِ فع - (مرتب)

بچ جائے جان ، آتشِ بے زینہار سے
یارب درون سینہ ہو دوزخ ، بجائے داغ
ظاہر ہوں آہِ شعلہ فشاں سے تو کیا علاج
مانا کہ جی کے جی ہی میں ہم نے چھپائے داغ
پھاہا دھروں جو مرہمِ کافور کا کبھی
اس کو بھی پیرھن ہی سمجھ کر جلائے داغ
نے نالہ ، نے فغاں ، ہے نہ فریاد ہے ، نہ آہ
اب رہ گیا ہے سب کے عوض لب پہ ہائے داغ
میں نے شبِ فراق میں تارے گنے تمام
تجھ سے بھی اے فلک مری گنتی میں آئے داغ
ظلمت کدے سے اپنے ہو باہر کسی طرح
آشوبِ حشر کو کہیں رستہ دکھائے داغ
تجھ سے نہ ایک مہر بھی اے چرخ چھپ سکا
ایسے ہزار سینے میں ہم نے چھپائے داغ
سالک کھلے ہیں داغ جگر پر کچھ اس قدر
پیدا ہوئی ہے دیکھ کے دل کو ہوائے داغ

(۱۴۷)

روشن ہماری قبر کا ہے جاوداں چراغ
رکھا ہے داغِ عشق نے دل میں نہاں چراغ
داغِ درونِ سینہ بجھے ہیں نہ بجھ سکیں
بجھتا نہیں جو ہو تہِ داماں نہاں چراغ
دیکھو گے صبح لیتی ہے کس طور انتقام
پروانے کو جلا کے ہے نازش کناں چراغ

اچھا ہے داغِ دوریِ دنیا لگا رہے
بعدِ فنا لحد میں میسر کہاں چراغ
مجھ سا ہی تو بھی تفتہ دروں گر نہیں تو کیوں
باہر نکل پڑی ہے دہن سے زباں چراغ
روشن بیاں کہیں مرے استاد سا نہ پائیں
سالک اگر لیے پھریں اہلِ جہاں چراغ

ردیف ف

(۱۲۸)

میں عدم سے جو چلا عالمِ امکاں کی طرف
آنکھ پہلے ہی پڑی کوچۂ جاناں کی طرف
وہ مرے چاکِ گریباں کا ملامت گر ہے
یاں نظر پڑتی ہے ناصح کی گریباں کی طرف
گر چلوں اور طرف جی میں ارادہ کرکے
پاؤں پڑتے ہیں مرے کوچۂ جاناں کی طرف
قابلِ دید ابھی سے ہوئی وحشت اپنی
کہتے ہیں سیر کو آئیں گے وہ زنداں کی طرف
آسماں خاک میں شاید کہ ملا کر رویا
نظر آتی ہے گھٹا ، گورِ غریباں کی طرف
ڈر گئے دیکھ کے گھر پر مرے فتنوں کا ہجوم
صبح منہ کرکے نہ سوئی شبِ ہجراں کی طرف
وہ چلے بھی گئے اغیار کی جانب سالک
کون آتا ہے مرے کلبۂ احزاں کی طرف

(۱۴۹)

آبِ سرشک کیوں کہ ہو چشمِ پُر آب صاف
ہے کب غبار سے دلِ خانہ خراب صاف

کیوں بات منہ سے صاف نکلتی نہیں ہے پھر
قاصد اگر ملا نہیں واں سے جواب صاف

مظلومِ بے گنہ کو کوئی پوچھتا نہیں
کہہ دے نہ مجھ سے داورِ روزِ حساب صاف

اچھوں میں ایک عیب بھی سالک ضرور ہے
کہتا ہے دیکھ داغِ رخِ ماہتاب صاف

ردیف ق

(۱۵۰)

دراز اتنی نہ ہوتی جو داستانِ فراق
تمام حشر کے دن کرتے ہم بیانِ فراق

ہمارے لب سے گیا، ہنستے ہنستے نالہ نکل
گئی نہ وصل میں بھی عادتِ زمانِ فراق

ہوئی نہ ان سے میسر کبھی ہم آغوشی
مٹا نہ دل سے مرے داغِ جاودانِ فراق

سنی کسی نے نہ زنہار سن[۱] سکے کوئی
زباں پہ لاؤں اگر سوزشِ نہانِ فراق

---

۱ - 'ہنجار سالک' (صفحہ ۴۸)میں 'سن' کی جگہ 'بس' غلط ہے - (مرتب)

اب آشنائے شکایت کبھی نہ ہوں سالک
کہ ہوگیا ہوں بہت کہنہ کاروانِ فراق

ردیف ک

(۱۵۱)

نہ دیتے رخصت ان کو ، دیتے سر تک
جیا اب کون نالے کے اثر تک

دعا یہ مانگ کر جاتا ہوں گھر سے
نہ آؤں پھر کے یارب اپنے گھر تک

وہ مشتاقِ اسیری ہوں کہ صیّاد
ہلایا دام میں میں نے نہ پر تک

وہی ظالم گیا جو رہ گزر سے
ہجومِ خلق تھا دشمن کے گھر تک

سنا کیوں حالِ وصلِ غیر میں نے
جیا کیوں بازگشتِ نامہ بر تک

شہادت میں شریک اس کو بھی کر لوں
چلے لے کر جو اس قاتل کے در تک

یہی طولِ شب غم ہے تو سالک
قیامت ہم پہ گزرے گی سحر تک

(۱۵۲)

چھڑکا ہے ایک کان کا زخموں پہ یاں نمک
ہو جائے گا جہان میں اب تو گراں نمک

پانی کے بدلے خاک پہ مجھ دل فگار کی
برسائے کیا عجب ہے اگر آسماں نمک

حسنِ ملیحِ عارضِ جاناں پہ خط کہاں
روئیدگی ذرا نہ ہو نکلے جہاں نمک

شکلِ ملیح دوست ہے سالک خیال میں
گفتار سے نہ کیوں کہ ہو میری عیاں نمک

ردیف ل

(۱۵۳)

اک عمر سے ہے لب پہ مرے ہائے ہائے دل
کوئی اگر سنے تو کہوں ماجرائے دل

کیا ایسی چیز ہے کہ کہیں ہم نہ جائے دل
جائے پر اس طرح کہ کسی پر نہ آئے دل

عرشِ عظیم جس کو سمجھتے تھے سو کہاں
مانا کہ داغِ دل کو سمجھ لیں بجائے دل

سب کچھ عیاں ہے دیدۂ خونابہ بار سے
دل میں جو غم سمائے تو بر میں سمائے دل

ناچار صرفِ دیدۂ خوں بار ہوگیا
پوچھو نہ صورتِ جگر و ماجرائے دل

سینے میں اک کھٹک تو ہے گو اور کچھ نہیں
اے چشمِ دجلہ بار کہیں بہہ نہ جائے دل
آواز بیٹھ جائے تو مجبور ورنہ ہم
کرتے رہیں گے بیٹھے ہوئے ہائے ہائے دل
ہم اور اس کو دیکھ سکیں بزمِ غیر میں
سالک ابھی تو دیکھیے کیا کیا دکھائے دل

(۱۵۴)

اٹھ کے در سے ترے کیوں کر نہ ہو جانا مشکل
ہم کو ہے اور زمانے میں ٹھکانا مشکل
مجھ سے خود رفتہ کو کیا لذتِ وصلِ جاناں
وہ[۱] جو آئیں بھی تو ہے آپ میں آنا مشکل
صبح سے پہلے، شبِ وصل یہ اوسان گئے
ساغرِ مے میں ہؤا زہر ملانا مشکل
ہاتھ کیا چرخِ ستم گار پہ اٹھے میرا
ضعف سے دستِ دعا بھی ہے اٹھانا مشکل
کھو دیا کرتے ہیں عشاق اسی طور سے جان
تم نے پروانے کے جل جانے کو جانا مشکل
کوچۂ یار ہے جنت ہے عدم ہے کیا ہے
آدمی کو ہے وہاں جا کے پھر آنا مشکل
کیوں کہ ممنون نہ ہوں میں اپنی گراں جانی کا
ان کو نظروں سے ہؤا میرا گرانا مشکل

---

۱ - ''ہنجار سالک'' (صفحہ ۵۰) میں 'وہ اگر آئے بھی' ہے - (مرتب)

پہلے ہی تیشہ یہ بولا تھا دمِ کوہ کنی
کوہ کن ! صدمۂ فرقت ہے اٹھانا مشکل
کس سیاہی سے خدا جانے لکھا کرتے ہیں
خطِ تقدیر جبیں سے ہے مٹانا مشکل
کام سالک نکل آتا ہے وہ نادانوں سے
جان لیتے ہیں جسے مردمِ دانا مشکل

ردیف م

(۱۵۵)

مایوس و نا امید ہیں کیا مدعا سے ہم
کہتے ہیں اور کہتے ہیں کس التجا سے ہم
آئے نہ باز تا بہ قیامت وفا سے ہم
کیجے ستم کہیں گے نہ ہرگز خدا سے ہم
ہے حسرتِ پیام تو رشکِ پیام بھی
خط دے کے پھیر لیتے ہیں بادِ صبا سے ہم
کاش اے سپہر تجھ سے ہی رکھتے تو سہل تھیں
وہ خواہشیں جو رکھتے ہیں اس بے وفا سے ہم
ہے چارہ گر کو لافِ مداوائے دردِ عشق
منہ پر تو کچھ بھی کہہ نہیں سکتے حیا سے ہم
کہتے رقیب ہی کی طرح سے تو مانتے
عرضِ وصال کرتے ہیں کس التجا سے ہم
فرطِ نشاطِ وصل سے ڈر ہے کہ مر نہ جائیں
ذکرِ غمِ فراق ہی چھیڑیں بلا سے ہم

ھو جائے گر وصالِ بتاں کی دعا قبول
ساری خدائی مانگ لیں سالک خدا سے ھم

(۱۵۶)

آخر تو لائیں گے کوئی آفت فغاں سے ھم
حجت تمام کرتے ھیں آج آسماں سے ھم

ھیں شوق میں دلیلِ قدم کے نشاں سے ھم
آگے بڑھے ھوے ھیں بہت کارواں سے ھم

تم آ گئے تو ھوش کہاں ، میزباں ھو کون
آج آپ اپنے گھر میں ھیں کچھ میہماں سے ھم

یہ جستجو ھے یار کی خود ، رفتگی نہیں[1]
کیا جانے کتنی دور گئے ھیں جہاں سے ھم

کیا کیا حکایتیں نہیں دل میں بھری ھوئیں
چپ ھو رھے ھیں کثرتِ عجز بیاں سے ھم

بے اختیار رازِ نہاں اُن سے کہہ دیا
مجبور آپ ھو گئے اپنی زباں سے ھم

چپ چپ پڑے ھوے تھے ابھی خانقاہ میں
کچھ کچھ کُھلے ھیں بیعتِ پیر مغاں سے ھم

یاں بھی زمین پر نہ ٹکے پاؤں ایک جا
گردش میں کم رھے نہ کبھی آسماں سے ھم

یاں جس کی جستجو ھے وہ منزل ھی اور ھے
ملتے نہیں ھیں جان کے خود کارواں سے ھم

---

۱ - 'ھنجار سالک' (صفحہ ۵۱) میں مصرع اس طرح ھے :
'یہ تیری جستجو ھے خود زرفتگی نہیں'

سالک خبر نہیں کہ پس از مرگ کیا بنے
چھوٹے ہیں اپنے زعم میں ہجرِ بتاں سے ہم

(۱۵۷)

یوں عیاں تجھ کو دیکھتے ہیں ہم
کہ نہاں تجھ کو دیکھتے ہیں ہم

نہیں وادید ماسوا درکار
بے نشاں تجھ کو دیکھتے ہیں ہم

غیر کی واں نظر نہیں جاتی
اب جہاں تجھ کو دیکھتے ہیں ہم

دیدنی کچھ نہیں زمانے میں
جاوداں تجھ کو دیکھتے ہیں ہم

جان دینے پہ کیوں نہ[1] ہوں راضی
جاں ستاں تجھ کو دیکھتے ہیں ہم

یوں کریں ہم کو پائمال عدو
آسماں تجھ کو دیکھتے ہیں ہم

یوں وہ گل گشت کو چلے آئیں
گلستاں تجھ کو دیکھتے ہیں ہم

آج اپنا کہا سنا ہو معاف
ناگہاں تجھ کو دیکھتے ہیں ہم

آرزو گو کہ ایک حرف ہے تو
داستاں تجھ کو دیکھتے ہیں ہم

---

۱ - 'کلیاتِ سالک' (صفحہ ۸۷) میں 'نہ ہو' غلط ہے - 'نہ ہوں' 'ہنجارِ سالک' میں صحیح ہے - (مرتب)

نہ کریں اب کلیم سے بھی کلام
ہم زباں تجھ کو دیکھتے ہیں ہم

ہم اور[1] اغیار سے گلا تیرا ؟
بدگماں تجھ کو دیکھتے ہیں ہم

اور کرنا ہے چرخ کو دشمن
مہرباں تجھ کو دیکھتے ہیں ہم

اس کا آنا یقیں ہے کیا سالک
نگراں تجھ کو دیکھتے ہیں ہم

(۱۵۸)

رسمِ الفت سے نہیں آگاہ ہم
ضبط کی جا کھینچتے ہیں آہ ہم

سر جھکا کر بند کر لیتے ہیں آنکھ
ڈھونڈھتے ہیں کس گلی کی راہ ہم

دشتِ الفت کو کیے بیٹھے ہیں طے
نام کو ہیں سالکِ گمراہ ہم

ردیف ن

(۱۵۹)

حسن کی کس شے سے پیدائی نہیں
وا ہیں یوں آنکھیں کہ بینائی نہیں

---

۱ - 'اور' بر وزنِ فع - (مرتب)

عقل کو کاموں میں تیرے دخل کیا
اپنی دانائی بھی دانائی نہیں

ہیں ترے بیمار کتنے اہلِ ظرف
لب پہ دعوائے مسیحائی نہیں

تو ہمارے ساتھ ہے ہر حال میں
ہم کو خلوت میں بھی تنہائی نہیں

کب ہوئیں آنکھیں تصور میں نہ بند
کب تری صورت نظر آئی نہیں

کس جگہ ملتا نہیں تیرا سراغ
دشت میں بھی ہرزہ پیمائی نہیں

نورِ ذاتِ کبریا ہر شے میں ہے
کس صفت میں جلوہ آرائی نہیں

ہم ہیں یوں گم گشتہ اس کی راہ میں
عمر بھر اپنی خبر پائی نہیں

بند تھیں آنکھیں تو کچھ پردہ نہ تھا
کھل گئیں آنکھیں تو بینائی نہیں

چاہیے ہر مو سے حمدِ کردگار
آدمی محتاجِ گویائی نہیں

قصد سالک کب کیا توحید کا
ٹھوکر اس رستے میں کب کھائی نہیں

(۱٦۰)

یاد اُس کی بزم کب آئی نہیں
اک جہاں ہے کنجِ تنہائی نہیں

شورِ افغاں[۱] بن کے لب پر آ گیا
دل میں جس غم نے جگہ پائی نہیں

چارہ گر لذت شناسِ درد ہوں
احتیاجِ چارہ فرمائی نہیں

تھی شکیبائی علاجِ اضطراب
چارۂ رنج شکیبائی نہیں

کارگاہِ بے ثباتِ دہر کیا
آفتِ جانِ تماشائی نہیں

ہوں نہ جب مختار اپنے فعل کے
پھر کسی پر جرمِ خود رائی نہیں

بے خبر ہے میرے حالِ بد سے کون
عشق میں کس سے شناسائی نہیں

---

۱ - افغاں - ا (بہ فتح ہمزہ) فریاد ، آہ ، نالہ، بانگ - فغاں ہم می گویند و نیز افغان نام طائفۂ ساکن افغانستان ، مردم افغانستان کہ آں ها را افاغنہ ہم می گویند (فرہنگ عمید صفحہ ۱٦۴) مولف فرہنگ عمید کے برخلاف مولانا غیاث الدین مؤلف غیاث اللغات فغاں کو بالضم لکھتے ہیں اور یہ بھی لکھتے ہیں کہ بالکسر شہرت ہے لیکن لہجۂ عراقیاں سے بالضم مسموع ہے - اور فغاں کے معنی نالے اور فریاد کے ہیں لیکن نالے سے فغاں بلند تر ہے اور اصل میں ناقوس کے معنی ہیں - (دیکھیے غیاث اللغات ، صفحہ ۳۲۷ - مرتب) -

لائیں آگے شورِ فغاں سے آج ہم
وہ قیامت جو کبھو[1] آئی نہیں

قدر کیا نیرنگِ قدرت کی اسے
آپ جو اپنا تماشائی نہیں

ایک ہوتے ہم بھی سالک دہر میں
پر کوئی تدبیر بن آئی نہیں

(۱۶۱)

دل جہاں سے اٹھائے بیٹھے ہیں
سب کو دیکھے دکھائے بیٹھے ہیں

چاکِ دامن یہ کہہ رہا ہے کہ ہم
دل کے ٹکڑے اڑائے بیٹھے ہیں

وہ سرِ بزم حال کیا پوچھیں
میرے مطلب کو پائے بیٹھے ہیں

اب اجل کیوں کہ آئے گی دیکھوں
وہ عیادت کو آئے بیٹھے ہیں

کرتے ہیں یوں دعا کہ ہم گویا
ہاتھ اثر سے اٹھائے بیٹھے ہیں

اگر آتے ہیں وہ تو آنے دو
ہم بھی آنکھیں بچھائے بیٹھے ہیں

---

۱ - بجائے 'کبھی' سالک نے 'کبھو' جو متروک ہوچکا تھا، استعمال کیا ہے - شیفتہ اور قلق جو سالک کے معاصر ہیں، اُن کے یہاں بھی اس کا استعمال پایا جاتا ہے - (مرتب) -

اُس کے دل میں اثر کر اے گریہ
غیر کیا گھر بنائے بیٹھے ہیں

اُس کے وعدے کو جانتے ہیں ہم
شام سے زہر کھائے بیٹھے ہیں

در سے وحشت زدوں کو خود نہ اٹھا
یہ کوئی ایک جائے بیٹھے ہیں ؟

اب تو لب تک بھی آ نہ اے نالے
ہم تجھے آزمائے بیٹھے ہیں

تم بھی کر جاؤ پائمال کہ ہم
نقشِ ہستی مٹائے بیٹھے ہیں

کس کو دیکھ آے حضرتِ سالک
آج کچھ مُنہ بنائے بیٹھے ہیں

(۱۶۲)

گزاری زندگی کوے بتاں میں
مری گردش مجھے لائی جہاں میں

اِدھر بجلی ادھر خس آشیاں میں
خرابی اپنی مضمر ہے فغاں میں

ترے کوچے کی مجھ پر راہ ہے تنگ
کہ آنا ہے نگاہِ پاسباں میں

سراپا جاں کی صورت ہے مفہوم
رہا اب کیا تمھارے ناتواں میں

سنو اچھی طرح اور پھر نہ ہو رحم
اثر ہے یہ ہماری داستاں میں

ازل سے تا ابد ہے[1] ایک ہی سانس
دھرا کیا ہے حیاتِ جاوداں میں
دغا دینا نہ کچھ دن اور اے صبر
ستم آخر ہے اب[2] کے امتحاں میں
کہوں خواہش نہ تم سے پر کروں کیا
زباں کو آپ جنبش ہے دہاں میں
دلِ بے تاب سے دم ناک میں ہے
مجھے جانے دو بزمِ دل ستاں میں
خدا پر کام اپنا چھوڑ سالک
نہ رہ اندیشۂ سود و زیاں میں

(۱۶۳)

احباب عیادت کو مری آئے ہوئے ہیں
پر حال کچھ ایسا ہے کہ گھبرائے ہوئے ہیں
ہم بیٹھے ہیں یوں منتظر اس راہ گزر میں
گویا کہ اسی شوخ کے ٹھہرائے ہوئے ہیں
آنا ہے تو آ جاؤ کہ حیلے نہ ہوں آخر
اب تک دلِ بے تاب کو بہلائے ہوئے ہیں
اے غیر نہ جانا کہیں اس لطف پر آن کے
مدت سے اسی دھوکے میں ہم آئے ہوئے ہیں
یوں پوچھتے ہیں حال کہ سمجھے نہیں گویا
ہم خوب سمجھتے ہیں کہ سمجھائے ہوئے ہیں

---

۱ - 'ہنجار سالک' (صفحہ ۵۳) میں 'اک دم ہے اے خضر' ہے - (مرتب) -
۲ - 'ہنجار سالک' (صفحہ ۵۳) میں 'اس کے' ہے - (مرتب) -

ممکن نہیں وہ آنکھ اٹھا کر مجھے دیکھیں
یوں بزم میں بیٹھے ہیں کہ شرمائے ہوئے ہیں

انکارِ ہم آغوشیِ اغیار بجا ہے
کل میرے ہی بستر پہ تو کمھلائے ہوئے ہیں

تاثیر ہے افسردہ دلی کی کہ نئے زخم
ہر چند نمک سود ہیں مرجھائے ہوئے ہیں

جب تھک کے تری راہ میں بیٹھے تو کھلا حال
جو کھوئے گئے ہیں وہ' تجھے پائے ہوئے ہیں

زانو پہ ہے سر بیٹھے ہیں دروازے پہ سالک
کیا محفلِ جاناں سے نکلوائے ہوئے ہیں

(۱۶۴)

مریضِ عشق ہوں کب تک دوا کیے جاؤں
دوا اثر نہیں کرتی ، دعا کیے جاؤں

ضد اُن کو اور ہو کیوں التجا کیے جاؤں
عدو کے حق میں کہاں تک بھلا کیے جاؤں

شبِ وصال کا آتا ہے گر خیال کبھی
تو چاہتا ہوں یہی تذکرا کیے جاؤں

قیامت آئے نہ جب تک تم اس میں راضی ہو
کہ میں فغاں سے قیامت بپا کیے جاؤں

اُدھر وہ ناز کہ پوچھیں نہ بات بھی سن کر
ادھر یہ عجز کہ میں التجا کیے جاؤں

---

۱ - 'ھنجار سالک' (صفحہ ۵۰) میں 'وھی کچھ' ہے - (مرتب) -

شکیب و تاب و تواں مجھ کو دے چکے ہیں جواب
تمھیں کہو کہ کہاں تک وفا کیے جاؤں

ہجومِ نالہ و افغاں سے لب فگار ہوئے
یہ شکر تو نہیں جس کو ادا کیے جاؤں

جو ان بتوں سے خدا اب کے پھیر دے دل کو
تو دل میں ہے کہ خدا ہی خدا کیے جاؤں

پھریں گے دن تو خموشی بھی کارگر ہوگی
اثر نہیں ہے تو پھر کیوں بکا کیے جاؤں

مرے فسانے کو کافی اگر ہو روزِ جزا
بیانِ داورِ روزِ جزا کیے جاؤں

بلا سے کیوں نہ درازی شبِ فراق کو ہو
بیانِ قصۂ زلفِ دوتا کیے جاؤں

اگر رقیب کے کہنے سے تم نہ دو آزار
سپاسِ لذتِ جور و جفا کیے جاؤں

خدا کرے کہ سمجھ جائیں یہ کنایہ وہ
ابھی تو چرخِ بریں کا گلا کیے جاؤں

سنی نہیں ہے مگر تم نے بے وفائیِ عمر
تمھیں کہو کہ کہاں تک وفا کیے جاؤں

نقاب چہرے سے الٹو کہیں کہ میں کب تک
شکایتِ نگہِ نارسا کیے جاؤں

یہ کیا ضرور ہے ہو جائے آج وصلِ بتاں
خدا کبھی تو سنے گا، دعا کیے جاؤں

کہیں سے زہر بھی لا دے تو سالکؔ احساں ہو
مریضِ عشق ہوں کب تک دوا کیے جاؤں

(۱۶۵)

دام دل کے واسطے رکھتے ہیں دلبر ہاتھ میں
یوں تو ہوتی ہیں لکیریں ایک سی ہر ہاتھ میں

دیکھنا شوقِ شہادت ، میں اور[1] ان سے یہ کہوں
آپ سے اکثر لیے پھرتے ہیں خنجر ہاتھ میں

برق ہے سیماب ہے اک شعلۂ جوّالہ ہے
سچ تو ہے دل کو ہمارے لیں وہ کیوں کر ہاتھ میں

چاہیے اتنا تو چشمِ مستِ ساقی کا اثر
ہاتھ سے اس کے لیا جائے نہ ساغر ہاتھ میں

رنگ اصلی ہاتھ کا رنگِ حنا پر چھا گیا
سمجھے وہ رنگِ حنا ٹھہرا نہ دم بھر ہاتھ میں

ہم نے مانا بے سر و ساماں رہے ہم عمر بھر
تیرے کیا آ جائے گا چرخِ ستم گر ہاتھ میں

سالکِ وحشت زدہ جنگل سے کیا پھر آ گیا
شہر کے لڑکے لیے پھرتے ہیں پتھر ہاتھ میں

(۱۶۶)

ترکِ کیفیتِ دنیا ہمیں منظور نہیں
ورنہ اک دم میں پہنچتے ہیں ، عدم دور نہیں

پوچھتے ہو کہ مجھے غیر کے گھر دیکھا تھا
جان کے خوف سے کہہ دیتے ہیں مجبور نہیں

---

۱ - 'اور' بر وزنِ فع - (مرتب) -

رخصت اک دم کی اسیرانِ قفس کو صیّاد
کہ اب آ جاتے ھیں اتنا تو چمن دور نہیں

غیر سے کام ھے تخریبِ جہاں سے کیا کام
لوگ کیوں ڈرتے ھیں، نالہ ھے مرا صور نہیں

بدگماں مرگ سے ھے چارۂ حرماں مطلب
ھوسِ خلد نہیں، آرزوے حور نہیں

چارہ‌گر اب تو یہ حالت مری پہنچی ھے کہ بس
وصلِ جاناں بھی علاجِ دلِ مہجور نہیں

دیکھنا صبحِ شبِ وصل بھی ھے کیا ھی بلا
میں تو میں شمع کے منہ پر بھی ذرا نور نہیں

پاے جاتے ھیں بُرے داغِ جگر کے اطوار
گرچہ اب تک یہی کہتے ھیں کہ ناسور نہیں

ق

کیا کہوں حالتِ بےتابیِ امید جواب
کوے جاناں میں چلا جاؤں یہ مقدور نہیں

کبھی کہتا ھوں کہ قاصد کو کیا قتل اس نے
کبھی کہتا ھوں کہ ایسا کہیں دستور نہیں

کیوں، ترے دیکھتے ھی مجھ کو غش آجاتا ھے
تجھ میں گر جلوۂ ایمن کوئی مستور نہیں

آج جاتے ھیں ھم اُس بزم میں سالک کہ جہاں
رحم کا ذکر، وفا کا کہیں مذکور نہیں

---

۱ - یہ شعر 'کلیات سالک' میں نہیں، 'ھنجار سالک' میں ھے - (مرتب)

(۱٦٧)

ہم بھی جو نالہ اے فلکِ کینہ جو کریں
تو ھی بتا کہ تیری کہاں جستجو کریں

آ جائے دل مباد کسی ظلم دوست پر
پہلے ستم کشی کی فلک ھی سے خو کریں

کب دیکھیے قفس سے رھائی نصیب ھو
کیا آمدِ بہار کی ہم آرزو کریں

کچھ تو رہے نمود بھی اے[1] ضعف دیکھنا
گر حشر میں خدا کے مجھے روبرو کریں

جس خاک پر کسی سے گری ھو کہیں شراب
وہ خاک صرفِ کوزہ و جام و سبو کریں

یاں مثلِ گل ثبات ہے یک روزہ اے نسیم
باغِ جہاں میں کیا ھوسِ رنگ و بو کریں

ہم کو ستم کشی کے عوض میں ملی[2] بہشت
کیوں کر نہ شکرِ جور و جفائے عدو کریں

ممکن ہے خوں نہ ٹپکے رقیبوں کی آنکھ سے
زخمِ دل و جگر کی جو ہم گفتگو کریں

یا دشت یا وہ کوچہ، ٹھکانے یہی ہیں دو
سالک ہم اور تیری کہاں جستجو کریں

---

۱ - 'ھنجار سالک' (صفحہ ۷۵) میں 'اے' اور 'کلیات سالک' (صفحہ ۹۴) میں 'اب' ہے - (مرتب)

۲ - 'ھنجار سالک' (صفحہ ۷۵) 'ملی بھشت' اور 'کلیات سالک' (صفحہ ۹۴) میں 'بھشت ہے' - (مرتب)

(۱۶۸)

ہؤا ہوں جادہ پیما جب سے میں دشتِ مغیلاں میں
کہ اے مجنوں نشانِ پا نہ تھا تیرا بیاباں میں
غضب[1] کے ہیں اشارے ان بتوں کی چشمِ فتّاں میں
نظر آتے ہیں رخنے سیکڑوں کے دین و ایماں میں
نہ وہ آئے نہ نیند آئی شبِ وعدہ مگر یا رب!
ہماری نیند لے کر سوے اُس کے پاؤں داماں میں
سبک[2] دوشی نہ بعدِ قتل بھی ہم کو ملی قاتل
کہ پاتے ہیں زیادہ بوجھ سر سے تیرے احساں میں
یہ[3] حیرت چھا گئی آتے ہی اُس کے اہلِ محفل پر
کہ سب ہیں اور پھر گویا نہیں کوئی شبستاں میں
گناہِ تہمتِ معشوق اک اچھا بہانہ تھا
رہے ہمراہِ یوسف ہی زلیخا کیوں نہ زنداں میں
جنونِ عشق نے مجھ کو خجل کیا ہوں ندامت سے
گریباں بھی نہیں ناصح کہ منہ ڈالوں گریباں میں
مرے سورابِ گریہ کو چھڑک دے زخم پر قاتل
نمک تیز اس قدر ہوگا کہاں تیرے نمک داں میں

---

۱ - یہ مطلع ثانی 'کلیات سالک' (صفحہ ۹۴) میں ہے - 'ہنجار سالک' کی اشاعت کے بعد اضافہ کیا گیا - (مرتب)

۲ - یہ شعر بھی 'ہنجار سالک' میں نہیں ہے - 'کلیات سالک' کی ترتیب کے وقت اضافہ ہؤا - (مرتب)

۳ - یہ شعر بھی 'ہنجار سالک' میں نہیں ہے 'کلیات سالک' کی ترتیب کے وقت اضافہ ہؤا - (مرتب)

ہماری ناتوانی[1] جامعِ اضداد ہے گویا
گراں ہیں[2] دوست کے دل پر سبک ہیں[3] چشم درباں میں

جو اچھے ہیں وطن سے بھی نکل کر رہتے ہیں اچھے[4]
وہی باہر ہے قدرِ بوے گل جو تھی گلستاں میں

نہیں تھا نقش کوئی نام گر عالم فریب اس میں[5]
تو کیا تھا پھر نگینِ خاتمِ دستِ سلیماں میں

سرشک افشانیوں نے جوشِ وحشت کا مزا کھویا
کسی جا خاک اڑانے کو نہیں ملتی بیاباں میں

بیانِ عارضِ دل دار میں کب چین آتا ہے
کوئی رخنہ نہ جب تک ڈالیے مہرِ درخشاں میں

بلندی اخترِ بختِ زلیخا کی سمجھ اس کو
نہیں یہ حضرتِ یوسف کا گرنا چاہِ کنعاں میں

غنیمت ہے جو ہوکر فتنۂ محشر ہی رہ جاے
خدا جانے بھرا ہے کیا ابھی اس چشم فتّاں میں

بتائیں آدمی اس خاک سے جب حال ظاہر ہو
کہ کیا کیا حسرتیں مٹّی ہوئی ہیں کوے جاناں میں

مرے ہمراہ وہ گل پیرہن ہی گر نہیں سالک
تو میں کیا خاک اڑانے کے لیے جاؤں گلستاں میں

---

۱ - 'ھنجار سالک' (صفحہ ۵۷) میں 'مری یہ ناتوانی' ہے (مرتب)
۲ ، ۳ - 'ھنجار سالک' (صفحہ ۵۷) میں 'ھیں' کی جگہ 'ھوں' ہے (مرتب)
۴ - یہ شعر بھی بعد میں کہا گیا ہے - 'ھنجار سالک' میں نہیں ہے - (مرتب)
۵ - 'ھنجار سالک' (صفحہ ۵۸) میں مصرع یوں ہے :
"تری صورت نہ تھی گر نقش ، اے عالم فریب اس میں"

(۱۶۹)

ادھر پہنچے ترے در پر اُدھر آئے شبستاں میں
نہ ٹھہرے لاغری سے ہم کبھی چشمِ نگہباں میں
چھڑایا اب کے یہ فصلِ خزاں نے جی گلستاں میں
چمن کیسا، نہ باندھوں آشیانہ باغِ رضواں میں
ظہورِ صبحِ محشر تک نہ لے کروٹ بھی وہ کشتہ
سلائے جس کو تو اے تیغِ قاتل اپنے داماں میں
ملا کیا جذبِ الفت، مل گئے گویا خضر ہم کو
کہیں جائیں پہنچ جاتے ہیں لیکن کوے جاناں میں
سمائے بزم میں کیوں کر ترے عشّاق کا مجمع
زیادہ اس سے در پر ہے جو کثرت ہے شبستاں میں
نہ دیکھا تیرا جلوہ ہی جو دنیا میں تو کیا دیکھا
رہا اک کورِ مادر زاد گویا مشرقستاں میں
اگر جذبِ زلیخا الفتِ یعقوب سے کم تھا
کنویں میں گر کے یوسف کیوں نہ اُلٹے آئے کنعاں میں
زباں پر آے دل کے بھید سب مضمون بن بن کر
پشیماں ہیں ہم اپنا نام لکھ کر اپنے دیواں میں
ادھر روتے مجھے دیکھا اُدھر دشمن میں جان آئی
مگر ہے چشمۂ حیواں کا پانی چشمِ گریاں میں
یہ عقدہ کھل گیا ہم پر کوئی حسرت نہ نکلے گی
کہ ارماں دل میں ہیں اور[۱] دل ہے اس زلفِ پریشاں میں

---

۱ - 'اور' بر وزن فع - (مرتب)

بٹھا دے گا ، بہا دے گا یہ گریہ گھر کوئی دم میں
هم اس کشتی میں بیٹھے هیں جو اب آتی ہے طوفاں میں

نہ کر انکارِ خرقِ عادتِ پیرِ مغاں زاهد
تصرف هے کہ یوں چلتا هے ساغر بزمِ رنداں میں

تصور سامنے رکھتا هے وہ تصویر کا عالم
کہ اک صورت نظر آتی هے میری چشمِ حیراں میں

بسر کیوں کر کروں طولِ شبِ فرقت یہ کہتا هے
ازل سے تا ابد دو روز هیں ایامِ هجراں میں

قیامت کا بیاں تو کرچکا ، هم سن چکے واعظ
بہت کھیل ایسے لڑکے کھیلتے هیں کوے جاناں میں

تعجب هے دعاے مرگ یوں مقبول هو جائے
مگر تھی آرزوے غیر شامل اپنے ارماں میں

جھکی جاتی هے کیوں ساتھ آنکھ کے گردن شبِ وعدہ
دبے جاتے هو تم تو آپ هی کچھ اپنے احساں میں

اگر لے آؤں لب پر بھی تو سمجھے مدعی کیوں کر
نہاں هے اور هی کچھ راز اپنے رازِ پنہاں میں

کیا پھر رفتگاں کے غم کو تازہ مرگِ سالک نے
بھروسا زندگی کا کیا هے ، کیا رکھا هے انساں میں

(۱۷۰)

یوں تو ناچیز خاکسار ہوں میں
تیرے دل میں ہوں وہ غبار ہوں میں

اختر و آسمان و ناصح و غیر
کس کس آفت سے اب دوچار ہوں میں

میری لوحِ مزار لرزاں ہے
بعد مردن بھی بے قرار ہوں میں

میرا[۲] ہی زہد تو ریائی ہے
سچ ہے زاہد گناہ گار ہوں میں

جنبشِ نبض سے لرزتا ہوں
چارہ گر اس قدر نزار ہوں میں

کوئی دم نالے سے نہیں خالی
غم میں سب کا شریکِ کار ہوں میں

ضعف سے گو نظر نہیں آتا
نالے سے سالک آشکار ہوں میں

(۱۷۱)

اے کائنات سیر کو تجھ سا چمن کہاں
پر مجھ کو مہلتِ مژہ برہم زدن کہاں

میں ہی سیہ گلیم ہوں کیا پوچھتے ہو تم
برق ستم گرائے گا چرخِ کہن کہاں

---

۱ - 'کلیات سالک' (صفحہ ۹۷) میں وارد نہیں ہے - 'ہنجار سالک' (صفحہ ۵۸) میں ہے - (مرتب)

۲ - 'کلیات سالک' (صفحہ ۹۷) میں 'میری' اور 'ہنجار سالک' (صفحہ ۵۸) میں 'میرا' ہے - (مرتب)

واں ایک کھیل بڑھمیِ روزگار ہے
وہ انجمن میں آئیں تو پھر انجمن کہاں

خود رفتگی میں بادیہ پیما ہؤا ہوں میں
مجھ سے نہ پوچھیے کہ ہے بیت الحزن کہاں

رکھتی تھی ایک چھیڑ سی دل میں خراش کی
تیشے کے زخم میں یہ مزا کوہ کن کہاں

دل کو کسی شکن میں چھپایا تو کیا ہؤا
ظالم چھپے گی زلف شکن در شکن کہاں

آوارگانِ بادیۂ جستجوے یار
اب اس تلاش میں ہیں کہ ہے راہ زن کہاں

منظور رعبِ حسن کا ہے امتحاں آسے
یوں بات پوچھتا تھا وہ بیداد فن کہاں

لے کر خیالِ غیر نہ آؤ خیال میں[1]
دل میں مرے سمائے گی یہ انجمن کہاں

ہر داغ پر ہے داغ تو ہر زخم پر ہے زخم
تمیز[2] داغِ تازہ و زخمِ کہن کہاں

ہو رشکِ ہم کناریِ دشمن تو دل کہے
اتنا فشار اور وہ نازک بدن کہاں

حق ناشنو ہوں، لوگ تو کھوتی ہے بات بھی[3]
'منصور' تجھ کو طاقتِ ضبطِ سخن کہاں

---

۱ - 'ہنجار سالک' (صفحہ ۹۵) میں مصرع کی صورت یہ ہے :
باصد خیالِ غیر نہ آؤ خیال میں
۲ - 'ہنجار سالک' (صفحہ ۹۵) میں 'تمیز' سہو کتابت ہے - (مرتب)
۳ - یہ شعر ''کلیات سالک'' میں نہیں ہے - 'ہنجار سالک' سے لیا گیا (مرتب)

لالہ بھی داغ کھا کے نکلتا ہے خاک سے
مرقد میں چین سالکِ خونیں کفن کہاں

(۱۷۲)

تم جسے اچھا کہو ، لازم ہے میں اچھا کہوں
غیر کے حق میں یہ کیا کہتے ہو اُس کو کیا کہوں
جان ہی جائے پر آن سے اب جو ہے کہنا کہوں
میرے کہنے کو بھی گنجائش نہ ہو ایسا کہوں
شکوہ کب اپنی زباں سے ہو کہ ہو سکتا نہیں
میں زبانِ غیر سے بھی آپ کو بے جا کہوں
سر لگا ہے آن کے قدموں سے مرا حیران ہوں
اپنے سجدے کا نشاں یا آن کا نقشِ پا کہوں
باطن آن کا وہ کہ ہر دم دل پہ دزدیدہ نگاہ
گفتگو میں ہے یہ استغنا کہ بے پروا کہوں
غور سے دیکھوں اگر اپنے جنونِ عشق کو
مجھ کو سودا ہے کہ پھر صحرا کو میں صحرا کہوں
راہ پر آیا نہ اس سے بھی دل بے راہ رو
داغِ ہجراں کو چراغِ راہِ نابینا کہوں
وسعت آبادِ دلِ مشتاقِ وصلِ یار کو
آرزو کا اک جہاں ، امید کی دنیا کہوں
امتحاں تک دیکھیے بنتی ہے کیا کچھ جان پر
لطف میں جس کے ستم ہو پھر ستم کو کیا کہوں
پستیِ طالع نے اس عالم کو اب پہنچا دیا
چاہیے تحت الثریٰ کو عالمِ بالا کہوں

رحم کھا کر وہ نہیں سنتے کسی کی بات کو
کیوں کروں فریاد و زاری، راز کیوں دل کا کہوں

مر گیا میں اور[1] نہ دیکھی آس کی ھی شام فراق
عمر اپنی نیم روزِ عشرتِ اعدا کہوں

ہجر میں جس طور گزری یوں ھی گزری جائے گی
'دی' کو 'امروز' اور 'فردا' کو پسِ فردا کہوں

ھوں موحد ماسوا پر کب پڑے میری نظر
غیر کو ساتھ اُن کے گر دیکھوں تو میں تنہا کہوں

ھیچ ھوں سالک مگر ھوں وہ حقیقت آشنا
ذرے کو مہرِ درخشاں قطرے کو دریا کہوں

(۱۷۳)

لہو کا رنگ مری چشمِ تر میں خاک نہیں
کہ دل میں حال نہیں اور[2] جگر میں خاک نہیں

تمھارے جی میں ھے باقی غبار کچھ اب بھی
دم آج عاشقِ شوریدہ سر میں خاک نہیں

ھمارے گریے نے وحشت کی آبرو کھوئی
کہیں اڑانے کو آتی نظر میں خاک نہیں

قفس کو کیوں کہ نہ دارالاماں کہوں اپنا
کہ تاب و طاقتِ پرواز پر میں خاک نہیں

عدو کے سامنے کیا خط کا مانگتا تھا جواب
تمیز، عقل، سمجھ، نامہ بر میں خاک نہیں

---

۱ - 'اور' بروزن فع - (مرتب)
۲ - 'اور' بروزن فع - (مرتب)

شگاف ڈالے ھیں سیلابِ گریہ نے یاں تک
که فرق اب مرے دیوار و در میں خاک نہیں
اڑائی خاک یہاں تک جنونِ الفت میں
که لوگ کہتے ھیں سالک کے گھر میں خاک نہیں

(۱۷۴)

طلبِ وصل پہ کہتے ھو بہ‌تکرار نہیں
خوش ھوں دو نفیوں میں اثبات ھے انکار نہیں
خاک پر میری طرح سے جو پڑا رھتا ھے
تجھ پہ عاشق تو ترا سایۂ دیوار نہیں
کیوں نہ لوں زھر بھی دے جائیں اگر وہ مجھ کو
جی سے بیزار ھوں کچھ اُن سے تو بیزار نہیں
اس زمانے میں تو مر کر بھی غنیمت ھے نجات[1]
مرض الموت سے بہتر کوئی آزار نہیں
کرکے آرائشِ حسن آپ چلے کیوں بے باک
خانۂ غیر تماشا گہِ بازار نہیں
سوگئے پاؤں بھی کیا تیری طرح سے اے بخت
یہ درِ یار ھے اور[2] طاقتِ رفتار نہیں
تجھ سے دشمن کی ھے گردش پہ مدارِ شب و روز
ھاں فلک صبحِ شبِ ھجر کے آثار نہیں

---

۱ - یہ شعر 'ھنجار سالک' میں نہیں ھے - 'کلیات سالک' میں ھے ، بعد کا اضافہ ھے - (مرتب)
۲ - 'اور' بروزن فع - (مرتب)

کچھ خریدار سے بھی زیب ہے اے مایۂ حسن
جنسِ تنہا سببِ گرمیِ بازار نہیں

یاں وفا ترک ہو واں ظلم یہ کیوں کر مانوں
مجھ کو جو سہل نہیں کیا انھیں دشوار نہیں

میں تو معراج سمجھتا ہوں پہنچنا لیکن
واں چلا ہوں کہ فرشتے کو جہاں بار نہیں

ہم[1] کو دیدار دکھائے نہ کوئی اے موسیٰ
تجھ کو جانا کہ اسے طاقتِ دیدار نہیں

گر قناعت میں کوئی دونوں جہاں دے سالک
تو کہوں رہنے ہی دیجے ، مجھے درکار نہیں

(۱۷۵)

نے گرد سامنے نہ جرس کی صدا کہیں
میں کارواں سے دور ، کہیں کا رہا کہیں

تھوڑی سی رہ گئی ہے مری عمر ہجر میں
اے صبر ! چند روز نہ دینا دغا کہیں

ظلمت بہ قدرِ سایہ بڑھی اور بخت میں
ہوتی ہے یاں سعادتِ ظلِّ ہما کہیں

کرنے پڑے ہیں یار کی مرضی پہ کاروبار
اے آہ ! لب پر آ کے نہ ہو نارسا کہیں

لکھ کر تمھارا نام یہ بے خود ہؤا ہوں میں
اپنا بھی نام خط میں نہ میں نے لکھا کہیں

---

۱ - یہ شعر 'ہنجار سالک' (صفحہ ۶۱) میں ہے ، کلیات سالک میں نہیں ۔ (مرتب)

پرسش کا خوف ہے تو اُٹھانا نہ ایک گام
بیٹھے رہو کہ حشر نہ ہووے بپا کہیں

کیوں چپ ہوئے وہ سن کے شبِ وصل میرا حال
اُن کو خیالِ ہجرِ عدو آ گیا کہیں

اے شمع کاٹتے ہیں زباں تیری کس لیے
مذکور بزمِ یار میں میرا کیا کہیں

اٹھتے کسی طرح سے نہیں ہیں وہاں سے وہ
اے گریہ تو ہی گھر کو عدو کے[1] بٹھا کہیں

سن سن کے رات بھر مری فریاد کو کہا[2]
دیتا نہیں ہے موت بھی اس کو خدا کہیں

سوفار کیوں کہ دل سے ترے تیر کا کھنچے
قاتل ہؤا ہے گوشت سے ناخن جدا کہیں

سالک اسی سے عشق و ہوس میں ہے امتیاز
کر بیٹھنا نہ بہرِ عدو بد دعا کہیں

(۱۷۶)

تم کو کیا، تار جو باقی مرے داماں میں نہیں
مر تمھارا تو خجالت سے گریباں میں نہیں

کچھ تغیر مرے احوالِ پریشاں میں نہیں
ایسے عالم میں ہوں جو عالمِ امکاں میں نہیں

---

۱ - 'ھنجار سالک' (صفحہ ۶۱) میں 'کے' سہوِ کاتب سے رہ گیا ہے۔ (مرتب)

۲ - 'ھنجار سالک' (صفحہ ۶۱) میں یہ شعر نہیں ہے۔ ''کلیات سالک'' میں ہے۔ (مرتب)

یوں ہیں آمادہ زمانے کی دل آزاری پر
آپ گویا کہ کسی کے دلِ نالاں میں نہیں

مبتذل ہو کے مگر فتنۂ محشر بن جائے
وہ اشارہ کہ تری نرگسِ فتّاں میں نہیں

آتش افروز نہیں ، داغِ نہاں کہتے ہو
شعلہ گویا کہ چراغِ تہِ داماں میں نہیں

لافِ دیوانگی اور غیر ، مگر خیر ہے یہ
پھول پتھر کی جگہ دامنِ طفلاں میں نہیں

صبحِ محشر بھی دکھائی نہیں دیتی یا رب
روزِ بد بھی تو نصیبِ شبِ ہجراں میں نہیں

دیکھ تو توڑ کے سینے کو ہے نکلا ظالم
کوئی حسرت تو ترے تیر کے پیکاں میں نہیں

یاں ترے عشق میں ظاہر سے ہے باطن بڑھ کر
دل میں جو چاک ہیں وہ جیب و گریباں میں نہیں

یہ بھی ہے طالعِ بیدارِ عدو کی خوبی
خواب میری ہی طرح چشمِ نگہباں میں نہیں

رشک ہے سب میں نہ پھیلے کہیں لب پر آ کر
ذکر تیرا مری گفتارِ پریشاں میں نہیں

قصۂ حضرتِ آدم جو سنا ہو سالک
تو مجھے جان کہ میں کوچۂ جاناں میں نہیں

---

۱ - 'اور' بر وزن فع - (مرتب)

(۱۷۷)

مجھ کو گردش مرے ہاتھوں سے بیاباں میں نہیں
پاؤں الجھے ہوئے کب چاکِ گریباں میں نہیں

پھر تو کہیے کہ اثر نالہ و افغاں میں نہیں
جان لو خیر آسی کی جو شبستاں میں نہیں

کاش گزرے تو سہی روزِ قیامت بن کر
پر گزرنے کی گھڑی یاں شبِ ہجراں میں نہیں

آج واعظ کو ہے دعوائے ثباتِ اجرام[1]
صور گویا کہ مرے نالہ و افغاں میں نہیں

وحشتِ عشق کو ثابت قدمی بھی ہے ضرور
قیس کا نقشِ قدم تک بھی بیاباں میں نہیں

ہو گیا ذوق فزائے خلشِ یادِ مژہ
کون کہتا ہے کہ لذت ترے پیکاں میں نہیں

کیوں مرے پیرہنِ چاک سے نفرت ہے تمھیں
آپ کے پاؤں مرے گوشۂ داماں میں نہیں

سچ تو ہے رہ گزرِ سیل میں ٹھہرے کوئی کیا
اب تصور بھی ترا دیدۂ گریاں میں نہیں

صبح ہونے دو شبِ وصل یہ خنجر ہے یہ زہر
کاٹنی عمر مجھے حسرت و ارماں میں نہیں

جوشِ وحشت نے مرے دہر کو جاہل رکھا
ایک مدت سے کوئی طفل دبستاں میں نہیں

---

۱ - 'کلیات سالک' (صفحہ ۱۰۲) میں 'اجرام' اور 'ہنجار سالک' (صفحہ ۶۹) میں 'احرام' ہے - (مرتب)

وہمِ ہم خلوقیِ غیر غلط ہے لیکن
کیوں مجھے چین ترے سایۂ ایوان میں نہیں
جوشِ نومیدیِ یعقوب نہ دیکھوں تو کہوں
آج جو مصر میں ہنگامہ ہے، کنعاں میں نہیں
لب تک آ جائے تو اُلٹا جگر و دل کو جلائے
کیوں کہ مانوں اثر آہِ شرر افشاں میں نہیں
عشرتِ غیر تماشا، مری ویرانی کھیل
واقعی نفع و ضرر طینتِ خوباں میں نہیں
دشتِ وحشت میں اڑے پھرتے ہیں آرام سے ہم
جو صفت ضعف میں ہے، تختِ سلیماں میں نہیں
جس کا ہر لفظ نہ وہ شوخ کنایہ سمجھے
شعر ایسا کوئی سالک مرے دیوان میں نہیں

(۱۷۸)

جو خواب میں تجھ کو دیکھ پائیں
یوسف کو خیال میں نہ لائیں
گرتی ہیں فلک سے جو بلائیں
کیا ہو مرا گھر اگر نہ پائیں
آجائے گا فرق نازکی میں
محفل سے مجھے نہ آپ اٹھائیں
ہو تم بھی ستم شریک اس کے
میں چرخ کی سہہ چکا جفائیں
اعجاز ہے تیرا یہ بھی اے عشق
سینے میں یہ حسرتیں سمائیں

ڈرتا ھوں میں اپنی لاغری سے
ایسا نہ ہو، جی سے وہ گرائیں

فرقت میں ہؤا ھوں زندہ درگور[1]
عیسیٰ سے کہو مجھے جلائیں

ہے بند درِ قبول سالک
پھر آئیں زباں پہ کیوں دعائیں

(۱۷۹)

جانا عدو کی بوالہوسی کو برا نہیں
کیا تم گناہ گار کو دیتے سزا[2] نہیں

دشمن فلک زمیں پہ ٹھکانا ذرا نہیں
گویا ہمارے واسطے کچھ بھی بنا نہیں

ہر دل عزیز یوں ھی رہے تم جو چند روز
ملنے کا آشنا سے کوئی آشنا نہیں

کہنے چلے ہیں اُس سے ہم افسانۂ فراق
جو حرف حرف سن کے کہے کچھ سنا نہیں

پھرتے ہیں دادخواہ ترے حشر میں خراب
تو پوچھتا نہیں تو کوئی پوچھتا نہیں

وہ عیش غیر کو ہے کہ جس کو نہیں زوال
ہم کو ملا وہ درد کہ جس کی دوا نہیں

---

۱ - یہ شعر 'عنجار سالک' (صفحہ ۶۲) میں ہے - 'دیان سالک' میں نہیں - (مرتب)

۲ - 'عنجار سالک' (صفحہ ۶۲) میں لفظ 'سزا' کی جگہ 'جزا' ہے - (مرتب)

سالک کسے نہیں ہے مرے حال کی خبر
وہ کون سی جگہ ہے کہ نالہ گیا نہیں

(۱۸۰)

کیوں مرے نامے کا جواب نہیں
آسمانی کوئی کتاب نہیں

پردہ رخ سے آدھا کہ حصہ ضرور
میرے ابرام کا جواب نہیں

کیوں ہوں امیدوارِ روزِ جزا
ہم کسی جائے کامیاب نہیں

تم چلے ہو عدو کے پاس ضرور
فتنۂ حشر ہم رکاب نہیں

ترکِ عادت بھی اک عداوت ہے
مجھ کو تسکیں ہے اضطراب نہیں

ظلم دیکھو کہ شکوہ کرتے ہوئے
اس وفا پر تجھے حجاب نہیں

مجھ سے دو چار ہی یہ صرف ہؤا
کہ کبھی غیر پر عتاب نہیں

کچھ[۱] رسائی نگاہ کی ہے ضرور
پردۂ نہ فلک حجاب نہیں

گھیر لے گی زمیں کو سیلِ سرشک
یہ سمندر ہے ، کچھ سراب نہیں

---

۱ - 'شمجار سسک' (صفحہ ۶۱) میں 'کچھ' کی جگہ 'یہ' ہے - (مرتب)

جان لوں کیوں کہ زیست سے بدتر
مرگ بھگتا ہؤا عذاب نہیں
سب ہیں اس بزم میں مگر[1] سالک
تو ہی اے خانماں خراب نہیں

(۱۸۱)

برق بن کر ترے مہجور جیا[2] کرتے ہیں
تپشِ دل کی تڑپنے سے دوا کرتے ہیں
کار دانانِ قضا دیکھیے کیا کرتے ہیں
روز ہم روزِ جزا روزِ جزا کرتے ہیں
شکر کیجے مگر افسردہ سے ہو کر کیجے
تا وہ صورت ہی سے جانے کہ گلا کرتے ہیں
نہیں ڈرتے مری فریاد سے تم جانتے ہو
شعرا حشر زبانی ہی بپا کرتے ہیں
شرم کی بات ہے دشمن سے مدد کی خواہش
کیوں نظر جانبِ افلاک کیا کرتے ہیں
یاس ہے وصلِ بتاں سے کہ چلے ہم کعبے
چارہ کچھ بن نہیں آتا تو دعا کرتے ہیں
دیکھ کر مجھ کو جو غصے سے اٹھے وہ سرِ بزم
سب نے جانا مری تعظیم سوا کرتے ہیں

---

۱ - 'ہنجار سالک' (صفحہ ۶۳) میں مگر کی جگہ 'ولے' ہے - (مرتب)
۲ - 'ہنجار سالک' (صفحہ ۶۴) میں جیا اور کلیات سالک (صفحہ ۱۰۴)
میں 'حیا' ہے 'جیا' صحیح ہے - (مرتب)

یار کا وصل تو کیا گر نہ ہو قسمت سیدھی
سہل سے کام بھی دشوار ہؤا کرتے ہیں

جائیے آپ ابھی صبحِ شبِ وصل مگر
دیکھتے جائیے ہم کو بھی کہ کیا کرتے ہیں

کٹ گئی عمر یوں ہی حضرتِ ناصح افسوس
ہم سنا کرتے ہیں اور[1] آپ کہا کرتے ہیں

یاں وہ آزار پسندی ہے کہ اس قسمت پر
چرخ سے ہم گلۂ بختِ رسا کرتے ہیں

غور سے دیکھ کہ معدوم ہیں ہستی کے نقوش
پر وہ دل کش ہیں کہ آنکھوں میں رہا کرتے ہیں

کیا ملے مبداء فیّاض سے دیکھیں ہم کو
آج اندازۂ تسلیم و رضا کرتے ہیں

جن کو تقدیر نے دی روشنیِ نیّرِ بخت
شمع کو وقفِ رہِ بادِ صبا کرتے ہیں

نور و ظلمت کی ہے کیا اہلِ بصیرت کو تمیز
سایۂ طور میں بے ہوش رہا کرتے ہیں

تہِ ہر حرف لکھا کرتے ہیں سو دفترِ صدق
دار پر چڑھ کے جو اظہارِ خطا کرتے ہیں

دل میں ہم رکھتے ہیں عشقِ نبوی کو سالک
دیکھ کعبے میں مدینے کی بنا کرتے ہیں

---

۱ - اور بر وزن فع - (مرتب)

(۱۸۲)

عشق ہے غیر سے ، چھپتے ترے انداز نہیں
ہے وہ ناز اس کو جو تجھ پر بھی تجھے ناز نہیں

یہ وفا اپنی وہ ظلم آپ کے سب جان گئے
جس کو ہم راز سمجھتے ہیں وہ اب راز نہیں

بزمِ اغیار میں پروانے کو دیکھا تم نے
یہ نہ دیکھا کہ کوئی عاشقِ جاں باز نہیں

جاں بہ لب ہوں کہو بچنا مجھے کیوں کر ہو یقیں[۱]
تم مسیحا نہیں ، میں قائلِ اعجاز نہیں

ناتوانی کی ہے یہ شان نہ ڈرنا صیّاد
دل سے اُڑتی جو مرے خواہشِ پرواز نہیں

یہ بھی دو وقت کٹے اوسطِ ایّامِ فراق
ابد انجام نہیں ، یاں ازل آغاز نہیں

آنکھ نیچی نہ ذرو ، غیر سے ملنا ہے غلط
تم بجا کہتے ہو مجھ کو کہ نظر باز نہیں

شبِ غم زمزمہ سنجانِ سحر کیوں ہیں خموش
کہ مرا بختِ سیہ سرمۂ آواز نہیں

جو نہ سائی سے کھنچی ہے وہ نظر میں اپنی
تیری تصویر کو کچھ حاجتِ پرواز نہیں

شب بسر کرنی ہے آؤ بیٹھ کے سالک اب تو
آؤ مسجد میں درِ مے کدہ گر باز نہیں

---

۱ ۔ 'ھنجار سالک' (صفحہ ۶۵) میں یہ صورت ہے :
'کیوں کر مجھے آ جائے یقیں'

(۱۸۳)

یہ انقلاب اُس نگہِ فتنہ زا کے ہیں
ہر کام میں قدر کے کرشمے قضا کے ہیں

بیٹھے ہوئے تھے آپ ہی ہم شرمسار سے
کیوں خوش وہ بزمِ غیر سے ہم کو اٹھا کے ہیں

برتے شبِ وصال کے برتاؤ غیر سے
باتوں میں اُن کی ڈھنگ مری التجا کے ہیں

اب فلسفی کو خرقِ فلک میں ہے عذر کیا
گر یہ ہی رنگ شورشِ آہِ رسا کے ہیں

کافی ہے ایک میری وفا سب کے واسطے
مانا کہ لاکھ شیوے تمہاری جفا کے ہیں

مجھ سے نہ پوچھو حال مرا اُن سے پوچھ لو
جو دوست آپ جیسے رقیب آشنا کے ہیں

سالک پہ صبر تجھ[1] پہ جفا ختم ہو گئی
ہم نے بھی دیکھے لاکھوں[2] ہی بندے خدا کے ہیں

(۱۸۴)

اُن سے ظالم کا امتحاں[3] اور میں
یہ ستم تیرے آسماں اور میں

کبھی کہتا ہوں اب وہ آتے ہیں
کبھی کہتا ہوں وہ کہاں اور میں

---

۱ - 'ہنجار سالک' (صفحہ ۶۶) میں اُن ہے - (مرتب)
۲ - 'ہنجار سالک' (صفحہ ۶۶) میں سہو کاتب سے رہ گیا ہے - (مرتب)
۳ - پوری غزل کی ردیف میں 'اور' بروزن 'فع' آیا ہے - (مرتب)

بے قراری دلا رہی ہے یاد
ہائے وہ تیری شوخیاں اور میں

نہیں سنتا کوئی کسی کی جہاں
غمِ ہجراں کی داستاں اور میں

آخر آ ہی گئی فغاں لب پر
ضبطِ رازِ غمِ نہاں اور میں

چرخ بھولا ہؤا ہے کیا گردش
یار کے گھر میں میہماں اور میں

کچھ کہے جاؤ کچھ سنے جاؤ
تم سے دو چار بدگماں اور میں

وہ گلی اور رات بھر پھرنا
دور باشِ نگاہ باں اور میں

فکرِ دشواریِ مطالب میں
ایک بے چارہ رازداں اور میں

آئیے ورنہ دیکھ لیجیے گا
ہر جگہ آپ کا بیان[1] اور میں

پوچھ سالک نہ میرا گھر مجھ سے
رات دن ہے درِ بتاں اور میں

(۱۸۵)

لذتِ نیشِ غمِ پنہاں مگر رکھتے نہیں
زخم پر جو خواہشِ زخمِ دگر رکھتے نہیں

---

۱ ۔ 'ھنجار سالک' (صفحہ ٦٧) میں 'یہاں' سہوِ کاتب ہے ۔ (مرتب)

قتلِ عاشق میں اگر تم کچھ خطر رکھتے نہیں
یاں بھی رکھتے ہیں وہ سر جس کی خبر رکھتے نہیں

غیر[1] سے کہہ کہہ کے اُس نے یوں نکالا ڈر مرا
وہ ہی نالے روز کے ہیں جو اثر رکھتے نہیں

خانہ بردوشی ہماری پوچھیے ہم سے نہ کچھ
گھر کہاں ہم آپ کے دل میں بھی گھر رکھتے نہیں

وعدے پھر آنے کی رکھتے ہیں توقع اُن سے ہم
جو نزاکت سے قدم بیرونِ در رکھتے نہیں

صبح ہوتی ہے تو ہم سو یاس سے کرتے ہیں شام
شام ہوتی ہے تو اُمیدِ سحر رکھتے نہیں

جن سے اُٹھ سکتا نہیں فرہاد صدمہ ہجر کا
ایک حیلے پر وہ مرنا منحصر رکھتے نہیں

دیدۂ تر نے کیا واعظ کے آگے لاجواب
کس طرح کہہ دیں کہ ہم دامانِ تر رکھتے نہیں

کہہ رہے ہیں ماجرائے اشکِ خونیں اُن سے ہم
دل میں جو ٹوٹے ہوئے سو نیشتر رکھتے نہیں

لے چکے خلقِ خدا سے نقدِ ایماں اور پھر
کچھ گرہ میں یہ بتانِ عشوہ گر رکھتے نہیں

---

۱ - یہ شعر 'ہنجار سالک' (صفحہ ٦٧) کے مطابق ہے - 'کلیات سالک' (صفحہ ١٦٧) میں مصرع اول یوں ہے :
'غیر نے کہہ کہہ کے اُس سے یوں نکالا ڈر مرا'

رکھتے ہیں وہ راز ہم جو کہہ نہیں سکتے لبیں
رکھتے ہیں وہ درد جس کا چارہ گر رکھتے نہیں

تیرہ بختوں کو شمارِ سال و ماہِ عمر کیا
دن وہ کٹتے ہیں کہ جو شام و سحر رکھتے نہیں

کن تک پہنچا نہ سالک بے خودی میں ذکرِ غیر
ہم سنیں اس کی خبر، اپنی خبر رکھتے نہیں

(١٨٦)

لاغری سے نظر آتا کہیں نخچیر نہیں
تیر بہکے تو کماں دار کی تقصیر نہیں

نالہ رکنے کی جنوں میں کوئی تدبیر نہیں
پاؤں کی طرح زباں بستۂ زنجیر نہیں

اعتبارِ نگہِ ناز ہے کیا کیا ان کو
قتل کو آتے ہیں اور ہاتھ میں شمشیر نہیں

ظلم جو ان سے رہیں آپ بتا دوں ان کو
اس سے بہتر کوئی مر جانے کی تدبیر نہیں

دل کے دو حرف ہیں[۲] اور وہ بھی جدا آپس میں
چاہتی مجمعِ احباب کو تقدیر نہیں

وہ تری بات کہ خاطر پہ زمانے کی ہے نقش
یہ مرا نالہ کہ اک تجھ کو بھی تاثیر نہیں

خاک سمجھو نے ہیں میرے خوش ہیں الٰہی کیوں یہ
آ گئی ہاتھ کچھ اغیار کے اکسیر نہیں؟

---

۲ ۔ 'دو' بروزن 'نو' ۔ (مرتب)

دعوی تفتہ دلی پر ہے دلیل روشن
یہ مری بات میں گرمی دم تقریر نہیں

کر دیے نے ہجر میں تسکین کا سہارا کھویا
کہ ہتی مری آنکھوں میں وہ تصویر نہیں

خون ناحق ہے کسی کا انھیں کیا مدِ نظر
آج خالی صفت برش شمشیر نہیں

اڑتے اڑتے مرے چہرے کا وہ رنگ آ ٹھہرا
اب کسی صدمے سے ممکن جسے تغییر نہیں

عیش مانگوں تو کہے عیش کہ مانگے جاؤ
موت مانگوں تو کہے موت کہ تاخیر نہیں

ایک کاشانۂ دل ٹوٹ کے وہ بھی نہ بنا
اور دنیا میں مجھے حسرت تعمیر نہیں

حال اچھا نہیں بیمار کا تیرے سچ ہے
اب کے دھوکا نہیں حیلہ نہیں تزویر نہیں

عمر بھر خوار رکھا ہجر نے تیرے ایسا
کہ مری نعش کو اب ذلت تشہیر نہیں

شوق سننے کا بڑھاتا ہوں یہی کہہ کہہ کر
تم سمجھ جاؤ کچھ ایسی مری تقریر نہیں

---

۱ - یہ شعر اور اس کے بعد کے پانچ شعر 'ہنجار سالک' (صفحہ ۶۸) میں نہیں - مقطع اور دس شعر 'کلیات سالک' اور 'ہنجار سالک' میں مشترک ہیں - اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہ چھ شعر ۱۲۸۵ھ (سال طباعت ہنجار سالک) اور ۱۲۹۷ھ (سال طباعت کلیات سالک) کے درمیان کہے گئے ہیں - (مرتب)

اس کے کوچے میں جو سالک نے کیے نالے کچھ
سن کے بولا کہ یہ میں ہوں فلکِ پیر نہیں

(۱۸۷)

یہ نہیں ممکن کہ افزائش نہ ہو تاثیر میں
گر ملا دوں خاکِ پائے یار کو اکسیر میں
اک جہاں کے خط لکھے لیکن نہ اٹھا ایک حرف
روشنی آئی نہ خطِّ کاتبِ تقدیر میں
رہ روِ ملکِ عدم کے ساتھ چلنا ہے محال
چلتے چلتے دم نہیں باقی تری شمشیر میں
کارفرما ہم کو مل جاتا کوئی تجھ سا اگر
ہم ڈبو دیتے تجھے فرہاد جوئے شیر میں
قابلِ تعزیر ٹھہرا ہے وہاں جرم وفا
بے گناہی ہو گئی ثابت مری تقصیر میں
تو قیامت تک نہ آئے گی تو کیا آئیں گے وہ
اے اجل کیا فائدہ سمجھی ہے اس تاخیر میں
نارسائی میں بھی رکھتی ہے قیامت کا اثر
بھر رکھا ہے صور ہم نے آہِ بے تاثیر میں
اس شکار افگن کی ہے برقِ تجلّی کا اثر
جس قدر ہے جوشِ حیرت دیدۂ نخچیر میں[۱]
مل گئی دو گز زمیں کیا اس گلی میں دفن کو
آ گیا سارا جہاں گویا مری تسخیر میں

---

۱ ـ اصل متن 'کلیات سالک' (صفحہ ۱۰۹) میں 'تجتیر' غلط ـ (مرتب)

بزم کا بگڑا ہؤا نقشہ نظر میں ہے ہنوز
دیکھتا ہوں غیر کی صورت تری تصویر میں

دل ٹھکانے ہو اگر میرا تو کیوں نالہ کروں
عرش کا رکھنا ہے قایم ایک اس تعمیر میں

ہوگئیں شاید کہ ساری حسرتیں دل میں شہید
بوے خوں آتی ہے میرے نالۂ شب‌گیر میں

لے گئی قعرِ عدم کو جب گلے تک آگئی
دھار ہے بحرِ فنا کی کیا تری شمشیر میں

کو دکانِ شہر کا وحشت میں شکوہ کیا کروں
سنگِ فتنہ ہیں بھرے دامانِ چرخِ پیر میں

کیوں پھڑک جاے نہ انساں سنتے ہی سالک آسے
چٹکیاں عاشق کے دل کی ہیں کلامِ میر میں

(۱۸۸)

ہم کو کیا پروا اگر بُرش نہیں شمشیر میں
ذبح کو کافی ہے قاتل کی صدا تکبیر میں

کاٹنی تھی عمر دفعِ چرخ کی تدبیر میں
صرف کی ہمت عبث فرہاد جوے شیر میں

---

۱ - یہ مطلع اور اسی غزل کے نشان زدہ اشعار 'ہنجار سالک' میں بھی ہیں - سالک نے ۱۲۸۵ھ سے پہلے سات شعر کی غزل کہی تھی ، بعد میں دو غزلہ کہا - غزل نمبر ۱۸۷ میں کوئی شعر پہلی غزل کا نہیں لیا ، اور غزل نمبر ۱۸۸ میں مطلع اور پانچ شعر پہلی غزل (مطبوعہ ہنجار سالک) شامل کر لیے ، صرف مقطع چھوڑ دیا - اب غزل نمبر ۱۸۸ میں پہلی غزل کا مقطع بھی شامل کر لیا گیا ہے - (مرتب)

مژدہ اے وحشت کہ روز افزوں ہے میری لاغری
پاؤں رہ سکتا نہیں میرا کسی زنجیر میں

رات[1] کے چلنے میں کیا ہے کارواں سالار خوف
ہیں کئی خورشید میرے نالۂ شب گیر میں

لوگ[2] آتے ہیں خوشی سے قتل ہونے کے لیے
آبداری اشکِ شادی کی ہے اس شمشیر میں

کس مزے سے کھاتے ہیں لذت شناسانِ خلش
گرچہ ہے الماس کا پیکاں تمھارے تیر میں

تیرہ[3] بختی میں کیا ہے میری اک دفتر سیاہ
آج تک ہے درد دستِ کاتبِ تقدیر میں

یہ[4] بھی ہوگا اے ستم ایجاد تجھ سا ہی کبھی
شوخیاں اب تک جوانی کی ہیں چرخِ پیر میں

رستگاری عمر بھر اس سے نظر آتی نہیں
حلقۂ زلفِ بتاں ہے کیا مری زنجیر میں

مجھ کو دو دو تیر اڑا کر پھینکتی ہے بارہا
گفتگو کیا ہے مری فریاد کی تاثیر میں

دیکھنا برگشتہ بختی ہاتھ آ جائے اگر
سودۂ الماس کی تاثیر ہو اکسیر میں

خود چھری پھیری ہے تم نے خود سکر افگن ہو تم
دیکھ لو صورت ہے کس کی دیدۂ نخچیر میں

---

۱ - (دیکھیے حاشیہ نمبر ۱ صفحہ گزشتہ پر)
۲ ، ۳ ، ۴ - یہ تین شعر 'ہنجار سالک' (صفحہ ۹۰) میں بھی ہیں -

آتے[1] ہیں لخت جگر آنکھوں میں جذب شوق سے
صورتِ مژگاں[1] ملتی ہے تمھارے تیر میں

دیکھتے ہی سرفرو کرتے ہیں جاں بازانِ عشق
صورتِ محراب ہے قاتل تری شمشیر میں

ہیں[2] اسی کے واسطے عقبیٰ کے سب عیش و نشاط
زندگی جس کی کٹی سالک غمِ شبیر میں

چھوٹنا قیدِ جنونِ عشق سے سالک محال
یہ صدا پنہاں ہے میرے پاؤں کی زنجیر میں

(۱۸۹)

عشق میں کیوں کہ کٹی عمر ذرا یاد نہیں
یہ محبت ہے بتوں کی کہ خدا یاد نہیں

عشرتِ وصل نے سب شکر و شکایت کھوئے
جو کہا یاد نہیں ہے، جو سنا یاد نہیں

---

۱ - یہ شعر 'ہنجار سالک' (صفحہ ۴۵) میں بھی ہے - اس شعر کا مصرع ثانی یوں ہے :
'شکل مژگاں ملتی ہے از بس کہ اُن کے تیر میں'
لیکن 'کلیات سالک' (صفحہ ۱۱۰) میں مطبوعہ مصرع اس طرح ہے :
''صورت مژگاں جا ملتی ہے تمھارے تیر میں''
'جا' کا لفظ بظاہر غلط ہے اس لیے یہ لفظ حذف کر دیا گیا ہے - (مرتب)

۲ - یہ مقطع 'ہنجار سالک' میں ہے - (مرتب)

مدتوں جن کو جپا ھجر میں تیرے ہم نے
کوئی اُن میں سے شبِ وصل گلا یاد نہیں

یہ وھی وادیِ الفت ھے کہ دیکھا سو بار
پھر یہ کہتا ھے مرا راہ نما یاد نہیں

اتفاقاً جو شبِ وعدہ وہ مل جاتے ھیں
یاد رکھتے ھیں تو کہتے ھیں ذرا یاد نہیں

جور نے تیرے بھلائے ھیں سب اگلے صدمے
چرخِ بدکیش کی بھی کوئی جفا یاد نہیں

تو ملا کیا کہ خضر مل گئے قاصد لیکن
کیا لکھوں فرطِ مسرت سے پتا یاد نہیں

دیکھنا بے خودیِ عشق کہ دل کو کھو کر
کچھ گرا آئے کہیں ، اس کے سوا یاد نہیں

تجھ کو دیدار دکھانا بھی اگر ھو منظور
کیا مجھے آیتِ ''موسیٰ صعقا'' یاد نہیں

رھتے ھیں تازہ مصیبت میں گرفتار ایسے
ھم کہیں گے کہ یہ کب فتنہ اٹھا یاد نہیں

پیش آتا ھے جو کچھ عشق میں سب ھے معلوم
کس طرح کہیے کہ قسمت کا لکھا یاد نہیں

پھر پھنسا چاھتے ھو عشقِ بتاں میں سالک
پہلے غم کھانے کا حضرت کو مزا یاد نہیں؟

---

۱ - دیکھیے حاشیہ غزل نمبر ٦٩ - (مرتب)

(۱۹۰)

غیر کے گھر وہ گیا خیر نہیں
چلی آتی ہے قضا خیر نہیں

کوئی فتنہ نہ رہا خیر نہیں
اب ہؤا حشر بپا خیر نہیں

فتنۂ چرخ کو پھر چھیڑا ہے
اب کے اے آہِ رسا خیر نہیں

نہ رہا ضبطِ فغاں جب مجھ کو
دہر میں شور اُٹھا خیر نہیں

تجھ پر اے نزع مری جان نثار
اُس نے گھبرا کے کہا خیر نہیں

کوچۂ قاتلِ سفّاک سے لوگ
آتے ہیں رو بہ قفا خیر نہیں

صاف تھادل تو نہ تھا کچھ بھی حجاب
اب وہ کرتے ہیں حیا خیر نہیں

پھر قیامت کی چلی آتی ہے رات
وعدہ پھر اُس نے کیا خیر نہیں

کہیں پھر ہے وہ ہم آغوشِ رقیب
خود بہ خود دم ہے خفا خیر نہیں

زلف سے تم بھی خبردار رہو
سر پر آئی ہے بلا خیر نہیں

کل تو قسمت سے بچے تھے مر کر
آج پھر درد اُٹھا خیر نہیں

غمِ ہجر اور بڑھے گا اب کے
وہ محبت سے ملا خیر نہیں
جان کیا جانیے کیوں کر نکلے
زہر ہم کو نہ ملا خیر نہیں
گرمیِ عشقِ عدو کا شک ہے
وا ہیں واں بندِ قبا خیر نہیں
آفت آئی کوئی پھر سالک پر
سر ہے زانو پہ دھرا خیر نہیں

(۱۹۱)

جلوۂ حسن تو ہے گرمیِ بازار کہاں
آج یوسف بھی اگر ہوں تو خریدار کہاں
کسب مقیمانِ درِ دوست کو آتی ہے اجل
یعنی ملتا ہے فرشتوں کو یہاں بار کہاں
یار و دشمن میں بنوں مر کے ہی پردہ اے کاش
لیکن اٹھتی ہے مری خاک سے دیوار کہاں
جو قیامت کا ہو واعظ سے بیاں سب ہے بجا
اس نے دیکھا ہے ترا فتنۂ رفتار کہاں
نہیں بےکار نظر تیرے تماشائی کی
ہو سکے تفرقۂ کافر و دیں دار کہاں
بےخودی اپنی قیامت کی خبر لائے گی
ہم سے بےہوش ہؤا کرتے ہیں ہشیار کہاں
آسماں ٹوٹ پڑا ہے کہ قفس ہے صیاد
جائے اب نالۂ مرغانِ گرفتار کہاں

ہو گئے سدِّ رہِ اشک ، جگر کے ٹکڑے
ورنہ ضبط اور مرا دیدۂ خوں بار کہاں

تنِ مجروح دکھاتا ہوں جسے ، کہتا ہے
وہ نزاکت سے اٹھا سکتے ہیں تلوار کہاں

حشر میں بھی وہی جلوہ ہے جو تھا ہر شے میں
اب بڑھے گی مری کیفیتِ دیدار کہاں

مئے توحید کا ہر قطرہ ہے سالک دریا
ظرف بھی ہو تو ملے ساغرِ سرشار کہاں

(۱۹۲)

بہت صبر اس جفا پر اے ستم ایجاد کرتے ہیں
کبھی دیتے ہیں ہم تجھ سے کہ اب فریاد کرتے ہیں

بھلائے بیٹھے ہیں جن کے لیے ہم دین و دنیا کو
کبھی کہتا نہیں کوئی وہ تم کو یاد کرتے ہیں

نہیں تھمتے جب آنسو ، کہتے ہیں اب تو اثر ہوگا
دلِ ناشاد کو ہم اس طرح سے شاد کرتے ہیں

پڑے ہیں راہ میں اس شہ سوارِ ناز کی آ کر
ہم اپنی خاک اپنے ہاتھ سے برباد کرتے ہیں

کچھ ایسا بڑھ گیا شوقِ اسیری ان دنوں ہم کو
کہ خود کوشش کمیں میں ہم تری صیّاد کرتے ہیں

دمِ آخر ہے ، ہچکی لگ رہی ہے موت کی ہم کو
قیامت ہے کہ اب بھی وہ عدو کو یاد کرتے ہیں

تلوّن سے بتوں کے کشورِ دل کی خرابی ہے
کبھی ویران کرتے ہیں کبھی آباد کرتے ہیں

کہاں جاتے ہیں ، عاشق کو نکلوا دیجیے کوچے سے
یہ وہ بندے نہیں ہیں جن کو لوگ آزاد کرتے ہیں
کہاں ہم اور سالک پہلے ہنگامے محبت کے
اب اک گوشے میں بیٹھے ہیں خدا کی یاد کرتے ہیں

(۱۹۳)

میں کیا کہ ان کو شوق مرے امتحاں کے ہیں
ساماں مگر خرابیِ کون و مکاں کے ہیں
بے تاب کس قدر ہے ہمارے بگاڑ میں
گویا کہ ہم بنائے ہوئے آسماں کے ہیں
اے خضر اُن کو الفتِ خوباں نہ دے خدا
مارے ہوئے جو زندگیِ جاوداں کے ہیں
مشکل ہے اپنی منزلِ مقصود تک نمود
ذرّے بھی ہم تو گردِ پسِ کارواں کے ہیں
اچھا کہیں تو آپ کہے جائیں غیر کو
اچھے برے نظر میں ہماری جہاں کے ہیں
داغوں میں رنگ و بو مے و شاھد سے ہے جدا
دامن میں اپنے پھول یہ کس گلستاں کے ہیں
ہنس ہنس کے کر رہے ہیں بیاں وہ رقیب سے
شکوے بھی کس طرح سے ہماری فغاں کے ہیں
اچھے تو ہو چکے ترے زخمی مگر ہنوز
کچھ گھاؤ دل میں لذتِ نوکِ سناں کے ہیں
ایامِ کودکی و زمانِ شباب و شیب
یہ تین ٹھیکے توسنِ عمرِ رواں کے ہیں

اُن کو خبر کہاں ہے ، کوئی آئے کوئی جائے
کوچے سے ہم نکالے ہوئے پاسباں کے ہیں
آ جاؤ یاں نصیب نہ جاگیں گے رات بھر
خو کردہ ایک عمر سے خوابِ گراں کے ہیں
پہلے عدم کو جائیں گے ہو کر مزار سے
رہ رو جو تیرے کوچۂ جنت نشاں کے ہیں
قاتل ! کیا شہید یہ کس بے گناہ کو
دروازے سب کھلے ہوئے باغِ جناں کے ہیں
مسجود عرش تک تو بنا لوں پہ کیا کروں
پایۂ بلند اس سے ترے آستاں کے ہیں
کچھ جرم بڑھ گیا کرۂ زمہریر کا
ٹھنڈے ترے زمانے میں جور آسماں کے ہیں
مٹ کر بھی سیلِ گریہ سے رفعت ملی اسے
دھوکے مکاں پر اپنے مجھے لامکاں کے ہیں
جس جا گیا نئی کوئی آفت بپا ہوئی
قصے ہزار سالکِ بے خانماں کے ہیں

(۱۹۴)

نالہ ہی کرکے جلا دوں نہ انھیں خاک کروں
کب یہ فرصت ہے کہ میں شکوۂ افلاک کروں
وصل میں بھی تو رہا شوق سے مضطر کم بخت
ہجر میں خاک علاجِ دلِ غم ناک کروں
حسرتیں رہ گئیں دل میں مرے خوں ہو ہو کر
ہمت اے گریہ کہ سینے کو ذرا پاک کروں

آشیانے پہ گِر اے برق ! کہیں گِر ، کب تک
نفسِ سرد سے پاسِ خس و خاشاک کروں

گر نہیں گریے میں تاثیر ڈبو دے مجھ کو
اور پھر کیا تجھے اے دیدۂ نم ناک کروں

دھو چکا جان ہی سے ہاتھ تو پھر کیا ناصح
اب تو جو کام کروں چاہیے بے باک کروں

کلبلاتے ہیں مرے ہاتھ نہ رکھوں کوئی تار
فصلِ گل آئی ہے آرائشِ پوشاک کروں

خوفِ بیداد سے پھر کوئی نہ چاہے تجھ کو
کہہ کے ظالم تجھے دنیا میں تری دھاک کروں

مجھ سے دیوانے کے سمجھانے کو آئے ناصح
آج حضرت کے گریبان ہی کو چاک کروں

بے وفائی سے وہ راضی ہیں، وفا سے ناخوش
میں بھی تقلیدِ رقیبانِ ہوس ناک کروں

سچ ہے صحرا میں نو آموزِ جنوں کا کیا کام
خاک اڑانی بھی نہ آتی ہو تو کیا خاک کروں

تم رہو بےسبب آزاریوں میں اُن کے شریک
اور گردش میں، میں ہمراہیِ افلاک کروں

دل میں ہے اور[1] وہ دکھائی نہیں دیتا سالک
جب یہ آنکھیں ہوں تو کیا دعویٔ ادراک کروں

---

۱ - 'اور' بروزن فع - (مرتب)

(۱۹۵)

غلط نہیں ہے کہ دل ہی مکانِ یار نہیں
اگر نظر ہو تو کس جا نشانِ یار نہیں

یقیں دلائیں ہمیں جس قدر محبت ہے
ہمارے بس میں دلِ بدگمانِ یار نہیں

رُکیں گے ہم درِ جنّت پہ کیوں کہ رضواں سے
وہ اس کا در نہیں ، یہ پاسبانِ یار نہیں

وہ ہم کلام عدو سے ہے میں یہ کہتا ہوں
زباں بھی نہ رہے جب دہانِ یار نہیں

بیانِ واعظِ ناداں کوئی سُنے کب تک
کہ پند و وعظ ہے کچھ داستانِ یار نہیں

رقیب پھر نہ سکے دو قدم بھی ساتھ اپنے
کہ دشتِ عشق سرابوستان[۱] یار نہیں

اُلجھ اُلجھ کے کہیں حالِ حشر میں کیوں ہم
بیانِ کاکلِ عنبر فشانِ یار نہیں

وہ کاوشِ مژہ سمجھے ، نہ جنبشِ آبرو کی
جو زخم خوردۂ تیرِ کمانِ یار نہیں

یہ ضبط دیکھ کہ عمر اس کی یاد میں گزری
مگر زبان تک آیا بیانِ یار نہیں

نہ دل کی رائے ہو صائب نہ اپنی فکر رسا
ملا وہ دوست کہ جو رازدانِ یار نہیں

---

۱ ۔ 'سرابوستاں' میں فکِ اضافت ہے ۔ (مرتب)

غش اپنی بزمِ تصور پہ ہیں کہ گھر بیٹھے
وہ شب نہیں ہے کہ ہم میہمانِ یار نہیں
بگاڑ غیر سے اُس کا سنا ہے سالک نے
کہ شکوہ ہائے غمِ جاودانِ یار نہیں

(۱۹۶)

بہ صورت اے شکار افگن! ترے نخچیر رکھتے ہیں
سرِ ہر زخم ، چشمِ انتظارِ تیر رکھتے ہیں
وہی اے کوہ کن امیدِ جوئے شیر رکھتے ہیں
نظر کے سامنے جو یار کی تصویر رکھتے ہیں
ازل سے چاک کرتے ہیں کہ ہم دامن کے تاروں میں
ہزاروں ریشہ ہائے خامۂ تقدیر رکھتے ہیں
ذرا اے سوزِ غم مشعل فروزِ داغ ہو جانا
عدم کو جاتے ہیں در پیش ہم شب گیر رکھتے ہیں
ہمارے دل سے پوچھو تم قدر اندازیاں اپنی
کہ سینے میں نہاں ٹوٹے ہوئے سو تیر رکھتے ہیں
تڑپ کر جان دی ہے یوں شہیدِ ناز نے تیرے
کہ حیرت حلقہ ہائے جوہرِ شمشیر رکھتے ہیں
سراپا قید وحشت میں کیا فکرِ رہائی نے
کہ دائم ہاتھ میں ہم پاؤں کی زنجیر رکھتے ہیں
یہ شہرت ہے کہ آتے ہیں وہ دل کے داغ گننے کو
ہم اُن کے آنے سے پہلے ہی سینہ چیر رکھتے ہیں
کہا ہے بارہا ہم نے کہ اب کیوں ہے نالوں کا
سنا ہے بارہا تم نے کہ یہ تاثیر رکھتے ہیں

اداے شکر اُس ناوک فگن کا ہم کو آساں ہے
دہن زخموں کے سب گویا زبانِ تیر رکھتے ہیں

سمائے کس طرح دفتر کے دفتر اپنے عصیاں کے
گرہ بھر کی جبیں ہے جس میں سب تحریر رکھتے ہیں

جھکا ہے سر کب اُن کا قتل کرنے کی ندامت سے
مگر گردن پہ خونِ عاشقِ دل گیر رکھتے ہیں

شہادت پا کے ہم کیا جانے کس خوابِ گراں میں ہیں
کہ نیند آتی ہے جب گردن تہِ شمشیر رکھتے ہیں

ازل آورد ہے وحشت ہماری شکوہ ہے کس کا
ہم اپنے ہاتھ ہی اپنے گریباں گیر رکھتے ہیں

کریں کیا ضبط دل میں ڈر ہے سالکؔ دود افغاں کا
ہم اس آئینے میں اُس شوخ کی تصویر رکھتے ہیں

(۱۹۷)

میں دفترِ شکایتِ جاناں جو وا کروں
محشر کا دن بھی ہو تو نہ پورا ادا کروں

گردش سے تیری تنگ ہوں اے چرخ کیا کروں
کچھ سر پھرا نہیں ہے جو تیرا گلا کروں

وصلِ بتاں کو مانگ کے پھر کیا دعا کروں
اب کیا جہاں میں ہے جو توقع سوا کروں

یوں دام میں پھنسا ہوں کہ صیّاد چھیڑ سے
کہتا ہے بار بار کہ تجھ کو رہا کروں

جب تم نظر میں ہو تو نظر آؤ پھر کہاں
میں کیوں کہ شکوۂ نگہِ نارسا کروں

سمجھے نہ ہو گے کیا مری صورت کو دیکھ کر
میری زباں کہاں ہے کہ مطلب ادا کروں

بس بس ہجومِ آہ کہ اب چاہتا ہے تو
پھر میں تصورِ نگہِ سرمہ سا کروں

یوں غرق ہوں تصورِ جاناں میں رات دن
ہو پاس بھی تو یاد آسی کی کیا کروں

سر پر فلک ہے خواہشِ ظلِّ ہما بھی ہے
غفلت پر اپنی کیوں کہ نہ سالک ہنسا کروں

(۱۹۸)

کیا ناپسند کج رویِ آسماں نہیں
لیکن زمینیوں پہ خدا مہرباں نہیں

واں نازِ غیر یاں ستم آں کے گراں نہیں
نازک نہیں ہیں وہ بھی جو میں ناتواں نہیں

یہ بھی کمالِ صنعتِ حق کی دلیل ہے
تم خود یہ کہہ رہے ہو کہ میرا دہاں نہیں

جب تم کو رحم آئے گا سمجھے ہوئے ہیں ہم
ہم سے زیادہ اور کوئی خستہ جاں نہیں

افسانہ بن کے کان میں آئی صدائے صور
مرقد میں بے سبب مجھے خوابِ گراں نہیں

کیسا علاج چارہ کہاں کھائے ہیں وہ زخم
ٹانکوں میں جن کے سوزنِ عیسیٰ رواں نہیں

اندیشہ ہے کہ بھول نہ جائے پیام بر
تکرارِ مدعا میں الجھتی زباں نہیں

کیا جانے اضطرابِ دلِ مضطرب کی قدر
ظالم نظر میں جس کی تری شوخیاں نہیں

بُو آ رہی ہے آمدِ فصلِ بہار کی
رنجِ خزاں نتیجۂ فصلِ خزاں نہیں

اغیار کا خیال تمہیں، یاں ہجومِ شوق
گویا شبِ وصال بھی خالی مکاں نہیں

سالکؔ خموش بیٹھ رہے پڑھ کے چند شعر
پورا ہؤا فسانۂ غم کا بیاں نہیں

(۱۹۹)

اب تابِ ضبط نالۂ آتش فشاں نہیں
چھوڑو ستم جو دشمنِ کون و مکاں نہیں

باور نہیں تو دیکھ لو سینے پہ رکھ کے ہاتھ
اب تک عدو کے زعم میں تم دل ستاں نہیں

یہ پاسِ آبروے غمِ ہجر یار تھا
دیکھا کبھی کسی نے مجھے شادماں نہیں

کس آفتِ جہاں کے زمانے میں رہ گئی
گردش میں کیا ستارۂ ہفت آسماں نہیں

کُھلتا نہیں نتیجۂ سر بازیِ وفا
شوقِ ستم ہے ان کو سرِ امتحاں نہیں

پاتا ہے بار کب مری بزمِ خیال میں
دشمن کو جانتا ہوں ترا راز داں نہیں

اُن کو کدورتیں ہیں تو کیا مدعا بر آے
کشتی کسی کی ریگِ رواں میں رواں نہیں

تنکے جلے ہوئے نہیں اے برق کس جگہ
باندھا چمن میں ہم نے کہاں آشیاں نہیں

ہستی کو خیر باد قضا لے چلی ہے واں
آشوبِ رستخیز کو جس جا اماں نہیں

یوسف جمال آپ سہی لیکن آپ سے
پہنچا کسی کو مژدۂ بختِ جواں نہیں

سالک سمجھ کے لاف و گزافِ ستم کشی
بیدادِ یار کچھ ستمِ آسماں نہیں

(۲۰۰)

جفائیں بے وجہ سہیں تمھارا شکوا ہی نہیں
یہ حال پہنچا کہ وصال کی تمنّا ہی نہیں

نظر ہو کچھ بھی رسا تو کوئی پروا ہی نہیں
پڑے کبھی غیر پہ گر تو چشمِ بینا ہی نہیں

وصالِ جاناں کے سوا نہیں ہے تدبیر کوئی
دواے عشاقِ حزیں جہاں میں پیدا ہی نہیں

کہو تو کیا شے ہے وفا بتاؤ تو کیا چیز ہے مہر
تمھاری محفل میں ہؤا کبھی یہ تذکرا ہی نہیں

اٹھا چکے جور و جفا، سہے بہت رنج و الم
عدو سے ملتے ہو ملو اب اس کی پروا ہی نہیں

نہیں یہ غنچہ کہ اسے تو کھولے اے بادِ صبا
گرہ یہ میرے کام کی ہے کبھی ہوئی وا ہی نہیں
ہنسی کی باتیں ہیں بتوں کو نالہ و آہ و فغاں
جو آپ کرتے ہیں یہ بے وفا وہ بے جا ہی نہیں
سمجھ تو دیکھو کہ بتوں کو دے کے دل سادگی سے
سمجھ رہا ہوں میں کہ جان کا تقاضا ہی نہیں
قدم اٹھائے وہ گیا ہے آج کیا سوئے عدو
جہاں پامال جو ہو تو اس کو پروا ہی نہیں
رقیب کو بھی تو ستاؤ تا کُھلے لاف و گزاف
ستاتے ہو اس کو بتو کہ جس کو شکوا ہی نہیں
ہے عشقِ سالک کو اگر حواس پھر کہوں کر رہیں
خمار جس میں کہ نہ ہو ذرا وہ صہبا ہی نہیں

(۲۰۱)

ابھی تو کوئی دم جوڑے رہو تم تیر چٹکی میں
تماشا ہے نگاہِ حسرتِ نخچیر چٹکی میں
مری برگشتہ بختی کی ہے یہ تاثیر چٹکی میں
کہ بن کر خاک اٹھتی ہے جو لوں اکسیر چٹکی میں
گزارش شوق کی ہے کب ٹھہر سکتی ہے کاغذ پر
قلم کیا جانے کیوں کر ہے دمِ تحریر چٹکی میں
کشش اے ناوک افگن گر دلِ مشتاق کی سچ ہے
ٹھہرنے کا نہیں ہے ایک دم بھر تیر چٹکی میں
حنا سمجھے ہو فندق کی ادھر باندھی ادھر کھولی
یہ مشکل ہے مری جس کی نہیں تدبیر چٹکی میں

سر مینا نہیں کھولا نہیں پی ایک مدت سے
مگر ہے آج تک بھی بوے مے جاگیر چٹکی میں

ہم اُس ناوک فگن کو ڈھونڈھتے پھرتے ہیں خود ورنہ
صدا پائی کہ کوسوں اُڑ گیا نخچیر چٹکی میں

نہ کھینچ اے چارہ گر چٹکی سے تیر اُس کا لرزتا ہوں
دکھائی دیتی ہے سوفار کی تصویر چٹکی میں

نہ لو یوں چپکے چپکے چٹکیاں محفل میں دشمن کے
ملو اس سے تو جانِ عاشقِ دل گیر چٹکی میں

اگر آتش زبانی کا کرے اُس بزم میں دعویٰ
زبانِ شمع کو پکڑے ابھی گُل گیر چٹکی میں

ٹھہرتا ہے دلِ سیماب وش آنے سے کچھ اُن کے
لیے پھرتے ہیں خوبانِ جہاں اکسیر چٹکی میں

نہ کچھ انداز پوچھ اُس نوجوانِ ناوک افگن کا
اُڑائے جو تجھے اے آسمانِ پیر چٹکی میں

یہی جی چاہتا ہے حال اُن کو لکھ بھیجے ہی جاؤں
جما جاتا ہے کچھ خامہ دمِ تحریر چٹکی میں

دکھاتے ہیں قدر اندازیاں لوگوں کو وہ اپنی
ہتھیلی پر ادھر جاں ہے اُدھر ہے تیر چٹکی میں

نہ لب تک بات کوئی بھید کی آجائے ڈرتا ہوں
زباں کو تھام لیتا ہوں دمِ تقریر چٹکی میں

کہاں اُترے نہ سالک کس طرح تدبیر والوں کی
فلک جوڑے ہوئے ہے ناوکِ تقدیر چٹکی

(۲۰۲)

غمِ دوری کا بیاں مجھ سے وہ کب سُنتے ہیں
پاس آ جاتے ہیں اغیار تو جب سنتے ہیں
جان کر ڈالتے ہیں[1] نیند میں بس آپ کو وہ
خوب کیفیتِ بیداریِ شب سنتے ہیں
حشر کو حشر نہ سمجھے ترے آفت زدہ لوگ
کہتے ہیں حشر کا ہنگامہ عجب سنتے ہیں
میری فریاد قیامت ہے نہ چھیڑو مجھ کو
میں پکارے ہوئے کہتا ہوں یہ سب سنتے ہیں
سالکِ خستہ عجب تو بھی ہے روتی صورت
تجھ سے جب سنتے ہیں ہم رنج و تعب سنتے ہیں

(۲۰۳)

واں معطر نکہتِ گُل ہائے تر سے آستیں
اور رنگیں ہے یہاں خونِ جگر سے آستیں
دیدۂ طوفاں فشاں اتنی تو فرصت دے کہ میں
خشک کر لوں سوزشِ داغِ جگر سے آستیں
داد خواہوں کی کہیں پرسش نہیں اس وقت میں
پھر چھپائی تو نے قاتل کس کے ڈر سے آستیں
ماجرائے اشکِ خونیں کب ہؤا سالک رقم
باندھ دوں بازوئے مرغِ نامہ بر سے آستیں

---

۱ - کلیات سالک (صفحہ ۱۲۱) میں 'میں' بے معنی ہے - 'ہیں' تصحیح قیاسی ہے - (مرتب)

(۲۰۴)

اپنے در پر مجھے رونے دے کہ سائل ہر روز
جھولیاں گوہرِ شہوار سے بھر لیتے ہیں
صبح کہتے ہیں جسے ہے وہ شبِ وصل میں موت
جان کیوں بول کے مرغانِ سحر لیتے ہیں
ہوتی ہے رحم و نزاکت میں لڑائی کیا کیا
سرِ بیمار جو زانو پہ وہ دھر لیتے ہیں
یہ بھی قسمت کہ ہؤا نام ہمارا سالک
بے نقط ہی وہ سناتے ہیں اگر لیتے ہیں

(۲۰۵)

کہنے کا غیر کے تو کسی کو یقیں نہیں
پر تیری آنکھ راز کی تیرے امیں نہیں
گھیرے جو لوگ رہتے ہیں مجھ کو تو شرم سے
آتا خیال میں بھی وہ پردہ نشیں نہیں
خط میں نہ لکھ کے حرفِ وفا کو اٹھائیے
ورنہ کہیں گے لوگ کہ یہ نازنیں نہیں
اٹھتے ہیں روز فتنہ و آشوب یاں سے بھی
کچھ آسماں سے کم ترے گھر کی زمیں نہیں
کیا صور بن رہا ہے خدایا کہ چرخ پر
ملتا نشانِ نالۂ شور آفریں نہیں
ہم ہی اسے اٹھائیں فرشتوں کی کیا مجال
سالک یہ بارِ عشق ہے عرش بریں نہیں

(۲۰٦)

دل پہ آفت آئی اب اک آن میں
زلف کچھ کہتی ہے اُس کے کان میں

ساتھ اُس کے غیر بھی آ جائے گا
کیوں کہ اُس کافر کو لاؤں دھیان میں

قیمتِ دل چاہیے بوسے کئی
آگے جو آئے ترے ایمان میں

ہے یہ نفرت غیر سے لائے نہیں
رشک کا مضموں بھی ہم دیوان میں

پوچھتا کیا ہے ہماری زندگی
جیتے ہیں پر موت کے ارمان میں

طور مرنے کے نہ تھے سالک ترے
ہاں مگر رکّھا ہے کیا انسان میں

(۲۰۷)

تری بیداد کا قیامت میں
ہم تجھی کو گواہ کرتے ہیں

ہوسِ زلفِ حور میں واعظ
یوں ہی نامہ سیاہ کرتے ہیں

جانے والے عدم کے بیٹھے ہوے
ہر نفس قطعِ راہ کرتے ہیں

(۲۰۸)

کیوں مرا انصاف اس کو دیکھ کر
داورِ روزِ جزا ہوتا نہیں

کارفرما وہ نگاہِ ناز ہے
یاں مقدر کا لکھا ہوتا نہیں

کہتے ہیں بول اٹھتی ہے تصویر بھی
پر دہن اس کا ہی وا ہوتا نہیں

وصل سے خوش ہے خیالِ وصلِ یار
دخل یاں اغیار کا ہوتا نہیں

لیتے ہیں عشاق آنکھوں پر قدم
ظاہر اس کا نقشِ پا ہوتا نہیں

(۲۰۹)

غیر کو واقفِ اسرار کروں یا نہ کروں
ان کو الفت سے خبردار کروں یا نہ کروں

سو ستم کرتے ہو انصاف سے کہہ دو تم آپ
میں بھی شکوہ کوئی اک بار کروں یا نہ کروں

جان کر طنز وہ کیا جانے کہیں کیا اے دل
مدحتِ محفلِ اغیار کروں یا نہ کروں

جھانک کر مجھ کو وہ ہٹ جائیں تو حسرت سے نگاہ
جانبِ روزنِ دیوار کروں یا نہ کروں

(۲۱۰)

صدائے غیر پر بھی آئے جو سو ناز سے در تک
مقرر اے نگاہِ شوق آیا وہ مرے گھر میں
کبھوں نیرنگ سازی کیا دلِ بے تاب کی تم سے
دھؤاں ھوتا ھے آھوں میں کبھی خوں دیدۂ تر میں
رواں تھے اشک مثلِ شمع اک گوشے[1] میں بیٹھا تھا
عجب احوال سے سالک کو دیکھا بزمِ دلبر میں

(۲۱۱)

مرضِ عشق کا علاج نہیں
کل اگر بچ گئے تو آج نہیں
وصلِ دشمن سے کچھ امید ھوئی
کہ مرا درد لاعلاج نہیں
عشق کی بے نیازیاں دیکھو
ھم کو اپنی بھی احتیاج نہیں

(۲۱۲)

کبھی برسوں میں خط اس مہ جبیں کا ھم جو پاتے ھیں
کبھی رکھتے ھیں سر پر حرز بازو گہ بناتے ھیں

---

۱ - کونے (۱۶۳۵) -

(۲۱۳)

غیر سے مشورۂ ظلم و ستم کرتے ہیں
دیکھیے آج وہ کیا ہم پہ کرم کرتے ہیں

رشک نے غیر کے مرنے کی خوشی بھی کھوئی
اب یہ غم مجھ کو ہؤا ہے کہ وہ غم کرتے ہیں

کھینچ لے ابروے جاناں کی جو 'مانی' تصویر
تو ابھی تیغ سے ہم ہاتھ قلم کرتے ہیں

خود بنا چاہتے ہیں موردِ بیداد اغیار
زہر دے کر مجھے اپنے لیے سم کرتے ہیں

(۲۱۴)

کہہ حالِ غیر مجھ سے قسم لے اگر کہوں
ظالم میں وہ نہیں کہ ادھر کی اُدھر کہوں

دشمن ہے اور کون جو برسائے یوں بلا
کس طرح آسمان کو حدِ نظر کہوں

(۲۱۵)

نزع میں مطلبِ دل کس سے کہا جاتا ہے
اب بھی سمجھو تو اشاروں سے ادا کرتا ہوں

ایک تو رنجِ اسیری ہے اور اس پر صیاد
چھیڑتا ہے کہ تجھے آج رہا کرتا ہوں

(۲۱۶)

تجھ میں جو بات ہے ترکیبِ عناصر میں نہیں
آدمی کیا ، یہ ادائیں تو مہ و خور میں نہیں

خاک میں مل کہ رہے عرش معلی کے قریب
شان جو عجز میں دیکھی وہ تکبّر میں نہیں

(۲۱۷)

کیا جانے ہے کیا سحر بتوں کی نظروں میں
اک تیر ہے سینوں میں دلوں میں جگروں میں

تم آئے ہو میرے در و دیوار ہیں روشن
یہ شام جگر گوشہ ہے میری سحروں میں

جلد آؤ مرے گریہ و فریاد کو روکو
گر ارض و سما ہے یہی غیروں کے گھروں میں

اک حسنِ عمل ساتھ رہا ملکِ عدم تک
باقی ہے یہی ایک مرے ہم سفروں میں

(۲۱۸)

دستِ قدرت نے بنائیں آپ تیری انگلیاں
پنجۂ خورشید نے پائیں کب ایسی انگلیاں

لینے ہوتے ہیں کبھی ناخن تو نرمی کے لیے
خونِ عاشق میں ڈبوتا ہے وہ اپنی انگلیاں

(۲۱۹)

بے تاب وصل میں ہوں قرار ایک دم نہیں
ذوقِ نشاط بھی غمِ ہجراں سے کم نہیں

چھلنی کیا ہے سینہ مرا اے غمِ فراق
تیرِ نگاہِ یار سے کچھ تو بھی کم نہیں

(۲۲۰)

آتش فشاں نفس ہو جب موسمِ خزاں میں
پھر آگ دینے جاؤں کیا اپنے آشیاں میں

مے دے کے پوچھ مجھ سے کچھ خار خار حسرت
کانٹے پڑے ہوئے ہیں ساقی مری زباں میں

رہ رہ کے آہ سالک آتا ہے یاد ہم کو
ایسے برے بھی اب تو پیدا نہیں جہاں میں

(۲۲۱)

نہ پھنسا ہم کو دام میں صیّاد
آگ ہم بال و پر میں رکھتے ہیں

نہیں رکھتے تصورِ مژہ ہم
ایک برچھی جگر میں رکھتے ہیں

لطف سے بھی ادھر نہ دیکھیں کاش
غیر کو وہ نظر میں رکھتے ہیں

(۲۲۲)

فریاد رات بھر مری سُن سُن کے یوں کہا
دیتا نہیں ہے موت بھی اس کو خدا کہیں

(۲۲۳)

پھرے ہیں ساتھ ہی ہم اور یہ سارا جہاں برسوں
ہماری خاک پر رویا کرے گا آسماں برسوں

(۲۲۴)

یہیں گزری ہے اپنی اور گزرے گی یہیں برسوں
رہے گی پاؤں پکڑے کوے جاناں کو زمیں برسوں

(۲۲۵)

نہ جائے گا پسِ مردن بھی نالوں کا اثر برسوں
تزلزل میں رہیں گے دہر کے دیوار و در برسوں

(۲۲۶)

کہاں ہم اور کہاں سالک وہ ہنگامے محبت کے
اب اک کونے میں بیٹھے ہیں خدا کو یاد کرتے ہیں

ردیف و

(۲۲۷)

جو دل میں غم نہ ہو چشم اشک بار کیوں کر ہو
سمائے دل میں تو راز آشکار کیوں کر ہو

اگر نہ وعدہ کرو انتظار کیوں کر ہو
سکونِ خاطرِ امیدوار کیوں کر ہو

اگر لگائے نہ رکھتے ہو کمر سے خنجر تم
ثبوتِ صنعتِ پروردگار کیوں کر ہو

شبِ فراق یہ کہتی ہے اور تارے گِن
سحر سے پہلے ہی روزِ شمار کیوں کر ہو

گرہ سے اپنی جو ہو نقدِ جاں تو دوں آن کو
کسی کی چیز کسی پر نثار کیوں کر ہو

جلائے دیتی ہے صحرا میں گرمیِ رفتار
چبھا ہوا مرے قدموں میں خار کیوں کر ہو

کسی طرح سے نہیں قربتِ ملک منظور
ہماری خاک سے اونچا غبار کیوں کر ہو

زباں کیل رکھی ہے مری محبت نے
زمانہ دوست سہی رازدار کیوں کر ہو

نظر عدو کی طرف اور مجھ سے وعدۂ وصل
تم آ ہی جاؤ مگر اعتبار کیوں کر ہو

زمیں کے ہوتے ہیں پیوند ہم ابھی لیکن
کسی سے پوچھو کہ زیرِ مزار کیوں کر ہو

یقین نزع ہے تم کو گمانِ شکوہ نہیں
کہ مجھ سے پوچھتے ہو بار بار کیوں کر ہو

وہ بدگمان ہیں اس کو کنایہ جانتے ہیں
شکایتِ ستمِ روزگار کیوں کر ہو

بنا کے حق نے کہا ''کُلُّ مَنْ علیہا فان''
بناے دارِ فنا استوار کیوں کر ہو

نگاہِ یار جگر کو عزیز دل کو عزیز
خدنگ ہی سہی سینے کے پار کیوں کر ہو

خدا نے ڈالی ہے بجلی خمیر میں دل کے
ملا ازل سے نہیں، اب قرار کیوں کر ہو

گئے ہیں خوابِ عدم میں ہم آخرِ شبِ ہجر
ہماری نیند بھلا ہوشیار کیوں کر ہو

جگر کے ٹکڑے ہوے سدِّ راہ آنکھوں میں
وہی مژہ ہے مگر اشک بار کیوں کر ہو

وہ لے چکے ہیں دل اب لطفِ ظاہری کیسا
شکار کرکے کمینِ شکار کیوں کر ہو

نہ کوہ‌کن ہے نہ فرصت ہے اس گلی سے مجھے
وہ رونق اب تری اے کوہ سار کیوں کر ہو

وفورِ ضعف سے اب بیٹھ ہی گیا سالک
تری گلی میں گزر بار بار کیوں کر ہو

(۲۲۸)

نہیں ممکن کہ سیدھا آسماں ہو
غلط سمجھو تو مجھ پر مہرباں ہو

غنیمت ہجر میں کیوں کر نہ جاں ہو
ستم پر جب گمانِ امتحاں ہو

جواں بختی سے کیوں خوش ہے کہ اے غیر
اسے پیری ہے لازم جو جواں ہو

وہ سرگوشی کسی سے کر رہے ہیں
کہیں یا رب نہ میرا رازداں ہو

رہے دعویٰ کہ رونے عمر بھر ہم
شبِ وصل اشکِ شادی گر رواں ہو

جو ہم واں خاک میں ملنے کو جائیں
زمینِ کوئے جاناں آسماں ہو

نہ ہو غش بھی تو میں آنکھیں نہ کھولوں
مری نظروں میں تم ہردم نہاں ہو

زباں تھکتی نہیں ذکرِ عدو میں
خدا نا کردہ تم میری زباں ہو

یقیں ہے[1] عرش پر بجلی ہو پیدا
اگر سدرہ پر اپنا آشیاں ہو

مشابہ ہے ہمارا حال سب سے
نہیں سنتے وہ کوئی داستاں ہو

---

۱ - 'ھنجارِ سالک' (صفحہ ۷۰) میں 'ہے' صحیح اور 'نایابِ سالک' (صفحہ ۱۲۷) میں 'ہو' غلط (مرتب)

اگر روکوں نہ چشمِ تر کو سالک
جہاں کا نام پھر کیوں خاکداں ہو

(۲۲۹)

وہ دشمن دوست ہو یا آسماں ہو
اجل بن کر ھی کوئی مہرباں ہو

یہ الفت کیوں کہ سینے میں نہاں ہو
کہ خاموشی بھی جس کا اک بیاں ہو

زلیخا وصلِ دائم کی ہے خوبی
دعا سے آدمی کیوں کر جواں ہو

نظر میں ہے حقیقت شش جہت کی
مکیں بنیے اگر کوئی مکاں ہو

مجھے رسوا کیا دشمن نے خوش ہوں
وہ رسوا ہو کے شاید بدگماں ہو

کہوں احوال یا دیکھوں کروں کیا
قیامت سامنے ہے تم کہاں ہو

کریں ضرب المثل صحت کو میری
کوئی بیمار غم جب نیم جاں ہو

اٹھایا در سے کتنا سہل مجھ کو
کہو گے پھر کہ تم سب پر گراں ہو

سنیں اچھی طرح اور پھر سنیں وہ
فغاں ہو اور پھر میری فغاں ہو

اگر زیرِ زمیں بھی جاؤں سالک
زمیں کو گردشِ ہفت آسماں ہو

(۲۳۰)

مہلت اک دم گرد پھر لینے کی دے نخچیر کو
روک چٹکی میں ذرا اے ناوک افگن تیر کو

لاؤں گا مُہرِ سلیماں بھی تری تسخیر کو
گو نہ پہنچے وہ کلامِ غیر کی تاثیر کو

وہ فرامش کار و غفلت کیش کب کرتا ہے یاد
طاقِ نسیاں میں لگائے جو مری تصویر کو

میں نے یہ دیکھا کہ وہ مجھ سے ہوئے ہیں ہم کلام
جاؤں پوچھوں آن سے ہی اس خواب کی تعبیر کو

صورتِ دل بستگی زنداں میں کچھ ہو جائے گی
زلف سے دیجیے کوئی حلقہ مری زنجیر کو

یہ بھی تھا اک امتحانِ کار پردازانِ شوق
ورنہ فنِ عشق میں کیا دخل جوئے شیر کو

تم بھی ہو میں سخت جاں بھی ہوں یہ مقتل ہے چلو
دیکھ لیں گے ایک دم میں جوہر شمشیر کو

میرے سینے میں جگہ پانی بہت دشوار تھی
تیری مژگاں کی نہ صورت گر بناتے تیر کو

عُقدہ قسّامِ ازل نے جب لکھا یاں کام میں
خامے سے پہلے تراشا ناخنِ تدبیر کو

حلق پر چلتی ہے رُک رُک کر مگر آیا ہے کیا
تیرے نازک ہاتھ سے چلنا تری شمشیر کو

خطّ پیشانی نہیں مٹتا مٹائیں لاکھ ہم
مل گئی تھی کیا سیاہی کاتبِ تقدیر کو

اُس کے عاشق ہو کے مرجائیں تو ہے نام آوری
ورنہ سالکؔ کون پوچھے نعش کی تشہیر کو

(۲۳۱)

ترا کرم ہو تو کیوں کر وصالِ یار نہ ہو
وہ زندگی دے الٰہی جو مستعار نہ ہو

جگر جلا ہے کہ آنسو میں تیرگی سی ہے
یہ وہ گہر ہے جو دھونی سے آبدار نہ ہو

وہ وعدہ کرتے ہیں اور[1] زہر کی ہے مجھ کو تلاش
ڈرا ہؤا ہوں کہ پھر دردِ انتظار نہ ہو

وہ بدگماں ہیں کہ کرتے ہیں امتحاں لیکن
جو مر بھی جاؤں تو اُلفت کا اعتبار نہ ہو

پناہ عرصۂ محشر سے مانگتے ہیں لوگ
گماں ہم کو یہ ہوتا ہے کوئی یار نہ ہو

نظر میں خاک سمائے وہ ہو قیامت ہی
خرامِ ناز سے جو فتنہ آشکار نہ ہو

بیان کرتے ہیں ہم خاکساریاں اپنی
الٰہی اُس کی طبیعت میں کچھ غبار نہ ہو

ابھی سے ناخنِ دستِ جنوں یہ کاوش کیا
خراشِ سینہ ہو جب پیرہن میں تار نہ ہو

نہ ہو کشاکشِ امید و یاس میں رہنا
یہ خوف ہے متلوّن مزاجِ یار نہ ہو

---

۱ - 'اور' بر وزن فع - (مرتب)

جہاں ہوں زیرِ زمیں دفن تیرے سوختہ جاں
ہرا ہؤا کوئی گلبن سرِ مزار نہ ہو

خبر کوئی نہ ہو یوں چرخ کو جلا دیجے
وہ آہ کھینچیے دل سے جو شعلہ بار نہ ہو

وہ ایک غیر کے ملنے سے میل آنکھ میں لائے
جو لاکھ جرم کرے اور شرمسار نہ ہو

شہیدِ ناز ہوں کوثر پہ تشنہ لب جاؤں
دعا یہ ہے کہ وہ شمشیرِ آبدار نہ ہو

زباں سے کرتے ہیں وہ وعدہ وصل کا لیکن
ادا یہ کہتی ہے کوئی امیدوار نہ ہو

مدام وصلِ بتاں چاہتے ہیں ہم سالک
وہ لاکھ بار ہو کیوں کر جو ایک بار نہ ہو

(۲۳۲)

اٹھاؤں ہجر میں زانو سے کس لیے سر کو
کہاں دماغ کہ دیکھوں میں چرخِ اخضر کو

بہائیں گریے سے اک بار ہی سمندر کو
بنائیں کس لیے ناسور دیدۂ تر کو

وہ کشتہ ہوں کہ مرا نام زندہ ہے قاتل
ابھی نیام میں کرنا کہیں نہ خنجر کو

کہوں رقیب سے گر لذتِ خلش اپنی
تو کھینچ لے مرے سینے سے نوکِ نشتر کو

فلک گرے تو گرے ہم نے پہلے ہی سر پر
فغاں سے اپنی اٹھایا ہے غیر کے گھر کو

ابھی تو روکے ہوئے ہیں ہم آہِ عالم سوز
ابھی تو دیکھتے ہیں چرخِ کینہ پرور کو

سمجھتے ہیں کہ یقیں ہووے انتظار بڑھے
وگرنہ پوچھتے کیوں وعدہ کرکے وہ گھر کو

نہ تھا کوئی دلِ بے آرزو کے لائق کیا
کہ جم کو جام ملا ، آئنہ سکندر کو

خلش پسند ہیں جو درد کو دوا سمجھیں
ہم آپ توڑ کے رکھتے ہیں دل میں نشتر کو

شریکِ خواہشِ زہّاد ہم بھی ہو جاتے
ارم کے بدلے اٹھاتے جو کوے دلبر کو

خدا قفس سے نکالے سلامت اب کے اگر
بچھائیں توڑ کے ہم آشیاں میں شہپر کو

بھرا نہ پیرِ مغاں کیا سمجھ لیا تو نے
حیاتِ غیر کا پیمانہ میرے ساغر کو

کہاں کی صبح کدھر کا طلوعِ سحر یہاں
شبِ فراق دکھائیں گے روزِ محشر کو

چلے ہیں کوچۂ جاناں میں حضرتِ سالک
یہ جان لو کہ گئے گزرے زندگی بھر کو

(۲۳۳)

کیوں کر کہوں کہ نزع میں خاطر حزیں نہ ہو
تو سامنے جو میرے دمِ واپسیں نہ ہو

ڈھب کا مرے جہانِ کہن کو بنا دے پھر
یا رب یہ آسماں نہ ہو ، یہ زمیں نہ ہو

دیکھا تھا مجھ کو خلق نے دشمن کے گھر میں رات
چرچا مرا ہے دہر میں تم شرمگیں نہ ہو
رگ رگ میں نیشِ عشق ہے اے چارہ گر مری
یہ درد وہ نہیں کہ کہیں ہو کہیں نہ ہو
فصلِ بہار جائے تو یوں دام میں پھنسوں
صیّاد کو بھی چاہیے رنجِ مکیں نہ ہو
ناصح کی پند ہے کہ مرا نالہ وہ سخن
منہ سے نکلتی ہے جو ترے دل نشیں نہ ہو
سالک جو صبح تک نہ کیے جاؤں میں فغاں
بیدار شب کو زاہدِ خلوت نشیں نہ ہو

(۲۳۴)

لگے پھاھے[1] بہت حق اجر دے اس ناوک افگن کو
مٹایا خستگی نے صورتِ عریانیِ تن کو
بنایا دوست اک مدت میں ہم نے دل سے دشمن کو
کنویں لاکھوں جھکا کر راہ پر لے آے رہزن کو
ترے غم کے سوا گر ایک بھی آنسو نکل آتا
تو رکھ لیتے مژہ کی جاے ہم آنکھوں میں سوزن کو
وہ دشمن ہیں کہ نیرنگِ ستم سے بول اٹھتے ہیں
ہمیں بھی دیکھنا ہے اس نگاہِ سامری فن کو

---

۱ - متن میں (کلیات سالک صفحہ ۱۳۱) 'پھاہے' کتابت کی غلطی ہے - 'پھاھا' اور 'پھاھے' صحیح ہے ، 'پھایا' اور 'پھاے' غلط ہیں - (دیکھیے نور اللغات حصّہ دوم صفحہ ۱۳۶) -

بنیں گے زخم سنگِ کودکانِ شہر کے پھاہے[1]
ابھی سے چاک کر رکھوں جنوں میں جیب و دامن کو

ابھی ہم کو ملا دے خاک میں اے چرخ کین پرور
ابھی اُس شہ سوارِ ناز نے چھیڑا ہے توسن کو

وہ کیوں ہیں تنگیِ کاشانۂ اغیار سے ناخوش
اگر بجلی گرانی ہے تو رکھ دیں میرے خرمن کو

جنوں سے کم نہیں یہ بخیہ سازی چارہ گر میری
رفو تارِ گریباں سے کیا ہے چاکِ دامن کو

نکلنے کو ہیں وہ گھر سے ہجومِ خلق ہے در پر
کوئی سُنتا نہیں ہے حاجبوں کے شورِ قدغن کو

زمیں جنبش میں ہے بے تابیِ دل سے پسِ مردن
ہمیں کیا خاک چین آئے سکوں ہو جب نہ مدفن کو

رہے گا دفن ہو کر کیا شہیدِ عشق کا پردہ
کہ اک رو خون کی آ کر بہا دیتی ہے مدفن کو

خدا جانے وہ کیا دل ہے وگرنہ میرے نالوں نے
کیا ہے گرم پتھر کو کیا ہے نرم آہن کو

ہوا کیوں غیر خوش میں نے تو غیرت سے کہا ہوگا
کہ آزارِ محبت یا الٰہی! ہو نہ دشمن کو

بُتانِ خوب رُو کے چاہنے میں کیا بُرائی ہے
پر اے دل چاہنا ایسے جفا کردار و پُر فن کو

فزوں ہو جائے گا غوغا بہ قدر اک اور محشر کے
ملا لیں گے صدائے صُور میں گر میرے شیون کو

---

۱ - متن میں (کلیات سالک صفحہ ۱۳۲) 'پھائے' غلط ہے - (مرتب)

ابھی بھولا ھوا ھے اک ذرا وہ کوچہ یاد آئے
تو پھر سالک کو دیکھیں کون لے جاتا ھے گلشن کو

(۲۳۵)

جاؤں جنت میں کہ واں چین ملے حور بھی ھو
پر تری یاد مرے دل سے کبھی دور بھی ھو

تیرہ روزی میں ھے داخل شبِ مہتابِ فراق
وصل میں دن ھے اگرچہ شبِ دیجور بھی ھو

میرے نزدیک تو ھے سہل عدم کا جانا
اس قدر بُعد مگر یار سے منظور بھی ھو

میرے ظلمت کدے میں شمعِ سحر بن جائے
جس سے دنیا کی نمائش ھے جو وہ نور بھی ھو

گریۂ خوں کا بہانا نہیں آساں اے ابر
یہ جب آتا ھے کہ دل میں کوئی ناسور بھی ھو

بخت وہ ، حال یہ ، کیوں کر ھو مجھے وصلِ بتاں
یہ تو جب ھو کہ مقدر بھی ھو مقدور بھی ھو

ھے بجا آپ کی یہ گریہ و زاری **سالک**
خستۂ درد ھو ، عاشق بھی ھو ، مہجور بھی ھو

(۲۳٦)

ظاھر کیا ھے فتنۂ رفتار یار کو
آسودگی پسند نہیں روزگار کو

اس طرح کھینچیے لذتِ آزارِ یار کو
حرصِ جفا ھو بوالھوسِ بد شعار کو

ڈر ہے کہ اُن کو دیکھ کے آرام آ نہ جائے
آئے ہیں دیکھنے وہ مرے اضطرار کو

افسوس جان لیتے ہیں سب دل کے[1] مدعا
خاموش دیکھ کر وہ مرے راز دار کو

ہم لے کے ساتھ حشر میں واعظ کو جائیں گے
دیکھیں گے شانِ رحمتِ پروردگار کو

یہ حیلۂ درستیِ بندِ قبا ہے کیوں
ذکرِ گزشتہ میں نگہِ شرمسار کو

شاید کہ آئیں دیکھنے میرے جنوں کی سیر
کہہ دو نہ اُن سے مژدۂ فصلِ بہار کو

نظروں میں چُبھ[2] رہے ہیں اشاراتِ دل فریب
مشتاقی ضرور نہیں حُسنِ یار کو

یہ کس جہاں فریب نے پردہ اٹھا لیا
پہچانتا نہیں ہے کوئی کوئے یار کو

طفلانِ شہر نے کہیں چھوڑا نہ ایک سنگ
وحشت نے میری دشت کیا کوہسار کو

پنہاں مری نظر سے ہو یارب کہیں فلک
اتنا سیاہ کر مری شب ہائے تار کو

---

۱ - 'کے' کی جگہ 'کا' بہتر رہتا - (مرتب)
۲ - ''کلیات سالک'' (صفحہ ۱۳۳) میں 'چھپ' غلط ہے - ''ہنجار سالک'' میں 'چبھ' ہے - (مرتب)

دیکھا تھا مجھ کو خلق نے دشمن کے گھر میں رات
چرچا مرا ہے دہر میں تم شرمگیں نہ ہو
رگ رگ میں نیشِ عشق ہے اے چارہ گر مری
یہ درد وہ نہیں کہ کہیں ہو کہیں نہ ہو
فصلِ بہار جائے تو یوں دام میں پھنسوں
صیّاد کو بھی چاہیے رنجِ مکیں نہ ہو
ناصح کی پند ہے کہ مرا نالہ وہ سخن
منہ سے نکلتی ہے جو ترے دل نشیں نہ ہو
سالک جو صبح تک نہ کیے جاؤں میں فغاں
بیدار شب کو زاھدِ خلوت نشیں نہ ہو

(۲۳۴)

لگے پھاھے[1] بہت حق اجر دے اُس ناوک افگن کو
مٹایا خستگی نے صورتِ عریانیِ تن کو
بنایا دوست اک مدت میں ہم نے دل سے دشمن کو
کنویں لاکھوں جھکا کر راہ پر لے آئے رہزن کو
ترے غم کے سوا گر ایک بھی آنسو نکل آتا
تو رکھ لیتے مژہ کی جائے ہم آنکھوں میں سوزن کو
وہ دشمن ہیں کہ نیرنگِ ستم سے بول اُٹھتے ہیں
ہمیں بھی دیکھنا ہے اُس نگاہِ سامری فن کو

---

۱ - متن میں (کلیات سالک صفحہ ۱۳۱) 'پھاے' کتابت کی غلطی ہے -
'پھاھا' اور 'پھاھے' صحیح ہے ، 'پھایا' اور 'پھایے' غلط ہیں - (دیکھیے
نور اللغات حصہ دوم صفحہ ۱۳۶) -

بنیں گے زخم سنگِ کودکانِ شہر کے پھاھے[1]
ابھی سے چاک کر رکھوں جنوں میں جیب و دامن کو

ابھی ہم کو ملا دے خاک میں اے چرخ کیں پرور
ابھی اس شہ سوارِ ناز نے چھیڑا ہے توسن کو

وہ کیوں ہیں تنگیِ کاشانۂ اغیار سے ناخوش
اگر بجلی گرانی ہے تو رکھ دیں میرے خرمن کو

جنوں سے کم نہیں یہ بخیہ سازی چارہ گر میری
رفو تارِ گریباں سے کیا ہے چاکِ دامن کو

نکلنے کو ہیں وہ گھر سے ہجومِ خلق ہے در پر
کوئی سنتا نہیں ہے حاجبوں کے شورِ قدغن کو

زمیں جنبش میں ہے بے تابیِ دل سے پسِ مردن
ہمیں کیا خاک چین آئے سکوں ہو جب نہ مدفن کو

رہے گا دفن ہو کر کیا شہیدِ عشق کا پردہ
کہ اک رو خون کی آ کر بہا دیتی ہے مدفن کو

خدا جانے وہ کیا دل ہے وگرنہ میرے نالوں نے
کیا ہے گرم پتھر کو کیا ہے نرم آہن کو

ہوا کیوں غیر خوش میں نے تو غیرت سے کہا ہوگا
کہ آزارِ محبت یا الٰہی! ہو نہ دشمن کو

بتانِ خوب رو کے چاہنے میں کیا برائی ہے
پر اے دل چاہنا ایسے جفا کردار و پر فن کو

فزوں ہو جائے گا غوغا بہ قدر اک اور محشر کے
ملا لیں گے صدائے صور میں گر میرے شیون کو

---

۱ - متن میں (کلیات سالک صفحہ ۱۳۲) 'پھاہے' غلط ہے - (مرتب)

ابھی بھولا ہوا ہے اک ذرا وہ کوچہ یاد آئے
تو پھر سالک کو دیکھیں کون لے جاتا ہے گلشن کو

(۲۳۵)

جاؤں جنت میں کہ واں چین ملے حور بھی ہو
پر تری یاد مرے دل سے کبھی دور بھی ہو
تیرہ روزی میں ہے داخل شبِ مہتابِ فراق
وصل میں دن ہے اگرچہ شبِ دیجور بھی ہو
میرے نزدیک تو ہے سہل عدم کا جانا
اس قدر بُعد مگر یار سے منظور بھی ہو
میرے ظلمت کدے میں شمعِ سحر بن جائے
جس سے دنیا کی نمائش ہے جو وہ نور بھی ہو
گریۂ خوں کا بہانا نہیں آساں اے ابر
یہ جب آتا ہے کہ دل میں کوئی ناسور بھی ہو
بخت وہ ، حال یہ ، کیوں کر ہو مجھے وصلِ بتاں
یہ تو جب ہو کہ مقدر بھی ہو مقدور بھی ہو
ہے بجا آپ کی یہ گریہ و زاری **سالک**
خستۂ درد ہو ، عاشق بھی ہو ، مہجور بھی ہو

(۲۳۶)

ظاہر کیا ہے فتنۂ رفتارِ یار کو
آسودگی پسند نہیں روزگار کو
اس طرح کھینچیے لذتِ آزارِ یار کو
حرصِ جفا ہو بوالہوسِ بد شعار کو

ڈر ہے کہ اُن کو دیکھ کے آرام آ نہ جائے
آئے ہیں دیکھنے وہ مرے اضطرار کو

افسوس جان لیتے ہیں سب دل کے[1] مدعا
خاموش دیکھ کر وہ مرے راز دار کو

ہم لے کے ساتھ حشر میں واعظ کو جائیں گے
دیکھیں گے شانِ رحمتِ پروردگار کو

یہ حیلۂ درستیِ بندِ قبا ہے کیوں
ذکرِ گزشتہ میں نگہِ شرمسار کو

شاید کہ آئیں دیکھنے میرے جنوں کی سیر
کہہ دو نہ اُن سے مژدۂ فصل بہار کو

نظروں میں 'چبھ'[2] رہے ہیں اشاراتِ دل فریب
مشتاقگی ضرور نہیں حسنِ یار کو

یہ کس جہاں فریب نے پردہ اُٹھا لیا
پہچانتا نہیں ہے کوئی کوئے یار کو

طفلانِ شہر نے کہیں چھوڑا نہ ایک سنگ
وحشت نے میری دشت کیا کوہسار کو

پنہاں مری نظر سے ہو یارب کہیں فلک
اتنا سیاہ کر مری شب ہائے تار کو

---

۱ - 'کے' کی جگہ 'کا' بہتر رہتا - (مرتب)
۲ - ''کلیات سالک'' (صفحہ ۱۳۳) میں 'چھپ' غلط ہے - ''هنجار سالک'' میں 'چبھ' ہے - (مرتب)

احوالِ زار اُن کو دکھانے چلا ہوں آج
کانٹا[1] سمجھتے ہیں جو مرے جسمِ زار کو
سالک ملا رہے گا مجھے خاک میں یہی[2]
سمجھا ہوا ہوں میں فلکِ بد شعار کو

(۲۳۷)

دیکھوں اگر گھٹا کے شبِ انتظار کو
بس ہو ہزار زندگیِ مستعار کو
کیوں ہنس کے دیکھوں خندۂ برق و شرار کو
روؤں نہ اپنی ہستیِ بے اعتبار کو
اب کے تو بس خزاں ہی میں قصہ تمام ہے
عمرِ گزشتہ جانیے فصلِ بہار کو
کھل جائے گر مزار میں کھڑکی بہشت کی
آغوشِ یار جان زمیں کے فشار کو
کیسی عزیز شے ہے کہ بس ہو تو قبر میں
لے جاؤں ساتھ زندگیِ مستعار کو
اس کُو میں چل کے دیکھ لے طوفانِ عاد بھی
جنبش نہیں زمیں سے ہمارے غبار کو
چمکے نہ داغِ دل تو کبھی منکر و نکیر
پائیں مزار میں نہ مرے جسمِ زار کو

---

۱ - ''ہنجار سالک'' (صفحہ ۷۶) میں اس طرح ہے :
جو خار جانتے ہیں مرے جسم زار کو
۲ - ''ہنجار سالک'' (صفحہ ۷۶) میں 'یہ ہے' یا 'یہ ہی' درست نہیں -
'یہی' صحیح - (مرتب)

چھیڑا ہے ذکر آپ نے طوفانِ نوح کا
اب چین کیوں کہ ہو مژۂ اشک بار کو
ہو رکھ رکھاؤ خضر ہی سے رخشِ عمر کا
اس نے زمیں دکھائی ہے ہر شہسوار کو
آ جائیں دیکھنے کو نہ حوریں یہ رشک ہے
اچھا بہشت میں نہ کہوں کوے یار کو
آنکھیں نہ چار داورِ محشر سے ہو سکیں
عذرِ گنہ کیا نگہِ شرمسار کو
ظالم سوالِ وصل پہ کچھ تو زباں ہلا
نومید پھیرتے نہیں امّید وار کو
دھوکا نہ ہو بلائیں نہ اٹھیں زمین سے
پاتا ہوں مہرباں فلکِ کینہ کار کو
دیکھوں دکھائے گا مجھے خورشیدِ حشر کیا
اللہ عمر دے مری شب ہاے تار کو
رکھے خدا ہی پردہ کہ خود لے گئے ہیں آج
بزمِ شراب میں وہ مرے راز دار کو
پھندے ہماری سیر بھی کرنی ضرور تھی
قبضے میں کیوں قضا نے رکھا اختیار کو
سیراب میری آبلہ پائی سے دشت ہے
میرے قدم عزیز ہیں ہر نوکِ خار کو
شعلے ہزار اٹھتے ہیں تعویذِ سنگ سے
پہچانے کوئی کیا مری شمعِ مزار کو
آئینہ دیکھ دیکھ کے روتے ہو عشق میں
سالک نہ سوچے پہلے ہی انجامِ کار کو

(۲۳۸)

شق ہے لوحِ مزار ہونے کو
ہے کسی کا گزار ہونے کو

یار سمجھے ہیں اس کو ہم کہ جسے
چاہیے عمر یار ہونے کو

شرم اے چرخِ پیر شرم کہ تو
کیوں بنا بد شعار ہونے کو

چشمِ بینا ہے بوالہوس درکار
محو روئے نگار ہونے کو

عہد لوں ان سے پر کہاں سے لاؤں
عمر امید وار ہونے کو

آن میں انکا ہوا ہے دم اپنا
آئیں کیوں شرمسار ہونے کو

آئیے ورنہ خامشی سے بھی
راز ہے آشکار ہونے کو

اے دل اس بخت پر غنیمت جان
ستمِ روزگار ہونے کو

خواب آنکھوں ہے میں شبِ وعدہ
خلشِ انتظار ہونے کو

یوں ہے انکارِ وصلِ غیر انہیں
کہ ہوں میں شرمسار ہونے کو

بزمِ جاناں میں حضرتِ سالک
آپ کیوں آئے خوار ہونے کو

(۲۳۹)

منظور ہے خلافِ عدو کوئی کام ہو
بدنام جان کر ہوں جو وہ نیک نام ہو

ٹوٹے اگر فلک تو نہ ہوں سرنگوں کبھی
جن کی نظر میں جلوۂ بالائے بام ہو

بیٹھے ہو کیا یہ کہتی ہے صبحِ شبِ وصال
مصروفِ ماتمِ دلِ حسرت مقام ہو

خود آئے ہیں[1] ضرور وہ تشہیر کے لیے
ورنہ ہماری نعش پہ یہ اژدحام ہو

افسوس بزمِ غیر میں یوں روح بخش ہے
وہ مے جو مجھ کو ہجرِ بتاں میں حرام ہو

پورے ہوئے نہ اس کے ستم ہی تو حشر میں
وہ قصہ کیا کہوں جو ابھی ناتمام ہو

ہیں[2] آج میرے کہنے میں[3] جو کچھ کہوں کہیں
پر کیا کہوں کہ غیر سے تم ہم کلام ہو

چالیں نہ سیکھنا فلکِ کج نہاد کی
مشہور اس زمانے میں تم خوش خرام ہو

---

۱ - ''کلیات سالک'' (صفحہ ۱۳۶) میں 'آئے ہیں' اور ''ہنجار سالک'' (صفحہ ۷۶) میں 'آئیں گے' - (مرتب)
۲ - اس شعر کے مصرع اول کا مفہوم مصرع ثانی سے بدل جاتا ہے - 'تم' ضمیر مخاطب سے بے ربطی پیدا ہو رہی ہے - (مرتب)
۳ - ''ہنجار سالک'' (صفحہ ۷۶) میں 'ہیں' - (مرتب)

دیں سجدہ بڑھ کے چار قدم اُس کی ضد سے ہم
ہرگز نہ ہو نماز جو دشمن امام ہو
یا رب شبِ فراق کو میری وہ صبح دے
جس صبح کو نصیب نہ دنیا میں شام ہو
کس نے کیا ہے وعدہ یہ کس کا ہے انتظار
سالک عبث اسیرِ خیالاتِ خام ہو

(۲۴۰)

کھینچوں میں اگر نالہ تو کیا جانیے کیا ہو
اے چرخ وہ آزار بھی دے چک جو رہا ہو
وہ آئے بھی تو ساتھ لیے غیر کو یا رب
اس ڈھنگ سے نالہ تو کسی کا نہ رسا ہو
کرتے ہو جو تم صحبتِ اغیار کی باتیں
کچھ منہ سے ہمارے بھی نکل جائے تو کیا ہو
جھکتا نہیں سر آج ترے در پہ ہمارا
ظالم نہ کہیں غیر نے یاں پاؤں دھرا ہو
ہو جائے اگر صبح ہماری شبِ دیجور
کیا تیری سیاہی سے کم اے زلفِ دوتا ہو
سب صرف کیا یار کی رفتار نے واعظ
فتنے میں ہے کیا جان کہ اب حشر بپا ہو
وہ سن کے بھی سنتے نہیں نالہ مرا اور[1] میں
اس وہم میں مرتا ہوں کہ اب کے نہ سنا ہو

---

۱ - 'اور' بر وزن فع (مرتب)

سالک کوئی ایسے سے بھی کرتا ہے محبت
کم بخت یہ کیا تو نے کیا تیرا برا ہو

(۲۴۱)

ہے خضر خوش کہ نام رہے اور[1] نشاں نہ ہو
ہم کو نصیب زندگیِ جاوداں نہ ہو

یہ گھر رقیب کا ہے یہ کوچہ ہے یار کا
اے نالہ عزمِ سیر گہِ لامکاں نہ ہو

پھرتا ہے اپنی بات سے کوئی جو ہو سو ہو
کہتے ہیں اس کو دل پہ تمھاری زباں نہ ہو

وہ کیا جفا اٹھائے کس امید پر جیے
جس کی نظر میں کوئی حدِ امتحاں نہ ہو

کیا جانے رسمِ مکرمت و شیوۂ سخا
جو پیروِ طریقۂ پیرِ مغاں نہ ہو

یہ خوبیاں ہیں ذوقِ وصالِ دوام کی
ورنہ کبھی دعا سے زلیخا جواں نہ ہو

کیا کہیے ماجرائے شبِ غم وصال میں
وہ حال پوچھتے ہو جو کچھ بھی بیاں نہ ہو

تنہا نہ مجھ کو وصل میں راحت ہے اے فلک
تجھ کو بھی بیمِ نالۂ آتش فشاں نہ ہو

کثرت سے غم کی سینہ و دل میں جگہ نہیں
جائے کدھر کو اور جو ہونٹوں پہ جاں نہ ہو

---

۱ - 'اور' بر وزن فع - (مرتب)

جو دشت پیش آئے گا سالک پس از فنا
اس دشت کی فلک کہیں ریگِ رواں نہ ہو

(۲۴۲)

شکر کیجے کہ نہیں تابِ تکلم مجھ کو
ورنہ اس طرح سے[1] جو چاہو کہو تم مجھ کو
اپنے ہاتھوں سے اگر قتل کرو تم مجھ کو
نہ سنوں حضرتِ عیسیٰ جو کہیں قم مجھ کو
مجھ پہ گریے نے مرے کام کیے سب دشوار
خاک پانی ہو جو ہو عزمِ تیمّم مجھ کو
ہو اگر چشمِ حقیقت تو نظر آ جائیں
قطرے میں موجہ و گرداب و تلاطم مجھ کو
اس کو دیکھو کہ وہ ہے مجھ سے سوا گردش میں
آسماں بن کے ستانا نہ کہیں تم مجھ کو
جس کو خوش حالی و عشرت پہ غرور آتا ہے
دور سے اس کو دکھا دیتے ہیں مردم مجھ کو
ہو کے رسوا آسے ضد اور بھی آ جاتی ہے
خوار رکھتا ہے مرا شورِ تظلّم مجھ کو
حشر کو بھی نہ ہؤا شاملِ بعثِ اموات
کر گیا جلوۂ دیدار کہاں گم مجھ کو
غصہ قاتل کا بڑھایا یہی[2] طعنہ دے کر
زندہ گویا کہ نہیں چھوڑنے کے تم مجھ کو

---

۱ - ''ہنجار سالک'' (صفحہ ۷۶) میں 'سے' کی جگہ 'بھی' ہے (مرتب)
۲ - ''ہنجار سالک'' (صفحہ ۷۷) میں 'یہ ھی طعنے' ہے - (مرتب)

ظرفِ منصور کو اک قطرے نے جس کے کھویا
عشق اُس مے سے پلاتا ہے کئی خم مجھ کو

گریے کو ہے وہ ترقی کہ نظر آتے ہیں
ہر جگہ خاک میں دریا کی تلاطم مجھ کو

غرقِ گردابِ فنا ہو کے یہ پایا آرام
جانتا ہوں کہ ملا ساحلِ قلزم مجھ کو

جستجو اس کی اور[1] اس ضعف میں حیران ہوں خود
اپنے سایے سے ہے کیوں کر یہ تقدّم مجھ کو

آپ ہی سوچ کے برسوں میں نکالوں تدبیر
اور پھر آپ ہی پھروں ہو تبسّم مجھ کو

نہ پھنسے عشق بتاں میں کوئی سالک لیکن
چشمِ عبرت سے نہیں دیکھتے مردم مجھ کو

(۲۴۳)

ہو چکا وعدہ وفا اُس بے وفا سے رات کو
اے اجل تو ہی کہیں آجا بلا سے رات کو

نازِ شب بیداریِ زہاد کی یہ اصل ہے
جاگتے ہیں میرے نالوں کی صدا سے رات کو

روزِ محشر تو گھٹا دنیا کے جھگڑوں میں تمام
ہم کہیں گے حال اپنا کیا خدا سے رات کو

وہ بھی آ جاتے جو اتنی منتیں کرتا کوئی
موت آئی ہم کو جتنی التجا سے رات کو

---

۱ - 'اور' بر وزن فع - (مرتب)

شام ہی سے تجھ کو مرنا تھا کہ سالک اُڑ گئی
نیند اس کی شیونِ اہلِ عزا سے رات کو

(۲۲۴)

اعجاز[1] نے مانا جو تری جنبشِ لب کو
عیسیٰ نے بھی احسنت کہا قدرتِ رب کو

کیا ہجر میں امیدِ سحر ہو کہ ملی عمر
اتنی ہی کہ جتنی ہے درازی مری شب کو

لکھا ہے مرے نام پہ غم پہلے قلم نے
باقی جو رہا کچھ تو دیا دہر میں سب کو

ہو چرخ موافق بھی تو کیا کھ کے وہ مانگے
دیکھا ہی نہ ہو جس نے کہ سامانِ طرب کو

خوش ہے ترے کوچے میں کہ واں حشر بپا ہے
یاں چین کہاں سالکِ ہنگامہ طلب کو

(۲۲۵)

زینت ہے چرخ کی یہ اثر کیا پسند ہو
تارا سا چمکے لب سے جو نالہ بلند ہو

منہ کا مزہ بگاڑ دیا ہجرِ یار نے
جو خندہ لب پہ آئے مرے زہر خند ہو

اچھے ہیں خوب و زشتِ سخن سے ہے جن کو کام
سالک نہ مان اسے جو تخلص پسند ہو

---

۱ - یہ مطلع ''ہنجار سالک'' (صفحہ ۲۷) میں ہے - ''کلیات سالک'' میں غزل بغیر مطلع کے ہے - (مرتب)

(۲۲۶)

اثرِ نالہ نہ ہو آہ کی تاثیر نہ ہو
غرض اے چرخ کوئی وصل کی تدبیر نہ ہو
دعویِ سوختہ جانی کا مزہ کیا دشمن
جب تک اک شعلہ زباں پر دمِ تقریر نہ ہو
وہ نہ آئے نہ جلے چرخ ولے کیا امکاں
کہ مرے لب پہ کبھی نالۂ شب گیر نہ ہو

(۲۲۷)

ہے خدنگِ قضا نظر دیکھو
جس طرف دیکھو، دیکھ کر دیکھو
ہو چکی بس بس آپ کی بیداد
اب مری آہ کا اثر دیکھو

(۲۲۸)

نوشدارو ہو اگر زہر ملے کھانے کو
زیست ہم جانتے ہیں ہجر میں مر جانے کو
وصل میں کثرتِ شادی سے ہوں مر جانے کو
تم ہی چھیڑو مرے گزرے ہوئے افسانے کو

(۲۲۹)

کہا اس سے کہ مارا تم نے سالک کو الگ رہ کر
کہا تم ہی کہو روکا ہے کس نے کس کی آئی کو

(۲۵۰)

چشمِ خوں بار سے ٹپکا ہے مگر خونِ سالک
مے کہاں پیتے جو تم ساغرِ سرشار سے ہو

(۲۵۱)

ہیں شب و روز گرفتارِ کمندِ اوہام
ہم جہاں بیٹھ گئے ہے وہی زنداں ہم کو

(۲۵۲)

لے کے جب قاصد نکلتا ہے درِ جاناں سے خط
شوق میں جاتا ہوں واں تک آپ استقبال کو

(۲۵۳)

تھا جفاکش ایک سالک آج وہ بھی مر گیا
اب لیے بیٹھے رہو تم شیوۂ بیداد کو

ردیف ہ

(۲۵۴)

دل وہ شے ہے کہ جو دیکھے تو کھچے یار کے ساتھ
یہ دکاں وہ ہے کہ چلتی ہے خریدار کے ساتھ
ایک دم بھر کے لیے ہم نے لگایا تھا گلے
عمر ہی کٹ گئی قاتل تری تلوار کے ساتھ

طعنۂ[1] ظلم و ستم لیلیٰ و شیریں پہ عبث
کیا کیا آپ نے عشّاقِ دل افگار کے ساتھ

تیغ چل نکلی دمِ قتل گلے پر میرے
میں نے تشبیہ جو دی ابروے خم‌دار کے ساتھ

حشر اغیار کا شدّاد کے ہوگا ہمراہ
جھوٹ کہتا ہوں تو بس حشر ہو اغیار کے ساتھ

نہ ڈریں خلد میں جاتے ہوے جو رضواں سے
اُس کے دروازے پہ رُک جائیں خبردار کے ساتھ

سو گئے بختِ شبِ وعدہ یہ مجھ سے کہہ کر
کون جاگا ہے ترے دیدۂ بیدار کے ساتھ

اس قدر چرب زبانی نہیں اچھی اے شمع
بزمِ جاناں میں زباں کٹتی ہے گفتار کے ساتھ

حشر میں ظالم و مظلوم جدا ہوں گے دریغ
ہاے واں بھی نہ رہے اُس بتِ عیّار کے ساتھ

ہاے افسوس ہے سالک کی جواں مرگی کا
عشق کی بات گئی اُس جگر افگار کے ساتھ

(۲۵۵)

اچھی نبھی بتانِ ستم آشنا کے ساتھ
اب بعدِ مرگ دیکھیے کیا ہو خدا کے ساتھ

روتی چلی ہے خلق ترے مبتلا کے ساتھ
گویا کہ تجھ سے ملنے چلا ہے قضا کے ساتھ

---

۱ - 'طعنہ و ظلم' ''کلیاتِ سالک'' (صفحہ ۱۴۰) میں غلط ہے -
''ہنجارِ سالک'' میں صحیح ہے - (مرتب)

جب سے وہ سُن چکے ہیں کہ ہم خاک میں ملے
نیچی نگاہ بھی نہیں کرتے حیا کے ساتھ

یوں گُم رہانِ عشق ہیں رہزن کے ساتھ خوش
گویا کہ ہو لیے ہیں کسی رہنما کے ساتھ

مانگوں دعائے مرگ تو آمیں کہیں عدو
اب اُن کے مدعا ہیں مرے مدعا کے ساتھ

یوں کہتے ہیں کہ تجھ کو ستائے ہی جائیں گے
گویا کہ مجھ کو عشق ہے اپنی وفا کے ساتھ

غیروں نے بے دلی سے مری پائے مدعا
میں گم ہوا نہ کیوں دلِ حسرت فزا کے ساتھ

آتے ہی اُس کے موت بھی آئی شبِ وصال
کی تھی دعا عدو نے ہماری دعا کے ساتھ

ہے[1] یار تک شمال و صبا کا گزر محال
یوسف کی بو نہیں ہے جو آئے صبا کے ساتھ

چُپ چُپ نہ جاننا مجھے اک روز دیکھنا
تقریر میری داورِ روزِ جزا کے ساتھ

شرمندۂ بتاں نہ ہوئے لاکھ شکر
سالک خدا نے ہم کو اُٹھایا وفا کے ساتھ

---

۱ - یہ شعر ''کلیات سالک'' میں نہیں ہے - ''ہنجار سالک'' (صفحہ ۷۹)
سے لیا گیا ہے - (مرتب)

(۲۵۶)

رکھتے ہیں وہ سامنے عارض کے اکثر آئنہ
رفتہ رفتہ بن گیا خورشید منظر آئنہ

اس مژہ کے عکس سے گر پائے جوہر آئنہ
پھر چبھوئے عاشقوں کے دل میں نشتر آئنہ

کلبۂ تاریک میں میرے وہ آئیں کس طرح
بزمِ اعدا رات بھر ہے اور دن بھر آئنہ

عکس ہے برقِ تجلی کا نظر آئے گا کیا
توڑتے جاؤ گے کب تک آئنے پر آئنہ

فرطِ گریہ نے بڑھایا اور بھی دل کا غبار
ہو گیا پانی میں دھونے سے مکدّر آئنہ

دیکھتا ہے وہ تو اس کے دیکھنے کے شوق میں
کیا عجب خود نکلے اپنے گھر سے باہر آئنہ

صورتِ جاناں ہے اِس میں اور اُس میں عکس ہے
دل کے آئینے سے ہو کس طرح بہتر آئنہ

(۲۵۷)

قدر کیا عاشق کے دل کی بے قراری گر نہ ہو
بڑھتی ہے سیماب سے توقیرِ پشتِ آئنہ

آئنہ واں ہاتھ میں ہے اور لکیریں ہاتھ کی
دلبری کا نقش ہے تحریرِ پشتِ آئنہ

زانوے نازک پہ تم یوں بے تکلف دو جگہ
میرے سر سے پوچھیے توقیرِ پشتِ آئنہ

بس که دشمن کام ہوں اپنے طریقے کے خلاف
اس غزل میں کر گیا تقریرِ پشتِ آئنہ

ہاتھ میں آئینہ لے کر تم دکھاؤ غیر کو
وائے بختِ روز ہے تقدیرِ پشتِ آئنہ

ہو گیا سیماب سی شے کو مگر سالک سکون
دل پہ رکھ کر دیکھ تو تاثیرِ پشتِ آئنہ

ردیف ی ، ے

(۲۵۸)

کیا کیا گناہ کرتے ہیں اور پھر رسید ہے
''لا تقنطوا'' نہیں ہے یہ اچھی نوید ہے

دل وعدۂ جمال ہے مشتاقِ دید ہے
جس دن قیامت آئے، وہی روزِ عید ہے

یہ کس کے غم کی آگ ہوئی ہے گناہ سوز
اٹھتا جو دل سے ''نعرۂ ھل من مزید'' ہے

آوارگانِ دشتِ طلب میں تھکا ہوا
شبلی[1] کہیں پڑا ہے کہیں بایزید[2] ہے

کانونِ دل میں آتشِ غم ہے بھری ہوئی
صہبائے معرفت کی اسی میں کشید ہے

---

۱ - شبلی : (۸۶۱ - ۹۴۶) ابوبکر دلف بن حجدر - ایک مسلمان صوفی تھے۔ بغداد میں پیدا ہوئے، وہیں دفن ہیں - (جامع اللغات ج ۳ صفحہ ۴۷۶)

۲ - بایزید : ابویزید طیفور بن عیسی البسطامی ، ایک مسلمان صوفی۔ . ان کا مقبرہ بسطام میں ہے (جامع اللغات ج ۱ صفحہ ۳۰۵) -

کوشش سے اُس کی راہ میں جس جا پہنچ گئے
سمجھے وہیں کہ منزلِ مقصد بعید ہے

دل سے بُھلائے دونوں جہاں ایک یاد نے
ہم اُس کے ہو لیے ہیں ، ہمیں کیا امید ہے

پہنچی ہے دیکھنا نگہِ نا رسا کہاں
یہ قصرِ لامکاں ہے ، یہ عرشِ مجید ہے

جمشید[1] حالِ دہر کُھلا جام میں تو کیا
جو بات دیدنی ہے ، وہی ناپدید ہے

ہر ذرّے سے ہے جلوۂ خورشید آشکار
ہر شے گواہِ قدرتِ ربِّ مجید ہے

رہتی ہے رحمت اُس کی ہمیشہ بہانہ جُو
انجام نیک ہو تو شقی بھی سعید ہے

پہنچی ہے عرش تک نگہِ دوربیں عبث
دیکھا نہ یہ کہ مژدۂ ''حبل‌الورید[2]'' ہے

سالک نہ چھوڑ حمدِ خداوندگار ، دیکھ
قفلِ دہن کے واسطے اچھی کلید ہے

---

۱ - **جمشید** : (۸۰۰ ق ، م) خاندان پش دادیاں کا چوتھا بادشاہ جس نے ایران پر بہ قول فردوسی ۷۰۰ سال حکومت کی ہے - اس کے پاس ایک پیالہ تھا جس میں ساری دنیا کے حالات نظر آتے تھے - اسے جامِ جم کہتے ہیں - (جامع اللغات ج ۲ صفحہ ۳۶۹)

۲ - **حبل الورید** : آیت ''نحن اقرب الیہ من حبل الورید'' الخ
ترجمہ : ہم انسان کی شہ رگ سے زیادہ اُس سے قریب ہیں -

(۲۵۹)

کہتا ہوں اپنا حال بہت اختصار سے
آگاہ ہوں درازیِ روزِ[1] شمار سے

یاں بھی نہیں نجات دلِ بے قرار سے
پھر تیرے در پہ آتے ہیں اٹھ کر مزار سے

کیوں کر زباں پہ آئے گا رازِ نہانِ عشق
ہم کیا کہیں گے داورِ روزِ شمار سے

غش دونوں ایک جلوۂ دیدار میں ہوے
آئینہ گر پڑا کفِ دستِ نگار سے

اک تم سے دوستی ہمیں اور لاکھ سے عناد
اک ہم سے دشمنی تمھیں الفت ہزار سے

فتنے تو سیکڑوں ہی اٹھے بزم میں ولے
اٹھا نہ بیٹھ کر کوئی پہلوے یار سے

لو اور گرم ہوگئی محفل رقیب کی
کیا کیا جلا ہوں میں نفسِ شعلہ بار سے

وقفہ حدوثِ حشر میں ہے ایک رات کا
ثابت ہؤا یہ طولِ شبِ انتظار سے

کیا شے ہے عشق بھی کہ گیا دل گرہ سے اور
بیٹھے ہیں سر جھکائے ہوے شرمسار سے

اس بے وفا کے کوچے سے آتی ہے کیا نسیم
پیدا نہیں ثبات جو رنگِ بہار سے

---

۱ - 'زور' "کلیات سالک" (صفحہ ۱۴۳) میں غلط ہے - (مرتب)

آ گہہ[1] ہو کچھ تو راہ بیابانِ عشق سے
دو سرمہ چشمِ خضر میں میرے غبار سے
سالک اگر ہے سانس تو باقی ہے آس بھی
مایوس ہو نہ رحمتِ پروردگار سے

(۲٦۰)

فرطِ[2] جذبِ شوق کا ڈر ہے دلِ نخچیر سے
چھین لے پیکاں نہ آس ناوک فگن کے تیر سے
اور برہم ہوگئے وہ شورِ بے تاثیر سے
دن بُرے آئے ہمارے نالۂ شب گیر سے
سخت جانی نے بڑھائے اور بھی اسبابِ ظلم
ٹوٹ کر چُھریاں بہت نکلیں تری شمشیر سے
رحم بھی زخمی پر اپنے اُن کو آیا ہے تو کیا
زخم بھی سینے کو بیٹھے ہیں تو نوکِ تیر سے
تو نہ اٹھ تعظیم کو فتنے تو اٹھیں گے بہت
بزم میں بیٹھیں گے یوں بھی ہم تو اک توقیر سے
دشمنِ جاں یہ ہی تیشہ ایک دن بن جائے گا
بوئے خوں آئے گی اے فرہاد جوئے شیر سے

---

۱ ۔ یہ شعر ''ھنجار سالک'' (صفحہ ۹۷) میں ہے ۔ ''کلیات سالک'' میں نہیں ۔ (مرتب)

۲ ۔ یہ مطلع اور مقطع اور اس سے پہلے چار شعر ''ھنجار سالک'' (صفحہ ۸۰) میں بھی موجود ہیں ۔ بعد میں سالک نے اس غزل میں ۱۵ شعر اور بڑھا دیے ۔ (مرتب)

ماجرائے ہجر سن کر کچھ تو دے ظالم جواب
یوں تو پہروں حالِ دل کہتے ہیں ہم تصویر سے
کام مشکل ، اور وہ مکار ، ہم سادہ مزاج
سعی وصلِ یار میں ہے غیر کی تدبیر سے
جان لیتے گر ازل میں یاں کے ہم رنج و عذاب
چھین لیتے خامہ دستِ کاتبِ تقدیر سے
انتہا اپنے جنونِ عشق کی کہہ دیں جو ہم
دیدۂ حیرت ہو پیدا حلقۂ زنجیر سے
یہ نہیں خوابِ زلیخا جس کا ثمرہ وصل ہو
نیند اڑ جاتی ہے میرے خواب کی تعبیر سے
ہم بھی اس کے وصل پر بھولے ہوئے تھے اے رقیب
اب کھلا حالِ جہاں وابستہ ہے تغیر سے
سچ ہے رکھا ہے اثر اللہ نے ہر بات میں
ضد نہایت بڑھ گئی ناصح تری تقریر سے
یہ بھی ہے نیرنگِ الفت ایک ہے دردِ جگر
اور سینے میں مرے چبھتے ہیں لاکھوں تیر سے
یاالٰہی آئیں گے[۱] کیا موت اور[۲] وہ ساتھ ہی
روز وعدہ ڈر رہا ہوں[۳] دونوں[۴] کی تاخیر سے

---

۱ - 'آئے گی' ''کلیات سالک'' (صفحہ ۱۳۵) میں ہے - فعل واحد جب کہ فاعل جمع ہوں ، نہیں آسکتا - اس لیے 'آئیں گے' تصحیح قیاسی ہے - (مرتب)
۲ - 'اور' بر وزن فع - (مرتب)
۳ - 'ہو' ''کلیات سالک'' میں غلط ہے - 'ہوں' تصحیح قیاسی ہے - (مرتب)
۴ - ''کلیات سالک'' میں 'دونوں' کا املا 'دونو' ہے ، ہر جگہ درستی کرکے 'دونوں' بنا دیا گیا ہے - (مرتب)

گو بناوٹ ہی سے روئے سُن کے وہ احوالِ دل
لیکن آنسو بڑھ گئے کچھ سرمۂ[1] تسخیر سے

بے اثر سا بھی مرا اک نالہ کافی ہے اسے
پر اُلجھتے شرم آ جاتی ہے چرخِ پیر سے

اے تغافل کیش ہست و نیست کچھ دے چک جواب
گھِس گئیں یاں انگلیاں بھی کثرتِ تحریر سے

کر دیا اُن کو قدر انداز جذبِ شوق نے
تیر جاتا ہی نہیں بچ کر دلِ نخچیر سے

نامۂ شوقِ شہادت کس خوشی سے اُس کو دوں
سیکھ لے قاصد اگر چلنا تری شمشیر سے

دے کے دل جاتا رہا افسوس ہنسنا بولنا
سالک اب تو آپ بیٹھے رہتے ہیں دلگیر سے

(۲۶۱)

روئے جنت میں بھی ہم کرکے بیانِ دہلی
اس سے ظاہر ہے نہیں خلد بسانِ دہلی

اس کے مِٹنے سے ہوئی عالمِ بالا کی نمود
ورنہ تھی رشکِ فلک شوکت و شانِ دہلی

کس کا پتھر کا ہے دل، کس سے سُنا جاتا ہے
کون ایسا ہے کہ ہو جس سے بیانِ دہلی

---

۱ - 'سرمۂ تسخیر' جو کسی منتر یا افسوں سے تیار کیا گیا ہو۔ سرمہ لگا کر جسے دیکھا جائے وہ مسخر ہو جائے۔ (مرتب)

محشرِ غدرا سے بھی مٹ نہ سکا اس کا وجود
ہے الگ عالمِ فانی سے جہانِ دھلی

ہے خط و خال کا عالم وھی اب تک گویا
ہے اسی وقت کی نکلی ہوئی جانِ دھلی

حسرتوں کا ہے مکینوں کی عجب ھنگامہ
رھے آباد اجڑ کر بھی مکانِ دھلی

مٹ گئی پر بھی تو ملتا نہیں دلّی کا جواب
کوئی ڈھونڈھے تو اسی پر ہو گمانِ دھلی

ھنستے ھیں بختِ زلیخا پہ تو یوسف پہ ہے طعن
دیکھ کس رتبے کے ھیں پیر و جوانِ دھلی

منّ و سلوی[۲] کےمزے سےھو وہ کیوں کر واقف
جس نے کھایا ھی نہ ھو زلۂ[۳] خوانِ دھلی

ھوتے ھیں دور کے بس ڈھول سہانے واعظ
خلد میں کیا ہے، نہیں ہے جو میانِ دھلی

اس قدر خلخ[۴] و نوشاد[۵] کی تعریف نہ کر
ہم نشیں آ تجھے دکھلاؤں بتانِ دھلی

میں نے دیکھا ہے ملائک کو خریدار اس کا
میں نے چلتی ہوئی دیکھی ہے دکانِ دھلی

---

۱ - ۱۸۵۷ع کی تحریک آزادی کو انگریزوں نے غدر سے موسوم کیا تھا۔ اس لیے ''سالک'' نے بھی غدر کہا ہے - (مرتب)
۲ - منّ وسلوی۔
۳ - 'زلزلہ' ''هنجار سالک''(صفحہ ۸۰) میں غلط 'زلہ' صحیح - (مرتب)
۴، ۵ - 'خلخ' اور 'نوشاد' ۔

غالب[1] و نیّر[2] و ثاقب[3] سے بنا ہے گویا
بلّی ماروں[4] کا محلہ صفہانِ[5] دہلی
سن کے ہر شعر پہ آنکھیں نہ ہوں کیوں کر نم ناک
سالکِ غم زدہ ہے مرثیہ خوانِ دہلی

(۲۶۲)

مجھ پر ایسی جفا کی کثرت کی
کہ اُسے غیر نے ملامت کی
تم کو اپنے خرام سے مطلب
ٹھوکریں کھائے کوئی قسمت کی
وعدۂ وصل صبح اُس سے کرو
کٹ سکے جس سے رات فرقت کی
اپنی بیداد کو نہیں کہتے
میری فریاد کی شکایت کی
(ق)
اب کہاں حور خلد میں واعظ
تو نے برباد یوں ہی محنت کی

---

۱ - 'غالب' : اسد اللہ خاں عرف مرزا نوشہ متوفی فروری ۱۸۶۹ع -
۲ - 'نیر' اور رخشاں : تخلص نواب ضیاء الدین احمد خاں (خلف نواب احمد بخش خاں والی ریاست فیروز پور جھرکا) -
۳ - 'ثاقب'
۴ - 'بلی ماروں کا محلہ' دہلی کا مشہور محلہ جہاں غالب کی سکونت تھی - (مرتب)
۵ - 'صفہان' : اصفہان ایران کا مشہور شہر - (مرتب)

ہیں جو دنیا کی یہ پری زادیں
یہی حوریں بنیں گی جنت کی
ترکِ عشق اور میں غلط سالک
کون روکے زبان خلقت کی

(۲۶۳)

غلط ہے ضبطِ الفت سوئے ظن ہے
کہ داغِ سینہ داغِ پیرہن ہے
وہ میرے گھر کی جانب گام زن ہے
مرے قدموں تلے چرخِ کہن ہے
شبِ وعدہ کٹے گی کیوں کہ یا رب
یقینِ وعدۂ پیماں شکن ہے
ملے ہم خاک میں کب کے ولیکن
تری گردش وہی چرخِ کہن ہے
کلیم اک دن نہ کھو بیٹھے کہیں ہوش
یہ کس سے طور پر تو ہم سخن ہے
کشادِ کارِ عاشق کیوں ہے دشوار
دلِ وابستہ کیا تیرا دہن ہے
عدو بچنا بگڑ جائے نہ صورت
غضب کی وہ نگاہِ سحر فن ہے
بڑھا جاتا ہے کیوں شوقِ شہادت
کہیں خنجر بہ کف وہ تیغ زن ہے
وہ کیوں آئیں عیادت کو کہ مجھ میں
ابھی تک تابِ اظہارِ سخن ہے

وفا کا نام ہے سالک سے باقی
یہی مجنوں ہے یہ ہی کوہ‌کن ہے

(۲۶۴)

انتہا صبر آزمائی کی
ہے درازی شبِ جدائی کی

ہے بُرائی نصیب کی کہ مجھے
تم سے امید ہے بھلائی کی

نقش ہے سنگِ آستاں پہ ترے
داستاں اپنی جبہہ سائی کی

تم سے کچھ مل کے خوش ہؤا ہوں کہ ہو
دہر میں حسرت آشنائی کی

ہے فغاں بعد امتحان فغاں
پھر شکایت ہے نارسائی کی

کیا نہ کرتا وصال شادی مرگ
تم نے کیوں مجھ سے کج ادائی کی

راز کھلتے گئے مرے سب پر
جس قدر اس نے خود نمائی کی

کتنے عاجز ہیں ہم کہ پاتے ہیں
بندے بندے میں لو خدائی کی

رہ گئیں دل میں حسرتیں سالک
آ گئی عمر پارسائی کی

(۲۶۵)

آٹھیے آج آن سے فیصلا کر کے
یا خفا ہوکے یا خفا کر کے

اس کی رفتار سے غنیمت ہے
کہ رہے حشر ہی' بپا کر کے

اس صنم کی گلی میں جاتا ہوں
پھر نظر جانبِ خدا کر کے

غیر تک اپنی بات پہنچائی
اس سے اظہارِ مدّعا کر کے

کر تو لیں ترکِ عشق ہم ناصح
پر گزاریں گے عمر کیا کر کے

مجھ پہ جو چاہیے ستم کیجیے
پر نہ اغیار کا کہا کر کے

مفت ذلت آٹھائی سالک نے
ذکر اس بزم میں مرا کر کے

(۲۶۶)

نشاطِ وصل کا حاصل مقرر ہجر کا غم ہے
تلافی عیدِ اضحیٰ کی، غمِ ماہِ محرم ہے

جلائے دل کو گزری عمر، لیکن داغ باقی ہے
بہائے اشک کو مدت ہوئی پر آنکھ میں نم ہے

---

۱ - ''ہنجار سالک'' (صفحہ ۸۱) میں 'بھی' ہے - (مرتب)

کوئی ایسا بھی آ جائے مجھے جس کا تماشا ہو
تماشا گرا مری دیوانگی کا ایک عالم ہے
نکل کر تیرے کوچے سے توقع کیا پھر آنے کی
پڑی کانوں میں اپنے داستانِ جرمِ آدم ہے
تڑپنے سے اُلجھتا ہے زیادہ دام میں طائر
نتیجہ کوشش و تدبیر کا انسان کو غم ہے
نہ کھاتے گر قسم کھانے کی تو ہم زہر کھا لیتے
نہ سمجھے تھے قسم کھانی جدائی میں تری سم ہے
وہ ضد پر کام کرتے ہیں کہوں اغیار سے ملیے
اگر غیرت نہ ہو مانع تو اچھا یہ بھی اک دم ہے
دلِ بے مدعا سینے میں گر انسان رکھتا ہو
تو پھر بیہودہ ہے گر آرزوے ساغرِ جم ہے
قدم سے پہلے پڑتا ہے زمیں پر سر مرا سالک
کہوں کیا ناتوانی سے قد اپنا کس قدر خم ہے

(۲۶۷)

نہ پوچھو مجھ سے نالے کو کہ کیا ہے
شکستِ شیشۂ دل کی صدا ہے
مگر وہ نعش پر آیا ہے میری
کہ اتنی کثرتِ اہلِ عزا ہے
رہا تھا کیا مرے مرنے میں باقی
غمِ جاناں مقرّر جاں فزا ہے

---

۱ - ''ھنجار سالک'' (صفحہ ۸۲) میں 'کر' بجاے 'گر' ہے - (مرتب)

ملامت میرے دل دینے پر اتنی
گرہ سے تیری ناصح کیا گیا ہے

رہے جس جس خرابے میں وہاں ہم
اب اُس کا ایک افسانہ بنا ہے

بڑھے گی تیرگی بختِ سیہ کی
مرے سر پر اگر ظلِّ ہُما ہے

رضا جُو ہوں تمھارا میں، وگرنہ
قبول آماج گہ تیرِ دعا ہے

لیا گردن پہ خوں مجھ بے گنہ کا
نزاکت کا تمھیں پھر ادّعا ہے

ترا گھر چرخِ چارم سے پرے ہو
ہماری بھی مسیحا کچھ دوا ہے؟

بنے اور بگڑے جو باتوں میں تیری
وہ اپنے خانۂ دل کی بِنا ہے

دعا کر، نزع سے پاؤں رہائی
نہ کڑھ سالک یہ دن سب کو دھرا ہے

(۲۶۸)

ہے عبث چارہ گرو فکر دوا دینے کی
میری حالت ہے شبِ ہجر دعا دینے کی

خط مرا غیر کے آگے اسے دینا کیا تھا
نامہ بر تجھ کو ہے خو بات بڑھا دینے کی

کام سب میرے ہؤا کرتے ہیں خواہش کے خلاف
مجھ کو دینا نہ کہیں خضر دعا دینے کی

یہ مزا منہ کا بگاڑا غمِ جاناں تو نے
اب کوئی چیز نہیں ہم کو مزا دینے کی

چشمکیں آپ کی اغیار سے دیکھیں سو بار
پر کروں کیا نہیں خو مجھ کو جتا دینے کی

غمزہ و ناز بلا ، شوخی و انداز غضب
ہیں ادائیں تری عاشق کے مٹا دینے کی

ایک دو جام سے بڑھ جاتی ہے یاں تشنہ لبی
اور عادت نہیں ساقی کو سوا دینے کی

بیٹھنا بزم میں یوں غیر کے پہلو میں ترا
سہل تدبیر ہے یہ میرے اٹھا دینے کی

گرچہ ہے آمدِ جاناں کی خبر بازاری
ہے مگر سالکِ مضطر کے سنا دینے کی

(۲۶۹)

گریے کے میرے بعد بھی آثار رہ گئے
ٹوٹے جگہ جگہ در و دیوار رہ گئے

خود بزم سے وہ ہم کو اٹھائے خدا کی شان
ہم شکل اُن کی دیکھ کے ناچار رہ گئے

باتیں وہاں رقیب کی تاثیر کر گئیں
نالے مرے اثر کے طلب گار رہ گئے

گویا کہ مجھ سے حال مرا سن رہے ہیں جھوٹ
یوں دیکھ کر وہ جانبِ اغیار رہ گئے

وہ دیکھتے ہی کرنے لگے وعدۂ وصال
ہم لب پہ لا کے شکوۂ آزار رہ گئے

کیا شوقِ قتل ہے کہ یہ کہتا ہوں اُن سے میں
تم تو دکھا کے خنجرِ خوں خوار رہ گئے
پھر آشیاں کا قصد ہے اے برق کس لیے
کیا اب بھی نیم سوختہ کچھ خار رہ گئے
کس کو ملی نہ دولتِ بیدارِ خوابِ مرگ
محروم ایک ہم ہی گنہ‌گار رہ گئے
قربان اپنے غش پہ ہوں دل سے کہ دیر تک
وہ دیکھتے مجھے سرِ دیوار رہ گئے
گردش سے کانپتا ہوں تری خاک ہو کے بھی
اب کیا ستم سپہرِ جفا کار رہ گئے
سالک بچا ہؤا ہے بہت بادۂ سخن
گنتی ہی کے مگر ہیں قدح خوار رہ گئے

(۲۷۰)

کیوں جاتے جاتے جانبِ اغیار رہ گئے
کیا خود وہ محوِ شوخیِ رفتار رہ گئے
روزِ جزا تمام ہی سب حال کہہ چکے
ہم سوچتے ہی عاقبتِ کار رہ گئے
دیتے ہو جنسِ دل کی بہا بوسۂ رقیب
تم ہی تو اک جہاں میں خریدار رہ گئے
اے دل طریقِ عشق میں رکھنا سنبھل کے پاؤں
اس رہ میں قافلوں کے بہت بار رہ گئے
لذتِ سپاسِ زخم کی مانع ہوئی کہ ہم
... رکھ کے زیرِ خنجرِ خوں خوار رہ گئے

جو راز دل میں لے کے گئے زیرِ خاک ہم
چرچے اسی کے اب سرِ بازار رہ گئے
عاشق مزاج حشر میں کیا داد خواہ ہوں
خاموش محوِ لذتِ دیدار رہ گئے
اتنی پلا شراب کہ گر کر نہ کہہ سکیں
پیرِ مغاں کچھ اور کہ ہشیار رہ گئے
کہتے ہیں خار زار اسی کو کہ جس جگہ
گر گر کے میرے پاؤں سے کچھ خار رہ گئے
یوں تیز اُن کو سوے عدو لے گیا ہے شوق
فتنے جگہ جگہ دمِ رفتار رہ گئے
سالک سرائے دہر میں کیا رنجِ رفتگاں
دو چار آ کے بڑھ گئے دو چار رہ گئے

(۲۷۱)

اس کی سی اک جہاں نے کہی حشر میں تو کیا
صورت مری ستم زدگی کی گواہ تھی
شرمندہ کیوں ہوں نامۂ اعمال دیکھ کر
جانا طبیعت اپنی حریصِ گناہ تھی
افسوس اب رقیب سے لڑتی ہے بار بار
وہ ہی نظر جو ہم پہ تری گاہ گاہ تھی
جاتے نہیں ہیں اب تو درِ یار تک بھی ہم
وہ دن گئے کہ پاس ہوسِ عزّ و جاہ تھی
اس کُو میں کیا گئے کہ گئے ہم جہان سے
گویا عدم کے جانے کی سیدھی یہ راہ تھی

آیا نہ لطفِ نشۂ مے کچھ مگر کہیں
ہم رات جس میں تھے وہ کوئی خانقاہ تھی

مشکل سے لب پہ آہِ جہاں سوز لائے ہم
دل میں کوئی امید مگر سدِّ راہ تھی

سالک کو وقتِ نزع بھی تھا تیرا انتظار
کیوں ورنہ ایسے حال میں ہر سو نگاہ تھی

(۲۷۲)

آئی صبا کے ساتھ جو بُو زلفِ یار کی
کیا کیا نہ بن پڑی دلِ امیدوار کی

تم تو ہنسی سے کرتے ہو ذکرِ عدو ، مگر
جاتی رہے نہ جان کسی بے قرار کی

اس ضعف میں بھی گر کوئی نالہ نکل گیا
شامت ہی آئے گی فلکِ بدشعار کی

گرتا[1] ہے میرے ہاتھ سے کیوں چھٹ کے جام مے
مے خانے میں ہے خاک کسی بادہ خوار کی

برسوں[2] گزاری دشت نوردی میں کیوں کہ قیس
دم سے تو رات کٹ نہ سکی انتظار کی

اب تک تری گلی میں ٹھکانے نہیں لگا
مٹی خراب ہے مری مشتِ غبار کی

---

۱ - ''ہنجار سالک'' (صفحہ ۸۳) میں مصرع اس طرح ہے :
'گرتا ہے چھٹ کے ہاتھ سے کیوں جامِ مے مگر'

۲ - ''ہنجار سالک'' (صفحہ ۸۳) میں مصرع اس طرح ہے :
'اے خضر اتنے دن ترے کیوں کر بسر ہوئے'

ذراتِ خاک اپنے پریشاں ھیں خود بہ خود
ھے آمد آمد آج کسی شہسوار کی

سالک زمانے میں ھوئے کیا کیا نہ انقلاب
بدلی نہ شکل میرے ھی لیل و نہار کی

(۲۷۳)

کیا خوب ، تم تو دیتے ھو یوں گالیاں مجھے
گویا خدا نے دی ھی نہیں ھے زباں مجھے

اے نالہ پردہ ھاے فلک پھونک دے تمام
کچھ تو آدھر کا حال بھی ھووے عیاں مجھے

مظلوم بے گناہ کو آخر بہشت ھے
لطفِ خدا کی وجہ ھے جورِ بتاں مجھے

وہ بھی ھؤا رقیب تو غم خوار کون ھے
کرنا نہ تھا ندیم سے تیرا بیاں مجھے

کہتا ھے رشک ، غیر نہ بیٹھا ھو یاں کبھی
ملتی ھے جاے بزم میں تیری جہاں مجھے

لاغر ھوں یہ کہ شب ترے در پر پڑا رھا
ڈھونڈھا کیا چراغ لیے پاسباں مجھے

واں ھو رھا ھے مشورۂ قتلِ غیر سے
اور[1] یاں ھے اس کے ملنے کا سالک گماں مجھے

---

۱ - 'اور' بروزن فع - (مرتب)

(۲۷۴)

بس شکایت کیا مری فریاد کی
داد دیجے اپنی ہی بیداد کی

ہچکیاں آئیں تو رونا تھم گیا
اچھے وقت اس نے ہماری یاد کی

مرحبا اے ساکنانِ کوئے دوست
کیا خبر میرے دلِ ناشاد کی

فکرِ تکلیفِ قفس میں مر گئے
گور ہے مٹھی ہمیں صیاد کی

داورِ روزِ جزا گھبرا گیا
میں نے اتنی حشر میں فریاد کی

صبر سمجھے میری بے تابی کو یار
دیکھ کر شکل اس ستم ایجاد کی

سالک آ جائیں وہی خنجر بہ کف
آرزو ہے ان دنوں جلاد کی

(۲۷۵)

کھٹکے خزاں کے، نے خلشِ خار و خس مجھے
صیاد آشیاں سے ہے بہتر قفس مجھے

فریادِ عرش رس کی رسائی کہاں نہیں
ملتا مگر نہیں کوئی فریاد رس مجھے

چکر میں ہوں کبھی تو کبھی غرق ہو گیا
گردابِ بحرِ عشق نے سمجھا ہے خس مجھے

لیں عمر بھر نہ نامِ نکویانِ زشت خو
غیرت[1] سے دیکھتے نہیں احباب بس مجھے
سمجھا ہؤا ہوں تیری گلی کی خرابیاں
کم بخت لے چلی ہے یہ میری ہوس مجھے
میں سیکھتا ہوں ذکرِ خفی بدگماں نہ ہو
کرتا ہے تیرا نام شریکِ نفس مجھے
کیا یہ بھی وہ گلی ہے کہ باہر نہ جا سکوں
زنداں میں قید کرنے کو لایا عسس مجھے
خود دیکھتے ہو آئنے میں اپنے حسن کو
دیکھوں جو میں تو کہتے ہو دیکھو نہ بس مجھے
پیچھے ہوں قافلے سے ملوں گا مقام پر
ہے دور سے پسند صدائے جرس مجھے
سالک چکھاؤں اُن کو مزا جور کا ابھی
ڈرتا ہوں کچھ برا نہ کہیں سن کے دس مجھے

(۲۷۶)

بڑھائی ماہ نے خوبی تمہارے روئے انور کی
کہ بدتر ہی سے قدر و منزلت ہوتی ہے بہتر کی
تماشا ہو گیا حوروں کو داغِ حسرتِ دوری
ارم میں لائے ہیں ہم یہ نشانی کوئے دلبر کی
اگر گھیرا نہیں افسردگی نے میرا کاشانہ
تو کیوں صبحِ شبِ عشرت مٹی رونقِ گلِ تر کی

---

۱ - 'عبرت' ؟ (مرتب)

بڑھی جاتی ہے کیوں دہشت یہ کس کا کوچہ پاس آیا
گھٹی جاتی ہے کیوں ہر ہر قدم پر چال رہبر کی

کسی کے حسنِ حیرت خیز کا آئینہ ہے گلشن
مگر سمجھا نہیں کوئی اشارت چشمِ عبہر[1] کی

مدد دیتا ہوں شوقِ جستجو کو ناتوانی سے
نشانِ پا سے کچھ آگے نشانی ہے مرے سر کی

وہ نوآموزِ مشقِ ظلم کیا سمجھے مرا شکوہ
کہ ہر ہر لفظ کے معنی میں گنجائش ہے دفتر کی

ابھی کے دور میں صہبائے زہر آلودہ دی جس نے
اسی ساقی سے ہے مجھ کو تمنا اور ساغر کی

کیا یہ سنگ باراں کودکانِ شہر نے مجھ پر
سرِ شوریدہ کو ملتی نہیں دیوار پتھر کی

سمایا کون سا پردہ نشیں آنکھوں میں ہے یارب
مرے آبِ روانِ اشک میں ہے شکل چادر کی

اسی کوچے میں دل کھویا اسی کوچے میں جاں کھوئی
یہیں ہم نے لٹائی ہے کمائی زندگی بھر کی

ادا مطبوعِ انساں ہے، ستم ہو یا کرم سالک
بتوں نے مردم آزاری سے اک دنیا مسخّر کی

---

۱ - 'عبہر': نرگس، یاسمین - (فرہنگ عمید صفحہ ۸۲۰) -

(۲۷۷)

مائل کیا ہے کس پہ دلِ بے قرار نے
دشمن سے جو نہ ہو وہ کیا دوست‌دار نے

پائی جو راہ کچھ مرے دل کے غبار نے
برسائی خاک دیدۂ خونابہ[1] بار نے

معلوم ہوگی گر کوئی نالہ نکل گیا
جانا ہے جی میں کیا فلکِ بد شعار نے

رکھ دیں گے نامِ حشر انہیں میں سے ایک کا
فتنے بپا کیے ہیں جو رفتارِ یار نے

رونا تھا تیری بزم میں افشاے راز کا
آخر ڈبو دیا مژہ‌ٔ اشک بار نے

جنبش ہے تیری زلف کو بے منّتِ صبا
کی اس میں جاے کس کے دلِ بے قرار نے

ہو مجھ میں اور کیوں کہ ترے سنگِ در میں فرق
پتّھر بنا دیا ہے ترے انتظار نے

بدلے میں تیرے جور کے چاہیں گے تیرا وصل
پوچھا جو ہم سے داورِ روزِ شمار نے

مل جائے ہاے سالکِ بے خوار خاک میں
یہ کیا ستم کیا فلکِ بد شعار نے

---

۱ - ''خونابہ : ۱ - (بہ فتح با) خون و آب ، خون آمیختہ با آب ، اشک خونیں و نیز مایعے را می گویند کہ گلبولہاے سرخ و سفید در آن شناور می باشند ، پلاسما ، سرم ـ'' (فرہنگ عمید صفحہ ۵۵۲)
اصل متن میں املا 'خون نابہ' تھا ، درست کیا گیا ـ (مرتب)

(۲۷۸)

خفا ہی آئے وہ کل اور[1] گئے خفا ہم سے
کہو کہ تاب و تواں کون لے گیا ہم سے

الٰہی آنکھ سے بہہ جائے خون ہو ہو کر
وہ دل جو ڈھونڈھے سوا تیرے مدعا ہم سے

سوائے تیرے کسے جی کے منہ دکھائیں گے
خدا نخواستہ ناصح چھٹی وفا ہم سے

رضائے دوست پہ راضی رہے ، کبھی نہ ہوئی
خلافِ خواہشِ دشمن کوئی دعا ہم سے

فلک کا حال کہیں ، یا عدو کا ، یا تیرا
نہ پوچھے کاش قیامت میں کچھ خدا ہم سے

وہاں نگاہ بلا ، یاں فغاں قیامت زا
ہمیں ہے اُن سے گِلا اور انہیں گلا ہم سے

قدم کا کام کیا اپنی سانس نے یا رب
نفس نفس پہ ہوئی طے رہِ فنا ہم سے

ہمیں بھی ضد ہے جفائے فلک اٹھائیں گے
جو پھر گئی ہے تری چشمِ فتنہ زا ہم سے

سرایتِ اثرِ تیرہ روزگاری دیکھ
بنا ہے[2] بختِ سیہ سایۂ ہُما ہم سے

---

۱ - 'اور' بروزن فع - (مرتب)

۲ - 'بنے ہے' ''ہنجار سالک'' (صفحہ ۸۷) میں 'بنا ہے'۔ ''کلیات سالک'' (صفحہ ۱۵۶) - (مرتب)

ہمارے نالۂ گردوں شگاف کا احوال
فلک سے پوچھ لو ، تم پوچھتے ہو کیا ہم سے

عجب نہیں ہے کہ کھایا ہو زہر سالک نے
کیا ہے مشورہ ایسا ہی بار ہا ہم سے

(۲۷۹)

گر سینے میں ہے آگ تو آنکھوں میں ہے پانی
نیرنگ ترا اے دلِ ناشاد غضب ہے

ہم جان سے تنگ آ کے پھنسے آپ قفس میں
اس پر بھی ہو گر نازشِ صیّاد غضب ہے

جب دب گئی نالوں میں مرے صور کی آواز
کہتے ہیں فرشتے تری آواز غضب ہے

حیرت ہے کہ کھینچا تری تصویر کو کیوں کر
تو سامنے اور[1] ہوش میں بہزاد غضب ہے

وہ حور میں کیا ہے جو بتوں میں نہیں یارب
پر خواہش موہومۂ زہّاد غضب ہے

یہ شوقِ شہادت ہے کہ جان آتی ہے تن میں
مرتے نہیں گو خنجرِ جلّاد غضب ہے

تو اور گرفتار ہو یوں عشقِ بتاں میں
انصاف کر اے سالکِ آزاد غضب ہے

---

۱ - 'اور' بر وزن فع - (مرتب)

(۲۸۰)

داغ دل کا مدام روشن ہے
صبح روشن ہے ، شام روشن ہے

یوں بھی عشّاق کو جلاتے ہیں
آپ کا کیا ہی نام روشن ہے

پوچھتے کیا ہو تم کہ[1] نالوں سے
حال اپنا تمام روشن ہے

اُس سے ہو دل کو روشنی اے شیخ
دیکھ لے مے سے جام روشن ہے

اے شبِ ہجر اب تو چین آیا
صبحِ روزِ قیام روشن ہے

ایک ہی آفتاب ہے جس سے
دہر میں ہر مقام روشن ہے

جلوے کا اُس کے جو ثنا گر ہے
سالک اُس کا کلام روشن ہے

(۲۸۱)

جو بھر لیں ایک چٹکی صاحبِ تاثیر مٹّی کی
ابھی شرمندۂ تاثیر ہو اکسیر مٹّی کی

بنا کر آدمی ، کیوں آب و گل میں عشق کو ڈالا
نکالی ہے خدا نے یہ نئی تعزیر مٹّی کی

---

۱ - 'کہ تم' ''کلیاتِ سالک'' (صفحہ ۱۵۷) میں غلط ہے - 'تم کہ' ''ہنجار سالک'' میں درست ہے - (مرتب)

ہماری قبرا[1] پر بھی اک ہجومِ بے کسی ہوگا
دکھا دیں گے پسِ مردن تجھے توقیر مٹّی کی

زمینِ کوچۂ دلدار نے کیا پاؤں پکڑے ہیں
ملی دیوانگانِ عشق کو زنجیر مٹّی کی

رہے گا ٹوٹ کر بھی خانۂ دل عالمِ حسرت
اسے بھی آپ سمجھے ہیں مگر تعمیر مٹّی کی

یہی مٹّی ہے جس سے سب بنائے جاتے ہیں یارب
بتوں میں کیوں بدل جاتی ہے پھر تاثیر مٹّی کی

وہ کشتہ ہوں کہ روئے خاک پر بھی آگئی سرخی
خوشی سے شکل بدلی ہے دمِ تکبیر مٹّی کی

جنونِ عشق میں تیرے زمانہ خاک بر سر ہے
بڑھی ہے ان دنوں توقیر سے توقیر مٹّی کی

زباں دی تھی خدا نے بولنے کے واسطے لیکن
بنایا ناز و تمکیں نے تمھیں تصویر مٹّی کی

کہاں سیلِ حوادث میں پتا ہم خاکساروں کا
کہیں ٹھہری ہے روئے آب پر تعمیر مٹّی کی

مسلّط خاکیوں پر [کیوں[2]] کیا ہے چرخ کو یارب
نہ تھا مقبول عذر اس کا تو کیا تقصیر مٹّی کی

وہ کیا کیا خاک اڑاتے ہیں، زباں پر آکے تو نے تو
ہماری بات بھی اے نالۂ شب گیر، مٹّی کی

---

۱ - اصل متن میں ’قبرا پر بھی‘ میں الف زائد سہو کاتب ہے - (مرتب)

۲ - مصرع ناموزوں تھا ’کیوں‘ کے اضافے سے وزن پورا کیا گیا - (مرتب)

تم آئے میرے گھر کا ذرّہ ذرّہ ہوگیا روشن
ہوئی مہرِ درخشاں سے سوا تنویر مٹّی کی
اڑائے دیتے ہیں وحشت زدہ تیرے کوئی دن میں
بڑھے گی جستجو اب صورتِ اکسیر مٹّی کی
وہ آئے خاک اڑانے کو پسِ مردن تو حسرت سے
ہماری روح کہتی ہے، زہے تقدیر مٹّی کی
بنایا اس سے ہے دشمن کو اور[1] ہم کو مگر سالک
کہیں توقیر مٹّی کی، کہیں تحقیر مٹّی کی

(۲۸۲)

آپ کی چال قیامت ہی سہی
داد خواہی مری عادت ہی سہی
کرکے فریاد رہے کیوں خاموش
نارسائی کی شکایت ہی سہی
مے کدے کی نہیں ملتی گر راہ
آؤ مسجد کی زیارت ہی سہی
دمِ عیسیٰ ہے جو واعظ اعجاز
یار کی بات کرامت ہی سہی
کوئی تو بات ہنسی کی نکلے
خندۂ صبحِ قیامت ہی سہی
کام کا گر دلِ بے تاب نہیں
تو نیازِ غمِ فرقت ہی سہی

---

۱ - اور بر وزن فع - (مرتب)

وصل اُس بُت کا نہیں گر سالکؔ
آج کی رات عبادت ہی سہی

(۲۸۳)

گو لبوں پر جاں ہے لیکن ضبطِ افغاں[1] چاہیے
اور بھی اغیار پر کچھ دن تو احساں چاہیے
طے ہو الفت میں بیاباں پر بیاباں چاہیے
پاؤں جب تک ہیں تلاشِ کوے جاناں چاہیے
دیکھ کر حرمانِ تاثیرِ دعا یہ جی میں ہے
ھاتھ خالی ہوتے ہی ٹکڑے گریباں چاہیے
دوستی کب تھی کہ ناصح کو کہیں دل سوز ہم
خوف سے کہتا ہے ضبطِ آہِ سوزاں چاہیے
دیکھ کر ارمانِ نو کہتی ہیں پہلی حسرتیں
یہ بھی ہوں گلدستہ ہاے طاقِ نسیاں چاہیے
پوچھیے طولِ شبِ غم کو نہ مجھ سے، جائیے
دوش پر اغیار کے زلفِ پریشاں چاہیے
عجز سے روتے نہیں ہم آسماں کو دیکھ کر
گریہ کہتا ہے کہ یہ بھی غرقِ طوفاں چاہیے
ھر چمن میں ایک نالہ، ھر روش پر ایک آہ
غم زدوں کو تیرے کیا سیرِ گلستاں چاہیے
وہ بہارِ عمر ایّامِ جوانی اب کہاں
چاہیے آئندہ ترکِ عشقِ خوباں چاہیے
کچھ دموں پر رہ گیا ہے زندگانی کا مدار
یہ بھی اک دم میں ہو صرفِ شور و افغاں چاہیے

---

۱ - 'افغاں' بجائے 'فغاں' درست ہے - (مرتب)

شبہہ ہو گر داغِ پنہاں کا تو مرہم ڈھونڈھیے
درد کا شک دل میں گر آئے تو درماں چاہیے
جس قدر مہلت زمانہ دے غنیمت جانیے
جس قدر فرصت ملے عشرت کا ساماں چاہیے
شہر و صحرا ایک ہے ، سالک تکلف گر نہ ہو
کرمکِ شب تاب میں سیرِ چراغاں چاہیے

(۲۸۴)

دیر و کعبہ کو رہ گزر سمجھے
دل کو جو کوئی تیرا گھر سمجھے
اشکِ خونیں بہے تو ہم دل کو
ہدفِ ناوکِ نظر سمجھے
نالۂ غیر آتش افشاں ہے
شبِ وصلت کی تم سحر سمجھے
نہ اٹھا اپنے آستاں سے ہمیں
ہم تو بیٹھے ہیں اپنا گھر سمجھے
نامہ دے کر نظارہ ہے منظور
ہم تقاضائے نامہ بر سمجھے
غیر سے پوچھتے ہیں کوچۂ یار
ایسے رہ زن کو راہبر سمجھے
وہ ستم کرنے آئے ہیں ایجاد
اور ہم آہ کا اثر سمجھے
صرف کرنا ہے عنصرِ آبی
ہم ترا گریہ چشمِ تر سمجھے

اُس سے کیا مدّعا کہوں سالک
صلح کی بات کو جو شر سمجھے

(۲۸۵)

رونگٹے تن پہ کھڑے ہوتے ہیں ڈر سے میرے
الآماں وادیِ پُر خوف و خطر سے میرے
چرخ گردش میں کبھے جاتا ہے کام اپنا اور
نالہ نازاں ہے کہ چکّر ہے اثر سے میرے
سایۂ مور سے خورشید چھپا رہتا ہے
تنگیِ گور کو نسبت نہیں گھر سے میرے
میری فریاد سے ہے ایک زمانہ نالاں
اے فلک! فائدہ کس کا ہے ضرر سے میرے
رشتے کی جا، لیے صیّاد نے فولاد کے تار
دیکھ کر آگ نکلتے ہوئے پتر سے میرے
کیا شبِ ہجر شبِ وصلِ عدو ہے یا رب
تیرگی کیوں ہے عیاں نورِ سحر سے میرے
کیا کیا تیشے نے فرہاد سے سالک جو کچھ
ناخنِ درد کو کاوش ہے جگر سے میرے

(۲۸۶)

اُس بزم سے نکل کے نہیں یہ خبر مجھے
جاتا کدھر ہوں اور ہے جانا کدھر مجھے
دیوانہ تھا کہ یار کا گھر اُس کو جانتا
رضواں نہ روکتا جو درِ خلد پر مجھے

افسونِ باز گشتہ ہے آہِ شرر فشاں
پھونکا نہ چرخ کو نہ عدو کو مگر مجھے

قاتل کو دیکھ کر نہ رہی تاب بات کی
کہتا تھا میں کہ حشر میں کس کا ہے ڈر مجھے

پہنچا دیا ہے دشتِ عدم تک تو دیکھیے
لے جائے میری وحشتِ دل اب کدھر مجھے

اندوہِ انتظار مجھے ، بیمِ جاں اسے
روتا ہوں نامہ بر کو میں اور[1] نامہ بر مجھے

کعبہ[2] کہاں وہ کوچہ کہاں اور میں کہاں
تقدیر پھینکتی ہے اِدھر کا اُدھر مجھے

پھرنے کی راہ یاد رہے بے خودیِ شوق
کیا جانے چھوڑ جائے کہاں راہ بر مجھے

اس بے وفا کے دل میں نہ ہو جائے اے خدا
ہمسایۂ رقیب میں دینا نہ گھر مجھے

سالک تم اُن کی بزم میں مجھ کو بھی لے چلو
کہنا کہ اک غریب ہے ، پوچھیں اگر مجھے

(۲۸۷)

مضطرب ہوں اب ، یہ جی کی بات ہے
عفو کیجے ، بے خودی کی بات ہے

سیکڑوں عشّاق کے توڑے ہیں دل
کیا تمھاری نازکی کی بات ہے

۱ - 'اور' بر وزن فع - (مرتب)
۲ - یہ شعر اور اس کے بعد کا شعر ''هنجار سالک'' میں نہیں ہے - ''کلیات سالک'' میں ہیں - (مرتب)

کیا عجب پوچھے نہ کوئی حشر میں
ایک یہ بھی بے کسی کی بات ہے

جس فغاں سے مانگتے تھے سب پناہ
اب وہ اک بے طاقتی کی بات ہے

مدتیں گزریں وصالِ یار کو
میری نظروں میں ابھی کی بات ہے

کہتے ہیں انجام اس کا موت ہے
جس قدر غم ہو خوشی کی بات ہے

اضطرابِ شوق میں کہنی پڑی
جو تری آزردگی کی بات ہے

اے دل ! اُمید اس سے ہے تاثیر کی
یہ فغاں ہے یا ولی کی بات ہے

پھرتے ہیں عہدِ وفا سے ہم کوئی
یہ بھی تم سے آدمی کی بات ہے

سچ کہا ہے دل کو ہے اک دل سے راہ
اُن کے لب پر میرے جی کی بات ہے

غیر سے کچھ کہہ کے مجھ سے کہتے ہیں
تم کو کیا مطلب کسی کی بات ہے

وعدہ کیوں کرتے ہو کہہ دو گے ابھی
یاد کس کو ہے کبھی کی بات ہے

مجھ پہ وہ ہنگامہ گزرا ہے کہ لوگ
کل کہیں گے آج ہی کی بات ہے

دہر میں سالکؔ یہ پھیلا ہے نفاق
دوستی بھی دشمنی کی بات ہے

(۲۸۸)

مر گئے لیکن خیالِ روے جاناں ساتھ ہے
قبر میں بھی مشعلِ مہرِ درخشاں ساتھ ہے

جس طرف کو پھر گئی تیری نگاہِ فتنہ خیز
اُس طرف کو گردشِ گردونِ گرداں ساتھ ہے

قتل کا ہم شور بختوں کو مزا آ جائے گا
دستِ قاتل میں ہے خنجر اور[۱] نمک داں ساتھ ہے

کب ترے کوچے میں آتا ہوں اکیلا چھپ کے میں
آج بھی آیا ہوں تو خوفِ نگہ باں ساتھ ہے

چھا رہی ہے بس کہ ویرانی نظر میں ہجر کی
جس طرف جاتے ہیں ہم گویا بیاباں ساتھ ہے

لے گئے ہوں گے عدم کو ساتھ اپنے وہ بھی کچھ
ہم ہیں اور[۲] شیون ہے اور[۳] داغِ عزیزاں ساتھ ہے

ہاتھ کب جوشِ جنوں میں کھل سکیں بہرِ دعا
اک نہ اک اُلجھا ہؤا تارِ گریباں ساتھ ہے

وادیِ پُر خار میں سالک اڑا پھرتا ہوں میں
ناتوانی ہے کہ اک تختِ سلیماں ساتھ ہے

---

۱ ، ۲ ، ۳ - 'اور' بروزن فع - (مرتب)

(۲۸۹)

اب تو لب سے نہ جائے گا آگے
نالے کا زور شور تھا آگے

دشتِ الفت میں رہ نما کیسا
میں[1] نے رہبر کو دھر لیا آگے

دشتِ الفت ہے گرچہ دور ولے
دل سے کہتا ہوں یہ رہا آگے

بے وفائی اگر نہ کرتی عمر
ہم دکھاتے تمھیں وفا آگے

وہ خوشامد ہی میں گئے گھبرا
مجھ کو کہنا تھا مدعا آگے

دیکھنا جو نہ تھا سو دیکھ لیا
دیکھیے ، دیکھتے ہیں کیا آگے

جان ہی دے کے عشق میں ہوئی خیر
آ گیا کچھ دیا لیا آگے

صبر و ہوش و خرد گئے دل سے
میری آنکھوں کے گھر لٹا آگے

مرگِ عاشق کی سن کے سب روداد
پوچھتے ہیں کہ کیا ہؤا آگے

سالک اور[2] سے کشی خدا کی پناہ
کس قدر تھا یہ پارسا آگے

---

۱ - ''ھنجار سالک'' (صفحہ ۹۰) میں مصرع یوں ہے :
خضر کو میں نے دھر لیا آگے
۲ - 'اور' بر وزن فع - (مرتب)

(۲۹۰)

کیفیتِ وصال ہے اغیار کے لیے
آرام شش جہت میں ہے دو چار کے لیے
ظلمتِ ہے اس قدر کہ اگر آئے مہر بھی
شمعِ سحر ہو میری شبِ تار کے لیے
میں پائمالِ جور و ستم خاک میں ملا
تم آسماں بنے مرے آزار کے لیے
فرہاد و قیس کا جو بنایا گیا مزار
پتّھر تبرکاً مری دیوار کے، لیے
واعظ نہ بے خودوں سے الجھ اپنی راہ لے
تعمیلِ امر ونہی ہے ہشیار کے لیے
پیدا کیے ہیں ناصح و افلاک و غیر کیوں
یا رب وہ کم نہ تھے مرے آزار کے لیے
میں وہ نہیں ہوں طور پہ غش آگیا جسے[1]
طاقت بھی چاہیے ترے دیدار کے لیے
تم گھر میں ہو مگر ہے خریدار اک جہاں[2]
یوسف کی جنسِ حسن تھی بازار کے لیے
سالک نہیں ہے قدر سخن کی کہیں ولے
اچھا ہے شغل مردمِ بیکار کے لیے

۱، ۲ - یہ دونوں شعر ''ہنجار سالک'' (صفحہ ۹۱) میں ہیں، ''کلیات سالک'' میں نہیں - معلوم ہوتا ہے مصنف نے خود حذف کر دیے، اس لیے کہ ''کلیات سالک'' کی طباعت مصنف (سالک) کی حیات میں ہوئی ہے - (مرتب)

(۲۹۱)

آتی ہے یہ[1] آواز مجھے کوے صنم سے
کیوں خاک اڑانے کو چلے آئے عدم سے

چھو کر نہ گئی دولتِ دنیا کبھی ہم سے
فرقت میں بھی آگاہ نہیں داغِ درم سے

اب ضبط فغاں کا نہیں ہوتا، نہیں ہوتا
اب بھی کہے دیتے ہیں کہ باز آؤ ستم سے

تنّور[2] سے طوفان نے جس طرح کیا جوش
یوں حشر بھی اٹھّے گا ترے نقشِ قدم سے

یا رب تری بخشش کا بیاں اور کروں کیا
مجھ کو بھی توقع ہے ترے لطف و کرم سے

جب پاس نہ ہو کچھ تو اسے بیچ کے لیں مول
ہیں عیش کے بندے ہمیں کیا ساغرِ جم سے

جز یار سماتا نہیں یاں کوئی نظر میں
توحید میں جو نکتہ رہے پوچھیے ہم سے

کرتے ہیں وہ مجھ پر ستم احسان سمجھ کر
گویا کہ مجھے عشق ہے اندوہ و الم سے

جنت کی تو کیا بات ہے واعظ یہ دعا مانگ
اللہ نکالے نہ مجھے کوے صنم سے

انسان اگر حد سے ہو باہر تو ہنسی ہو
توقیر گدا کو نہ ملے مسندِ جم سے

---

۱ - اصل متن 'پہ' غلط، 'یہ' تصحیح قیاسی ہے - (مرتب)
۲ - اس شعر میں 'تنور' سے طوفان نوح کی طرف اشارہ ہے - (مرتب)

کس حسرت و افسوس سے دی جان دمِ قتل
کچھ پوچھ نہ اے قاتلِ سفّاک یہ ہم سے
ہر حلقۂ جوہر ہے بنا دیدۂ گریاں
ٹپکا نہیں یہ خون تری تیغِ دو دم سے
سالک جو مقدّر میں لکھا ہے وہی ہوگا
اصلاح کی امید ہے کیا لوح و قلم سے

(۲۹۲)

مری خاطر میں ساقی کب ترا پیمانہ آتا ہے
کہ یاں ہر دم خیالِ نرگسِ مستانہ آتا ہے
ٹھکانے جستجوے یار میں کس کس کے چھوٹے ہیں
کہ بلبل باغ میں اور[۲] بزم میں پروانہ آتا ہے
شبِ فرقت اُٹھا کر فتنۂ محشر سے کہتی ہے
مجھے زلفِ درازِ یار کا افسانہ آتا ہے
نکل کر آنکھ سے غائب نہیں ہوتے ہیں یہ آنسو
اسی پانی سے بھرتا عمر کا پیمانہ آتا ہے
الٰہی لوگ کیوں ہو ہو کے خوش فردوس جاتے ہیں
مگر اس باغ سے آگے کوئی ویرانہ آتا ہے
دلِ زار اور شستِ یار میں[۳] اک راہ ہے مخفی
خطا ہو کر بھی سیدھا ناوکِ جانانہ آتا ہے

---

۱ - 'نہ' ''کلیات سالک'' میں غلط ہے -
۲ - 'اور' بر وزنِ فع - (مرتب)
۳ - 'ہیں' ''ھنجار سالک'' (صفحہ ۹۲) میں غلط ہے - (مرتب)

چلا ہوں گھر سے اٹھ کر کعبے کی جانب مگر مجھ کو
تردد ہے کہ رستے میں مرے سے خانہ آتا ہے
مجھے گردش میں پایہ دورۂ چرخِ بریں کا ہے
کہ میرے ساتھ چکّر میں مرا کاشانہ آتا ہے
یہ رغبت ہے اُسے اغیار سے جب شعر کہتا ہے
تو مضمون بھی خیالِ یار میں بیگانہ آتا ہے
ترے کوچے میں ہو جاتا ہے کیا انسان پر جادو
ابھی ہشیار جاتا ہے، ابھی دیوانہ آتا ہے
گیا جو اُس خمِ گیسو میں واں کا ہو رہا سالک
یہ حیرت ہے سلامت کیوں کہ پھر کر شانہ آتا ہے

(۲۹۳)

ہاتھ میں لے کر نہ خنجر بیٹھیے
قتل کرنا ہے تو بس کر بیٹھیے
بار در تک بھی نہیں اور شوق یہ
بزم میں اُن کے برابر بیٹھیے
اٹھیے اے شور فغاں پر اس طرح
نقش کی مانند دل پر بیٹھیے
ہو چکی تعظیم دشمن کی، کہیں
اے زیارت گاہِ محشر بیٹھیے
ضعف طاری ہو تو کیوں کر لوٹیے
جان مضطر ہو تو کیوں کر بیٹھیے
یہ کوئی دفتر نہیں سن لیجیے
حالِ دل کہتا ہوں، دم بھر بیٹھیے

حضرتِ دل کوچۂ قاتل کا عزم
روئیے کا ، سر پکڑ کر بیٹھیے

روئے جنگل میں بہت اب جی میں ہے
گھر بٹھانے کے لیے ، گھر بیٹھیے

کھینچ مارا ایک پتھر بات میں
اس صنم کے پاس پتھر بیٹھیے

خاک چھانی عشق میں سالک بہت
پیر و مرشد ! کوئی دن گھر بیٹھیے

(۲۹۴)

ہوگئی دامِ بلا ، الفتِ صیّاد مجھے
ملتجی ہوں کہ ستم گر نہ کر آزاد مجھے

دل سے منظور ہے بیداریِ زہّاد مجھے
اجر دلوائے گی یہ رات کی فریاد مجھے

اس لیے یاد ہے اُن کی دلِ ناشاد مجھے
ہچکیاں آئیں تو گھبرا کے کریں یاد مجھے

ہوں میں وہ صید کہ رویا کرے صیّاد مجھے
ہوں میں وہ کشتہ کہ پیٹا کرے جلاد مجھے

ہوں وہ آوارہ کہ صحرا مجھے رکھتا ہے عزیز
ہوں وہ دیوانہ کہ مجنوں کہے اُستاد مجھے

وائے اے ضعف کہ سنتے تھے فرشتے اس کو
یا سُنائی نہیں دیتی مری فریاد مجھے

ہوں وہ خودرفتہ کہ کیا جانے کہاں دل کھویا
یاد آتا ہے تو اتنا کہ نہیں یاد مجھے

شکر ہے روزِ جزا ، شکر ہی نکلا منہ سے
گرچہ کرنا تھا ترا شکوۂ بیداد مجھے

فصد لوں روز خیالِ مژۂ جاناں میں
بھا گئی ہے خلشِ نشترِ فصّاد مجھے

ایک مدت ہوئی چلتے مگر اول منزل
دشت میں قیس ملا ، کوہ میں فرہاد مجھے

وہ نیا شیوہ نکالیں گے ستم میں کوئی
طرزِ فریاد بھی کرنی پڑی ایجاد مجھے

آ گئی موت ترے در پہ قدم رکھتے ہی
مل گئی بے کسیِ حسرتِ شدّاد مجھے

عرش کیوں روز ہلا مجھ سے خدا پوچھے گا
یہ اثر حشر میں دکھلائے گی فریاد مجھے

وصل ہوگا تو خدا ساز ہی ہوگا شاید
کہ ہے دل بستگیِ حُسنِ خداداد مجھے

آگئے یاد ستم ہائے گزشتہ اُن کو
ہائے کرنا ہی نہ تھا شکوۂ بیداد مجھے

جان یوں دیتے ہیں عشاق دکھادوں سب بھی
ہاتھ آ جائے اگر تیشۂ فرہاد مجھے

عالم وجد ہوا دیکھ کے دوزخ کا عذاب
آگئی تھی تری تھوڑی سی جفا یاد مجھے

میرے نالوں سے کبھی چین نہ پایا سالک
خلق کیا کہہ کے پس ازمرگ کرے یاد مجھے

(۲۹۵)

ہم ان سے آج غیر کی تحقیر کر چکے
مرنے کی اپنے آپ ہی تدبیر کر چکے

تاثیرِ نالہائے شرر بار دیکھنا
وہ بھی یہ جانتے ہیں کہ تاثیر کر چکے

میں خوں گرفتہ ، آپ ہیں سفاک، دیر کیا
بس بس بیانِ برّشِ شمشیر کر چکے

وہ رحم کھا کے بھول بھی جائیں تو ان سے ہم
کس آرزو سے کہتے ہیں تقصیر کر چکے

میرے نکالنے کی پڑی فکر بزم سے
جب خوب سی وہ غیر کی توقیر کرچکے

زنجیر اس کے در کی میسر نہیں تو بس
احباب مجھ کو بستۂ زنجیر کر چکے

یوں محو زخم کھا کے ہوے ہیں کہ آن سے ہم
اظہارِ لذّتِ خلشِ تیر کر چکے

مجبوریاں نہ پوچھ ہماری کہ کب سے ترک
اندیشۂ درستیِ تدبیر کر چکے

روئے سخن کدھر ہے نہ سمجھا ہزار حیف
ہم یار سے شکایتِ تقدیر کر چکے

گھر بیٹھے ہی وصالِ بتاں کی ملی مراد
اب قصدِ کعبہ سالکِ دل گیر کر چکے

(۲۹۶)

نہیں وہ فتنہ تری شوخیِ ادا کے لیے
قدم نہ فتنۂ محشر نے جس کے آ کے لیے

نہیں ہے پیکرِ عاشق میں جاں قضا کے لیے
رکھی ہے جنبشِ ابروے دل‌ربا کے لیے

کسی سے صانعِ قدرت کو داد کیا ملتی
خود اپنے ہاتھ کے بوسے تجھے بنا کے لیے

نہ ہاتھ ضعف سے اٹھیں نہ لب کو جنبش ہو
درِ قبول تو وا کب سے ہے دعا کے لیے

دماغ میں ہو خدائی کی جس سے بو پیدا
وہ بندگی تو نہ کیجے کبھی خدا کے لیے

یہ کون نعش پر آکر جلا گیا ورنہ
دمِ مسیح نہیں نالۂ عزا کے لیے

ملے تو کیوں کہ ملے عمرِ رفتہ کا کچھ کھوج
نہ گردِ قافلہ ہے، نے جرس صدا کے لیے

کہیں مریض محبت بھی چین پاتا ہے
کہ ہم کو صبر میسر نہیں دوا کے لیے

وہ ہرزہ گرد ہیں فرصت سجود سے کیا ہو
جبیں[۱] بنی ہے مری آن کے نقش[۲] پا کے لیے

---

۱ - اصل متن 'چیں' سہو کتابت ہے - 'جبیں' تصحیح قیاسی ہے۔ (مرتب)

۲ - اصل متن 'نقس' سہو کتابت ہے - 'نقش' تصحیح قیاسی ہے - (مرتب)

عروجِ بخت کو مانع ہے نالۂ سوزاں
یہ دور باش کی آواز ہے ہما کے لیے

وصال میں ہوں توانا فراق میں لاغر
غرض ملی نہ کبھی راستی قبا کے لیے

جو لطفِ حق ہو تو نقصان سود بنتا ہے
کہ ہم ہوے ہیں فنا جاوداں بقا کے لیے

کبھی کھلا نہیں آغازِ عشق کا انجام
'خبر' ضرور نہیں ایسی 'مبتدا' کے لیے

میں وہ نہیں کہ طبیبوں کو پاس آنے دوں
لیا نہیں ہے ترے درد کو دوا کے لیے

لکھا ہے سچ کہ ظلوم و جہول[1] انسان ہے
تلاش رزقِ مقدر کی ہے سوا کے لیے

نہ پوچھ سالکِ مغفور کو مرض کیا تھا
بہانہ چاہیے انسان کو قضا کے لیے

(۲۹۷)

ہے رشک کہ نالہ مرا اور[2] غیر کے گھر جائے
ورنہ تمھیں آرام سے یوں رات گزر جائے

الفت میں دل انسان کے قابو سے اگر جائے
اتنا تو ہو افسوس کہ افسوس میں مر جائے

---

۱ - انہ کان ظلوماً جہولا - (الخ)

۲ - ''اور'' بر وزنِ فعَ - (مرتب)

جو تیر کہ دل میں لب معشوق نہ ہووے
گو تیری ہی مژگاں کا ہو پر جی سے اُتر جائے

اس وسعت تقریر کو وہ طنز نہ سمجھیں
یہ شکر جفا کام شکایت کا نہ کر جائے

طالع ہیں مرے پست فلک بر سر کیں ہے
اب سیل بلا دیکھیے دنیا میں کدھر جائے

کیوں کر وہ نگہ آئے گی مجھ تک پس دیوار
جو بہر عدو ناز سے تا روزن در جائے

تم خوش ہو کہ دنیا سے گئی ہے برکت اُٹھ
رونا تو یہاں ہے کہ نہ گریے سے اثر جائے

جام اُس کفِ نازک سے چھٹے بزمِ عدو میں
کاش اُس سے ہی پیمانہ مری عمر کا بھر جائے

دیکھوں گا ترے فتنۂ رفتار کا عالم
ہر چند قیامت ہی مرے سر پہ گزر جائے

گویا کہ بنا ہی نہیں کچھ اور جہاں میں
آتا ہے نظر وہ ہی جہاں تک کہ نظر جائے

نالے کی اجازت دے شبِ وصل کہ ظالم
ہنگامۂ جمعیّتِ مرغانِ سحر جائے

اس ضعف میں اُٹھ کر ترے کوچے کو چلا ہوں
شاید مرے مرنے کی بھی واں تک نہ خبر جائے

کیوں رو کے مزہ کرتے ہو تم مرگِ عدو پر
عاشق کا نہ لطفِ خلشِ دردِ جگر جائے

وہ تیغ بہ کف آتے ہیں اب کوئی ہے ایسا
سر دینے مرے ساتھ سرِ راہ گزر جائے

گو شمعِ تجلّی ہی ترے سامنے رکھ دیں
دیکھو تو سہی بزم میں پروانہ کدھر جائے
ہاں سچ ہے کہ تم کیوں کہ اسے قتل کروگے
دشمن کا سر احسان نہیں ہے کہ اتر جائے
کیا چیز ہے دل جس کے ہو جانے کا غم اتنا
لیکن کسی بے مہر پہ آکر نہ اگر جائے
سالک سے کہو کوچۂ جاناں نہیں کچھ وہ
جاتا ہے جو محشر میں تو بے خوف و خطر جائے

(۲۹۸)

لب پہ ہر دم جو فغاں رہتی ہے
بات بھی شعلہ فشاں رہتی ہے
یوں غموں میں مری جاں رہتی ہے
جیسے دانتوں میں زباں رہتی ہے
کس کے دیدار کی یہ حسرت ہے
آنکھ ہر دم نگراں رہتی ہے
جسم مدت سے ہے خالی خالی
ہجر میں جان کہاں رہتی ہے
خواہشِ خلد رہی مرقد میں
مر کے بھی فکرِ مکاں رہتی ہے
وہ چمن زار، تمنا ہے مری
جاوداں جس میں خزاں رہتی ہے
یہی رونا ہے کہ آنکھوں سے مدام
ایک ندی سی رواں رہتی ہے

کھوئے رہتے ہیں جو اک عمر سے ہم
فکرِ مضمونِ دہاں رہتی ہے

دلِ خوں گشتہ کی جو حالت ہے
میری آنکھوں سے عیاں رہتی ہے

جان جاتی ہے ولے جان کے بعد
حسرتِ وصلِ بتاں رہتی ہے

دادخواہی کو وہاں جاتا ہوں
اک قیامت سی جہاں رہتی ہے

بڑھ گیا ضعف کچھ ایسا کہ نہ پوچھ
دل پہ حسرت بھی گراں رہتی ہے

ہے دمِ سرد پہ جینے کا مدار
برق سینے میں نہاں رہتی ہے

تیر بارانِ بلا ، کیوں اے چرخ
یوں چڑھی کس کی کماں رہتی ہے

سالک احوال وہ جب پوچھتے ہیں
نام کو منہ میں زباں رہتی ہے

(۲۹۹)

کچھ مجھ کو فکرِ ضعف و نقاہت نہیں رہی
خوش ہوں کہ اضطراب کی طاقت نہیں رہی

جور و ستم کی ان کے جو غایت نہیں رہی
یاں بھی مری وفا کو نہایت نہیں رہی

ٹھہرا ہوں میں ہی موردِ آفاتِ روزگار
اب اہلِ دہر پر کوئی آفت نہیں رہی

کس کو نہیں ہے موت ، مجھے اس کا غم ہو کیا
حسرت تو یہ ہے غیر کو حسرت نہیں رہی

ہاتے نہیں ہیں لب بھی یہاں فرطِ ضعف سے
کیجے ستم کہ تابِ شکایت نہیں رہی

یہ رشک ہے کہ غیر تلفظ میں آئے گا
مجھ کو تمھارے عشق میں غیرت نہیں رہی

سن کر جوابِ دعویِ بے صرفۂ کلیم
اب کچھ مجھے کلام کی جرأت نہیں رہی

افسوس آئی مجھ کو سرِ شامِ وعدہ موت
اب حشر میں بھی ان کی شکایت نہیں رہی

نکلے بغل سے غیر کی وہ کیا کہ قبر میں
مجھ پر فشار کی بھی اذیت نہیں رہی

محشر میں تیرے آتے ہی ہنگامہ بڑھ گیا
سمجھے تھے جس کو ہم وہ قیامت نہیں رہی

آساں کرے گا سختیِ ہجرِ بتاں خدا
سالک کسی پر ایک سی عسرت نہیں رہی

(۳۰۰)

یوں حال اس گلی کا سناتا نہ تھا مجھے
آخر بہ حیلہ چھوڑ گیا رہنما مجھے

خوبانِ زشت خو ہیں حقیقت نما مجھے
آتا ہے یاد دیکھ کر ان کو ، خدا مجھے

غش دیکھتے ہی صورتِ جاناں ہوا ہوں میں
عاشق ہوں کب سے یاد نہیں ہے ذرا مجھے

انصاف کا گماں ہے ، شبِ وصل کی امید
ہے شکوۂ درازیِ روزِ جزا مجھے
گرداب کا ہے کشتیِ عمر رواں کو خوف
گھیرے ہوئے ہے بحرِ محیطِ فنا مجھے
اس کا ہی جلوہ سب میں اگر ہے تو کیوں نہ ہو
حیرت فزا مشاہدۂ ما سوا مجھے
میں آپ میں نہیں ہوں مجھے دیکھ شوق سے
تیری ادائے شرم نے بے خود کیا مجھے
ہے باعثِ رہائیِ قیدِ حیات اگر
دردِ جگر عزیز ہے جاں سے سوا مجھے
تم جس طرح عدو سے ملے ، بس ملے ہو خیر
آتی ہے ذکر کرتے ہوئے بھی حیا مجھے
وہ بت اگر ہو درپۓ جاں بھی تو کیا ہراس
سالک بچانے والا ہے میرا خدا مجھے

(۳۰۱)

ظہورِ ہیبتِ چنگیز روزگار میں ہے
عنانِ توسنِ بیداد ، دستِ یار میں ہے
وہ ایک عمر سے پابندِ زلفِ یار میں ہے
یہاں یہ بھولے ہوے ہیں کہ دل کنار میں ہے
وہ شکل دیکھ کے لاکھوں ہی بہہ گئے دریا
مگر ہنوز مری چشمِ اشک بار میں ہے
اٹھائے صدمے کچھ ایسے کہ صبح یاد نہیں
کٹی یہ رات مجھے کس کے انتظار میں ہے

دلیلِ راہِ خطرناک جاننا اے خضر
نشان میرے قدم کا جو دشتِ خار میں ہے
بنے سحاب گر اس سے تو فتنے ہی برسیں
اثر یہ کوچۂ دلدار کے بخار مین ہے
وہ قتل کی ہے تمنا کہ اس سے کہتا ہوں
یہ دیکھنے ہی کا دم تیغ آبدار میں ہے
ملی ہیں خاک میں کیا حسرتیں شہیدوں کی
کہ بوے خوں ترے کوچے کے ہر غبار میں ہے
نہ ہو جو وصل بتوں کا تو زہر کھا لیجے
وہ اختیار نہ کیجے جو اختیار میں ہے
ہزار دن بھی نہ ایسے گذر گئے ہوں گے
یہی ہے روزِ قیامت تو کس شمار میں ہے
وہ سنگ جو کہ مرے سر کے خون سے نہ ہو لال
دکھا تو کوئی بھی فرہاد کوہسار میں ہے
وہ خار جو کفِ پا میں مرے نہ ٹوٹا ہو
بتا تو ایک بھی اے قیس دشتِ خار میں ہے
ہم انتظار میں ہیں موت کی ولیکن موت
کسی کی جنبشِ ابرو کے انتظار میں ہے
طرح طرح کے بدلتا ہے روزگار جو رنگ
یہ ایک شعبدہ سا چشمِ اعتبار میں ہے
یہ فیض ہے درِ جاناں پہ جان دینے کا
کھلا دریچۂ جنت مرے مزار میں ہے
اسی کو ہائے سمجھتا ہوں رازِ عشق اپنا
جو بات ایک سے لے کر، پڑی ہزار میں ہے

سُنی ہے سالک بیمار کی جواں مرگی
کہ سوگ مجلسِ رندانِ بادہ خوار میں ہے

(۳۰۲)

در پہ تھا قاصد ، نویدِ وصلِ یار آنے کو تھی
آج ہی کیا موت اے پروردگار ! آنے کو تھی
کیا بُرے دن تھے کہ اغیارِ بدآموز آ ملے
جب تجھے کچھ کچھ وفا ، اے بد شعار آنے کو تھی
ہجر کی شب کٹ چکی ، جوشِ تظلّم کیا کیا
نیند آنکھوں میں مری روزِ شمار آنے کو تھی
پاسِ آدابِ محبت نے گلا گھونٹا مرا
ورنہ دل سے لب تک آہِ شعلہ بار آنے کو تھی
داد کب ملتی ہے دیکھیں اس خرام ناز کی
لاکھ بار آئی قیامت ، ایک بار آنے کو تھی
پہلے وعدے یاد آئے تیرے اس وعدے کے ساتھ
لب پہ جینے کی دعا بے اختیار آنے کو تھی
کوہ کن کی موت ہی تھی وہ تو مرتا ہر جگہ
تجھ پہ بدنامی مگر اے کوہسار آنے کو تھی
تم عیادت کو نہ آتے ، ساتھ دشمن کے مگر
عمر میں کچھ اور مدت مستعار آنے کو تھی
رہ گیا کیوں یار کے عہدِ قیامت خیز میں
تیری شامت ہی سپہرِ بد شعار آنے کو تھی
لطفِ ظاہر سے چُھپے کیوں کر عنادِ باطنی
وہ ہی لب پر آئی جو بے اختیار آنے کو تھی

لے کے دم مجھ سخت جاں کا ، تھک کے بیٹھا چند روز
ورنہ عزرائیل کی ہر سو پکار آنے کو تھی
کچھ فشارِ قبر ہی روکے رہا ، صد شکر ہے
ورنہ سینے پر مرے لوحِ مزار آنے کو ہے
پہلے ہی قاصد کے مرنے سے نہ سالک آئی موت
یہ خبر بھی زندگی میں ایک بار آنے کو تھی

(۳۰۳)

کُنجِ مزار میں بھی وہی اضطراب ہے
دل ہے کہ اک فرشتۂ قہر و عذاب ہے
کیا رشک ہو کہ دیکھنے کی کس کو تاب ہے
عارض پہ تیرے فرطِ تجلّی نقاب ہے
کیوں کر نہ سرگراں ہوں پشیمانیوں سے ہم
پیری خمارِ نشۂ عہدِ شباب ہے
دیدارِ حسنِ یار ہے درمانِ چشمِ تر
کاشانہ سوزِ شبنمِ گُل ، آفتاب ہے
پہنچے عدو کے گھر میں تو دامن جھٹک دیا
ہم خاک بھی ہوئے ہیں تو مٹّی خراب ہے
یاں ہو گئی ہے بند زباں ، رُعبِ حسن سے
وہ جانتے ہیں بات مری لاجواب ہے
خط سے زیادہ گریہ ہے اے نامہ بر مجھے
اُس کے ہی گھر کی سمت رواں سیلِ آب ہے
تابِ سخن بنی ہے زبانِ رقیب میں
گویا کہ میری بات کو بھی انقلاب ہے

خود ہوگئی ہے خلوتِ اغیار پردہ در
اب کیا چھپاتے ہو تمھیں کس کا حجاب ہے

خطِ جبیں کو کہوں کہ مٹاؤں کہ حشر میں
اعمال نامے کا مرے یہ ہی جواب ہے

ہوں بے خبر مشاہدۂ حُسنِ یار میں
پرسش میں کب سے داورِ روزِ حساب ہے

لو خون ہوکے اور زیادہ ہؤا عزیز
آنکھوں میں مسکنِ دلِ خانہ خراب ہے

چُن چُن کے میں نے لکھے ہیں اوصافِ حسنِ یار
ہر شعر اس غزل میں مرا انتخاب ہے

اس قلزمِ گناہ میں سالک ہوں آشنا
ساحل پہ جس کے زورقِ جامِ شراب ہے

(۳۰۴)

کب یہ طریقِ اہلِ وفا میں صواب ہے
فرہاد خودکشی سے مجھے اجتناب ہے

عارض سے کس نے آج اٹھایا نقاب ہے
مانندِ ماہ روز بنا آفتاب ہے

آباد ایک خانۂ دل ہے رقیب کا
ورنہ ترے ستم سے زمانہ خراب ہے

بے پردہ میرے سامنے آتے ہیں اس طرح
گویا کہ اُن کے دیکھنے کی مجھ میں تاب ہے

کیا خونِ نامہ بر سے پس از قتلِ نامہ بر
لکھتے ہیں وہ مگر مرے خط کا جواب ہے

دل میں دکھائی دیتے ہیں کیا بےحساب داغ
گویا کہ دفترِ ستم بے حساب ہے

یاں وصل و ہجر ایک ہے کچھ نام کا ہے فرق
جو پہلے شوق تھا وہی اب اضطراب ہے

جتنے گئے ہیں سب ترے غم میں ہیں مبتلا
ملکِ عدم یہاں سے زیادہ خراب ہے

نکلی ہیں میرے قتل میں کیا کیا کدورتیں
سُنتا تھا میں کہ خنجرِ قاتل میں آب ہے

سیکھا ہے تو بھی گردشِ چشمِ بتاں کے ڈھنگ
اے روزگار! تجھ کو مدام انقلاب ہے

نیکی، بدوں سے حق میں ہے اچھوں کے اک بدی
ظالم! نگاہِ رحم عدو پر عذاب ہے

اے ضعف! چشمِ خلق سے مجھ کو چھپائے رکھ
میرے خیال میں وہ سراپا حجاب ہے

وصفِ جمالِ یار سنا کیا رقیب سے
ناصح کو آج پند سے کیوں اجتناب ہے

سرگوشیاں رقیب سے ہوتی ہیں کیا کہیں
منظور قتلِ سالکِ ناکامیاب کے

(۳۰۵)

بڑھی لو اور زینت آسماں کی
ستاروں میں ملی صورت فغاں کی

ہنسو بولو کھلے خوبی زباں کی
خموشی بات کھوتی ہے دہاں کی

مری اس سادگی پر رحم کھانا
که تم سے آرزوے دل بیاں کی

بہت بدلیں مری شکلیں ولیکن
نه بدلی صورت آن کے امتحاں کی

بنے مدفن مرا گو اس گلی میں
خبر لوں میں زمیں سے آسماں کی

کھلیں سب پر ہمارے جی کی باتیں
بنی صورت یہ آخر رازداں کی

پڑے کیوں کر نہ مجھ لاغر پہ ہر بار
نظر ہے ناتواں بیں پاسباں کی

نزاکت سے بڑھا لطفِ شبِ وصل
نہیں ہے تاب انھیں خوابِ گراں کی

پڑے پورا جو کوئی ہاتھ قاتل
کھلے قسمت شہیدِ نیم جاں کی

جو قصّے کا ترے انجام ہے قیس
وہ بسم اللہ ہے یاں داستاں کی

لحد بحرِ فنا کا ہے کنارہ
که یاں کشتی تھمے عمرِ رواں کی

اتر جائے گلے سے گر کوئی خم
تو ہو دل میں جگہ پیرِ مغاں کی

درازی روزِ غم سے لے شبِ وصل
کہانی تا کہوں شوقِ نہاں کی

یہی شوقِ اسیری ہے تو سالک
خرابی آ چکی ہے آشیاں کی

(۳۰۶)

رنج و حسرت کے سوا حاصلِ دنیا کیا ہے
غافل ! اس کارگہِ ہیچ میں رکھا کیا ہے

بیٹھ کر گوشے میں منظور ہے کونین کی سیر
دل ہے بیدار تو پھر دیدۂ بینا کیا ہے

وجہِ بیگانگیِ خلق ہے[1] ملنا تجھ سے
گر زمانہ مرا دشمن ہے تو شکوا کیا ہے

میری وحشت کو بھی اپنی ہی سی وحشت سمجھا
یہی صحرا ہے جو اے قیس ! تو صحرا کیا ہے

جانتے ہو کہ برا کون کہے گا ڈر سے
تم کو اغیار سے ملنے میں محابا کیا ہے

جی میں تھا اُن سے کہوں حال پر اب خاک کہوں
جان کر پوچھتے ہیں ، تیری تمنا کیا ہے

لبِ جاں بخش کی اپنے وہ نہیں جانتے قدر
مجھ سے کہتے ہیں کہ اعجازِ مسیحا کیا ہے

وجہِ ہنگامہ ہوئی مرگ مری جس کے لیے
اُس نے اتنا بھی نہ پوچھا کہ تماشا کیا ہے

چیر کر سینہ دل اپنا ہی دکھانا بس تھا
تہمتِ دامنِ صد چاکِ زلیخا کیا ہے

جان لینے کی ہے تدبیر شب و روز اُسے
دشمن جاں کہیں مجھ سا ہی وہ میرا کیا ہے

---

۱ - 'سی' نسخۂ کلیات سالک (صفحہ ۱۲۷) میں ہے اور 'بھی' 'ھنجار سالک' (صفحہ ۱۰۰) میں - دونوں سے معنی واضح نہیں تھے - 'ہے' تصحیح قیاسی ہے - (مرتب)

آن سے کیوں غیر کی تعظیم میں الجھے سالک
تم ہی چھوٹے سہی جانے دو یہ جھگڑا کیا ہے

(۳۰۷)

وہ زیبِ شبستان ہؤا چاہتا ہے
یہ مجمع پریشان ہؤا چاہتا ہے

کچھ ایسا ہؤا ہے زبوں حال میرا
کہ وہ بھی پشیماں ہؤا چاہتا ہے

بری ہوگئی شہرتِ کوے جاناں
کوئی خانہ ویراں ہؤا چاہتا ہے

طبیعت اجل کی طرف دوڑتی ہے
کہیں یہ بھی ارماں ہؤا چاہتا ہے

ترے غم نے سب کام آساں کیے ہیں
کہ مرنا بھی آساں ہؤا چاہتا ہے

مطالب گرہ ہوگئے کیوں لبوں پر
مگر کوئی پرساں ہؤا چاہتا ہے

اب اٹھتے نہیں ضعف سے پاؤں اپنے
بیابانِ بیاباں ہؤا چاہتا ہے

چلے آتے ہیں سیر کرتے ہوے وہ
گلستانِ گلستاں ہؤا چاہتا ہے

رکھوں دوست اس کو بھی تیری طرح سے
کہ دل دشمنِ جاں ہؤا چاہتا ہے

یہ جلوہ جو دیکھا پسِ پردہ میں نے
کہیں داغ پنہاں ہؤا چاہتا ہے

نہ دیکھا کرو تم کہ اب آئنہ بھی
مری چشمِ حیراں ہؤا چاہتا ہے
نکالا ہے یہ رنگ حالی نے سالک
کہ ہر شعر دیواں ہؤا چاہتا ہے

(۳۰۸)

رکھو وہ شیوہ نہ مدِ نظر ، نظر میں رہے
کہ جس سے رازِ محبت بشر ، بشر میں رہے
چمن[1] جو بن کے ترا رہ گذر ، گذر میں رہے
تو نخل طور کا جلوہ شجر ، شجر میں رہے
عزیز تر ہے اگر ہو سرشک میں تاثیر
لطیف تر ہے جو آبِ گہر ، گہر میں رہے
اُدھر تمام کیا آسماں نے اپنا کام
ادھر پھنسے ہوئیے اهل هنر ، هنر میں رہے
وفورِ غم سے یہ جی میں ہے روئیے اس طرح
نہ دل میں حال ، نہ خونِ جگر ، جگر میں رہے
بری خبر ہو تو اس طرح نامہ بر کہنا
کہ صدق و کذب کا شک ، بےخبر ، خبر میں رہے
سمجھ کے عشق کر اے دل کہ کیا نہیں معلوم
جو سوچتے نہیں نفع و ضرر ، ضرر میں رہے

---

۱ - یہ مطلع اور اس کے بعد کے آٹھ شعر ''کلیات سالک'' (صفحہ ۱۲۸) میں ہیں ، ''هنجار سالک'' میں نہیں - باقی ۵ شعر اور مقطع اور مطلع اول ہیں - اس سے یہ پتا چلتا ہے کہ سالک نے بعد میں اضافہ کیا ہے - (مرتب)

اُٹھاؤں قبر میں بڑی لذتِ خلش تا حشر
خدا کرے کہ خدنگِ جگر، جگر میں رہے
وفا ہماری، ستم آپ کے، کچھ ایسے ہوں
کہ مدتوں یہی چرچا، بشر بشر میں رہے
شبِ فراق ملی، تیرہ روزگاری میں
سحر گذر گئی اور ہم سحر، سحر میں رہے
ہم اُن کی بزم میں بیٹھے رہے ولیکن یوں
کہ جیسے رہروِ راہِ خطر، خطر میں رہے
کھچے جو سینے سے نالہ تو چاہیے اے دل
مثالِ معنیِ لفظِ اثر، اثر میں رہے
شبِ وصال کی یا رب نہ روشنی کم ہو
وہ نور عارضِ رشکِ قمر، قمر میں رہے
تمیزِ غم کو دیا تھا فلک نے عیش اتنا
کہ جیسے جلوۂ رنگِ شرر، شرر میں رہے
ہمارے قتل کو، لو نازکی سے پہلے صلاح
ابھی تو خنجرِ زیبِ کمر، کمر میں رہے
ادائے شرم میں لاکھوں اشارے ہیں سالک
جھکی ہوئی یہ کسی کی نظر، نظر میں رہے

(۳۰۹)

ارم میں آ گئے کوئے بتاں سے
اجل لائی کہاں ہم کو کہاں سے
گرے سر ہر تو خوش ہوں آسماں سے
کہ سر اُٹھے نہ تیرے آستاں سے

وہیں لائی ہے پھر بے تابیِ شوق
قیامت لے گیا تھا میں جہاں سے

منجّم کیا بتائے گا مرا حال
فلک کیا دور ہوں میں لامکاں سے

ملا کر خاک میں ہم کو ملا کیا
کوئی اتنا تو پوچھے آسماں سے

نہ یاں حسرت نکلتی ہے نہ واں بات[1]
ملی ہے تنگیِ دل کس دہاں سے

وہی ہے قتل پر اصرار اُن کو
تھکے ہم مفت شور الاماں سے

ہوئی طاقت جو اڑنے کی تو اتنی
پھنسے[2] آ کر قفس میں آشیاں سے

چلے تھے ساتھ ہی فتنے ولیکن
یہ کچھ تیز آئے مرگِ ناگہاں سے

نظر مدت سے یوں ہے جانبِ در
گئے ہیں وہ ابھی گویا یہاں سے

منانے کون اب آئے گا سالک
عبث تم روٹھ کر آئے وہاں سے

---

۱ - یہ شعر ''ہنجار سالک'' میں ہے -
۲ - 'پھسے' کا املا ''ہنجار سالک'' اور ''کلیات سالک'' میں بغیر نون ہے
کاتب کی اصلاح ہوگی - یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ''سالک'' کے عہد
تک 'پھنسا' میں نون کا التزام نہ کرتے ہوں - بہرحال املا درست
کر دیا گیا ہے - (مرتب)

(۳۱۰)

بھروں گا دہر کو شورِ فغاں سے
بلا گرنے نہ دوں گا آسماں سے

تمھیں شرما کے کہہ دو کچھ زباں سے
نہ کہلواؤ کہ آئے ہو کہاں سے

بہت طوفان قومِ عاد گزرے
غبار اٹھا نہ خاکِ ناتواں سے

فلک یہ بھی ہے تیری مہربانی
ملایا اور کس نامہرباں سے

زباں کس کی ہے جو اس کا بیاں ہو
بیاں اُس کا سنو میری زباں سے

ابھی ملنے کی ہے ان سے توقع
ابھی واقف نہیں رازِ نہاں سے

وہ اک کج باز ہے یاں لاکھ کج رو
زمیں کو کم نہ سمجھو آسماں سے

لبوں تک آ گیا رازِ نہانی
اب اخفا ہو تو مرگِ ناگہاں سے

کیا آنے کا وعدہ منہ بنا کر
نہیں کا کام وہ لیتے ہیں 'ہاں' سے

فلک، غم خوار بلبل ہو تو کل کیا
نہ نکلے بوے گل بھی گلستاں سے

شبِ وعدہ صداے پا نے تیری
جگایا بخت کو خوابِ گراں سے

کہاں پیدا ہیں سالک سے جواں مرگ
بہت پچھتائے[1] ہو گے امتحاں سے

(۳۱۱)

دہر کو نسبت نہیں ایجاد سے
تنگ ہوں چرخِ کہن بنیاد سے
اُن سے ہے وہ آرزو کہنی مجھے
جو دمِ آخر کہیں جلّاد سے
کوئی تو پرساں ہو میرے حال کا
اب تو شرم آنے لگی فریاد سے
ہے طبیعت کس قدر جدت پسند
مل گئے ہم اُس ستم ایجاد سے
جان کر ظالم ملے گا تجھ سے کون
خوش ہوں تیرے شیوۂ بیداد سے
تیشہ کیسا ، چاہتا یہ عشق اگر
کام لیتا ناخنِ فرہاد سے
تم اگر پوچھو تو ہم کیا کیا کہیں
بڑھ گئی ہیں حسرتیں تعداد سے
اس علوِ شان کی کیا انتہا
وہ کبھی اُترے نہ میری یاد سے

---

۱ - 'پچتائے'۔ اصل متن میں معلوم نہیں کہ یہ املا 'سالک' کا ہے یا کاتب کی جدت ۔ 'پچھتائے' موجودہ املا کے مطابق درست کر دیا گیا ہے ۔ (مرتب)

۲ - 'جو' ''ھنجار سالک'' (صفحہ ۱۰۳) میں غلط ہے ۔ (مرتب)

جی میں ہے وہ اپنے حق میں کیجیے
ہو نہ جو کچھ اُس ستم ایجاد سے

خوگرِ جور و جفا ہوں اس قدر
نیند آتی ہے تری بیداد سے

سرکشی کس بات پر ہے اے فلک[۱]
نالہ واقف ہے تری بنیاد سے

میری نظروں میں ہے سالک ایک ہی
ہے عیاں وحدت مرے آحاد سے

(۳۱۲)

مدّعا کہنے کی دل میں تو ہوس آتی ہے
رعب سے اُن کے زباں بند ہوئی جاتی ہے

وہ گلی ، صورتِ فردوس نظر آتی ہے
سبز باغ آج طبیعت مجھے دکھلاتی ہے

اے دل اس ضعف میں ہے تو بھی غنیمت کہ کبھی
بے قراری تری کروٹ تو بدل جاتی ہے

اُن نگاہوں کو ہے کچھ اور بھی گردش اب تو
میں تو میں ، غیر کی تقدیر بھی چکراتی ہے

سخت جانوں کو ترے موت کب آتی ہے مگر
جان گھٹ گھٹ کے لبوں پر کبھی آ جاتی ہے

بے کسی ہائے جنوں دیکھ کہ بیٹھوں جو کبھی
ایک وحشت ہے کہ تلوے مرے سہلاتی ہے

---

۱ - یہ شعر ''ہنجار سالک'' میں نہیں ہے - (مرتب)

میرے ویرانے میں کیا آئے گا وہ غیرتِ حور
کہ ہر اک گوشے سے فردوس کی بو آتی ہے
کیوں کہ تکرارِ قوافی پہ نظر رکھ سکتا
مجھ کو تکرارِ شبِ وصل کی یاد آتی ہے
بے خبر سوزِ محبت سے نہ رہتا سالک
ہے یہ وہ آگ کہ دم بھر میں بھڑک جاتی ہے

(۳۱۳)

کب کرم دیکھیے ہجراں میں قضا کرتی ہے
کب اثر دیکھیے دشمن کی دعا کرتی
دہر میں روزِ جزا ہوتے ہی ہوتے ظالم
نگہِ ناز تری دیکھیے کیا کرتی ہے
آپ کیا پوچھتے ہیں حدِ ستم ہنس ہنس کر
اب بتا دیتے ہیں گر عمر وفا کرتی ہے
جلد اٹھنے کو ہے فتنہ تری محفل میں کوئی
دیکھیے غیر کی تعظیم یہ کیا کرتی ہے
صدمۂ ہجر بھی سہہ[۱] کر رہوں زندہ افسوس
میری ہستی مجھے مایوسِ فنا کرتی ہے
کاش مل جائے ہمیں کوچۂ اغیار میں جا
کہ جہاں رہتے ہیں واں برق گرا کرتی ہے
شرمِ قامت سے ترے رہتی ہے پنہاں ورنہ
تو جب اٹھتا ہے، قیامت بڑی اٹھا کرتی ہے

---

۱ - 'سن' ''ہنجار سالک'' (صفحہ ۱۰۳) میں غلط ہے۔ (مرتب)

جرم انشاے محبت نہ ہو ثابت مجھ پر
اس سے کیوں سعی مری خلق خدا کرتی ہے

شوخیوں میں بھی نہ دیکھے یہ کنائے ہم نے
جو تمھاری نگہِ شرم ادا کرتی ہے

بیٹھ رہ چھوڑ کے اللہ پہ سالک سب کام
دیکھ تدبیر پہ تقدیر ہنسا کرتی ہے

(۳۱۴)

اکیلے ہم نہ تیری بزم سے اے بے وفا نکلے
ہمارے ساتھ غیروں کے ہزاروں مدّعا نکلے

زباں کٹ جائے گر لب سے تمھارا کچھ گلا نکلے
مگر یہ تو کہوں گا تم کو کیا سمجھا تھا ، کیا نکلے

کبھی نیچی ہوئیں آنکھیں ، کبھی منہ پھیر کر بیٹھے
نگاہِ لطف میں سو طرح کے عذرِ حیا نکلے

سمجھنا صدمۂ ہجرِ بتاں سے ٹوٹنا دل کا
اگر منہ سے کسی کے نالۂ غم کی صدا نکلے

کیا جتنا مداوا چارہ‌گر نے دردِ الفت کا
مگر اس سے زیادہ حضرتِ دل مبتلا نکلے

سحر ہونے نہ دے گا بختِ روشن وصل کی شب کو
عجب کیا شرم سے خورشید اگر بن کر سہا نکلے

یہ سِن یہ بادہ و شاهد پرستی ، خیر ہے سالک
ذرا بوِ آدمیت کی بھی ، اے مرد ! خدا نکلے

(۳۱۵)

اب نہیں آئے تو موت آئی مری
کہتے ہیں ، دیکھو مسیحائی مری

قصہ طولانی ہے ، وہ نازک دماغ
اور گویائی بھی گویائی مری

میری صورت پر ہیں آثارِ نیاز
سر اٹھانا ہے جبیں سائی مری

جستجو کرتا ہوں کس کے وصل کی
ہائے میں اور[1] ہرزہ پیمائی مری

دیکھ کر ان کو عبث سنبھلا رہا
جرم ٹھہری ہے شکیبائی مری

ہے ازل آورد از خود رفتگی
میرا گم ہونا ہے پیدائی مری

زہر احبا سے چھپا کر کھالیا
عاقبت کام آئی خود رائی مری

ایک مدت سے نہیں میں آپ میں
آپ نے بھی کچھ خبر پائی مری

کعبہ ہو یا آستانِ یار ہو
بے اثر ہے جبہہ فرسائی مری

گر اجازت دو تو حالِ دل کہوں
آپ کے لب پر ہے گویائی مری

---

۱ - 'اور' بر وزن فع - (مرتب)

تو بھی آ کر مجمعِ اضداد دیکھ
ایک ہنگامہ ہے تنہائی مری

گر سرِ دار آ کے کھولوں راز کو[1]
ہو سکے پھر کس سے ہمتائی مری

چپ نہ ہو سالکؔ کہے جا حالِ دل
کچھ طبیعت تو نے بہلائی مری

(۳۱٦)

اب لافِ ضبطِ اُلفتِ پنہاں کے ہو چکے
چرچے جہاں میں شورشِ افغاں کے ہو چکے

یوسف نے راہ مصر کی سیکھی ہے خواب میں
سامان اب خرابیِ کنعاں کے ہو چکے

اب باز پرسِ حشر سے کیا کام ہے کہ ہم
محوِ خیال ، لذتِ عصیاں کے ہو چکے

اب بھی زباں نہ بند ہو ناصح ، ہزار حیف
ٹکڑے ہزار میرے گریباں کے ہو چکے

یہ ہی اگر ہے جلوۂ حسنِ نگاہ سوز
دعوے قبول موسیِ عمراں کے ہو چکے

اب آ کے میری راہ میں نشتر بچھائیے
خوگر یہ پاؤں خارِ مغیلاں کے ہو چکے

صبحِ شبِ وصال نے کیسا کیا خموش
گویا کہ سب گلے شبِ ہجراں کے ہو چکے

---

[1] - یہ شعر ''ہنجار سالک'' میں ہے ، ''کلیات سالک'' میں نہیں - (مرتب)

دیکھیں قیامت آ کے اڑاتی ہے خاک کیا
ہم خوگر اُن کی جنبشِ داماں کے ہوچکے

چپ چپ عدو کو دیکھ کے پوچھیں جوآپ حال
پرساں وہ میرے حالِ پریشاں کے ہو چکے

آ جاؤ اب بھی ، لب پہ نہ آ جائے اور کچھ
شکوے تمام گردشِ دوراں کے ہوچکے

ہمت سے دور کچھ نہیں بیت الحرم ، ولے
مدت سے ہم تو کوچۂ جاناں کے ہو چکے

مر جاؤں آپ تار ہے قاتل کی آبرو
سو وار مجھ پہ خنجرِ بُرّاں کے ہو چکے

سالک نظر خدا پہ رکھو اور چلے چلو
رہبر نصیب اپنے بیاباں کے ہو چکے

(۳۱۷)

دنیا میں اس طرح سے رہے ہم جہاں رہے
گویا کسی رقیب کے گھر میہماں رہے

دستِ کلیم سوزِ دروں کا گواہ ہے
ممکن نہیں کہ رازِ محبت نہاں رہے

سہتا ہے جور و ظلم ، توقع پر آدمی
ہاں چھیڑ لطف کی بھی دمِ امتحاں رہے

---

۱ - ''ہنجار سالک'' (صفحہ ۱۰۵) میں مصرع اس طرح ہے :
''تعذیب (تعذیب) حشر کی نہ رہی کچھ خبر کہ ہم''

۲ - 'اور' بر وزن فع - (مرتب)

تغیرِ حالِ دہر سے بڑھتی ہے حسرت اور
تسکیں رہے ، چمن میں جو دائم خزاں رہے

بڑھتا ھی جائے قطرہ تو دریا سے کم نہیں
اے کاش ایک حال پہ اشکِ رواں رہے

ڈر ہے کہ رفتہ رفتہ نہ بن جائے صورِ حشر
ہے خیر اس میں اپنی فغاں گر فغاں رہے

تو اس کے دل میں گھر نہ بنائے جو اے عدو
نظروں میں بے ثباتیِ کون و مکاں رہے

ہے مجھ کو جان کر تجھے پہچاننا ضرور
میری طرح خراب نہ کیوں رازداں رہے[1]

گر تجھ میں شوخیاں ھیں تو گستاخ میں بھی ھوں
قاتل نہ تیرے ھاتھ ، نہ میری زباں رہے

آ جائے رازِ دل نہ کہیں لب پہ دیکھنا
اے ضعف بات کی بھی نہ تاب و تواں رہے

کیسی شبِ وصال ہے روشن کہ شام سے
آثار صبح کے مرے منہ پر عیاں رہے

سیدھی نظر ، چمن میں کوئی دیکھتا نہیں
اب کے[2] پڑا ھی پائیں اگر آشیاں رہے

لب پر دعائے مرگ رھی ، ماجرا نہ پوچھ
ھم آپ اپنے حال پہ شب مہرباں رہے

---

۱ - ''ھنجار سالک'' (صفحہ ۱۰۶) میں مصرع یوں ہے :
'مجھ سا خراب کیوں نہ مرا راز داں رہے'

۲ - 'آپکے' ''کلیات سالک'' (صفحہ ۱۸۵) میں غلط ہے - (مرتب)

سالک ہؤا نہ وصل تو ہے ہیچ زندگی
مانا کہ دہر میں رہے اور جاوداں رہے

(۳۱۸)

کام آیا قبر میں یہ اضطرابِ دل مجھے
اب نظر آتی نہیں چھاتی پہ رکھّی سل مجھے
کیوں نہ ہو بحرِ محبت سے گزر مشکل مجھے
پیش سو گرداب آتے ہیں لبِ ساحل مجھے
بہرِ استقبالِ دشمن بزم سے اٹھے ہیں وہ
پاؤں سے جاتے ہیں ٹھکرائے سرِ محفل مجھے
ہو کے خوگر ذوقِ بےتابی نہایت بڑھ گیا
چاہیے ہے ہر سرِ مو اب تو مضطر دل مجھے
تیرے ہونے سے لگی میری شہادت میں یہ دیر
تو نے مارا اے نیامِ خنجرِ قاتل مجھے
آ تجھے بھی لے چلوں پیرِ مغاں کے پاس میں
شیخ ! قسمت سے ملا ہے مرشدِ کامل مجھے
لے چلی ہے اے تمنائے شہادت کس کے پاس
جو نہ سمجھے امتحانِ تیغ کے قابل مجھے
رات وہ ہی وصل کی ، احوال وہ ہی ہجر کا
آپ وعدے پر گر آئیں بھی تو کیا حاصل مجھے
گھر سے نکلے ہیں لگا کر ہاتھ سے دشمن کے ہاتھ
تم نہ اپنے ہاتھ سے کرنا کہیں بسمل مجھے
بیٹھ کر مطلب مرے سن لو یہ جھگڑا ہی چکاؤ
آج قائل ہو کے اٹّھو یا کرو قائل مجھے

اب نہیں ہوتی خبر سو بار گر ہو جائے صبح
وصل کی شب نے کیا ہے اس قدر غافل مجھے

دم نہ لے شوقِ شہادت ، میں کہاں قاتل کہاں
زہر بھی تو کوئی ہاتھ آتا نہیں قاتل مجھے

میرے ہر ناخن میں پھانسیں رہ گئی ہیں ٹوٹ کر
اور اُلجھا کر دیا ہے عقدۂ مشکل مجھے

نالہ و فریاد ہے ، آہ و فغاں ہے رات دن
وہ بھی کیا بے درد ہیں کہتے ہیں جو کاہل مجھے

کام کیا سیدھے ہوں جب ہو کارفرما کا یہ حال
یعنی حق نے پہلوے چپ میں دیا ہے دل مجھے

اک توقع پر قدم مارے ہوے جاتا ہوں میں
ہو نہ معلوم آہ یارب ! دوسری منزل مجھے

جی میں ہے دو روز پہلے اُٹھوں یا دو روز بعد
حشر میں ہونا نہیں اغیار کے شامل مجھے

توبہ مرتے دم کروں گا بادہ نوشی سے ضرور
جاننا سالک نہ تم اپنا ہی سا غافل مجھے

(۳۱۹)

آسودہ جو کہ خاطرِ بے مدعا سے ہے
کیا کام اُس کو ساغرِ گیتی نما سے ہے

آمادۂ ستم فلک و یار کینہ جُو
پیغام موت کا مجھے اب جا بہ جا سے ہے

ظاہر میں ان کو وعدہ ھی کرتے بن[1] آئے گی
خواھش وصال کی مجھے اس التجا سے ھے

اے چرخ ! مژدہ ! تیر ھیں تیرے کہاں شکن
یعنی زبان فگار ، ھجومِ دعا سے ھے

وقتِ ظہور ، نام ھؤا فانیوں میں ثبت
انجام آشکار ، مری ابتدا سے ھے

اے اضطراب شوق ! نہ لے جان وہ کہاں
الجھاؤ یاں خیال میں بندِ قبا سے ھے

اس شہسوارِ ناز کی غیرت کو کیا ھؤا
خاک اپنی پائمال شمال و صبا سے ھے

کیا پوچھتے ھو مجھ سے کہ تو کیوں ھے مضطرب
یہ بھی تمھارے جلوۂ صبر آزما سے ھے

ھے اب تک اس کو میری ھی فریاد کا گماں
حاصل یہ مجھ کو نالۂ اھل عزا سے ھے

رو رو کے اس سے کہتے ھیں یوں ماجرائے ھجر
گویا بیانِ حال کسی آشنا سے ھے

مایوس ان بتانِ جفا جو سے ھو چکے
کب تک نہ ھم کہیں کہ توقع خدا سے ھے

سالک وہ کیا صلاح نہ لیں گے رقیب سے
اظہارِ مدّعا مجھے کس مدّعا سے ھے

---

۱ - 'ھی' ''کلیات سالک'' (صفحہ ۱۸۶) میں غلط اور 'بن' ''ھجار سالک'' (صفحہ ۱۰۷) میں صحیح - (مرتب)

(۳۲۰)

لطف دشمن پہ کیوں کیا تو نے
یوں اگر کی، تو کی وفا تو نے

سہل سمجھی مری شفا تو نے
کی بس اے چارہ گر دوا تو نے

جس سے احوال کہیے وہ ہی کہے
خود کیا ہائے جو کیا تو نے

اب تو اٹھیں گے حشر اٹھا کر ہم
کیوں نظر سے گرا دیا تو نے

ہائے کس بزم سے نکالا ہے
اے دلِ رشک آشنا! تو نے

کہہ کے احوال دیکھتا ہوں شکل
جانتا ہوں کہ سن لیا تو نے

یوں بھی ہوتے ہیں نارسا نالے
کیوں بگاڑی مری ہوا تو نے

حال کہیے تو کہتے ہیں خاموش!
بس سنا ہم نے اور کہا تو نے

یوں وفا کی کہ خود وہ کہہ اٹھتے
کس ستم گر سے کی وفا تو نے

وہی ہم، وہ ہی تیرہ بختی ہے
کیا کیا سایۂ ہما تو نے

---

۱ - 'اور' بر وزن فع - (مرتب) -

ہجر میں ہر کسی کو موت کہاں
رحم مجھ پر قضا کیا تو نے

کوئی دن اور اُن سے کھنچنا تھا
کھو دیے کام ، التجا تو نے

اُس سے مل مجھ کو دیکھ کر اے غیر
کھیل شاید سمجھ لیا تو نے

سن لیا اک جہاں سے پر نہ سُنا
پوچھ کر مجھ سے ماجرا تو نے

اُس کے آنسو ٹپک پڑے سالک
حال اس درد سے کہا تو نے

(۳۲۱)

تم سے کبھی کریں گے نہ خواہش وصال کی
کھوئیں گے آبرو نہ لبِ بے سوال کی

سُن کر خبر وہ میری خرابیِ حال کی
تعریف آپ کرتے ہیں اپنے جمال کی

چکّر میں آ رہا ہے ستا کر وہ خلق کو
تم چال کیوں چلو فلکِ بدخصال کی

ہیں غایتِ کمال پر اپنی تباہیاں
خوش ہوں کہ ہے یہ ایک نشانی زوال کی

مہجور کو نہ کیوں کہ شبِ مرگ ہو خوشی
یہ بھی تو ایک رات ہے گویا وصال کی

پایا زبانِ تیشۂ فرہاد سے جواب
تاثیر دیکھنا سخنِ پیر زال کی

لذت خلش نے رکھی ہے کیا تیغِ ناز نے
زخموں کو احتیاج نہیں اندمال کی
اے انتظار یار! شبِ وعدہ کیا کیا
دیتی ہے ہر گھڑی خبر اک ایک سال کی
ہے ایک گوشہ سیرگہِ کائنات بھی
وسعت تو دیکھنا مری بزمِ خیال کی
ابرو کی جنبشوں سے تری ہوں ڈرا ہؤا
دہشت سے دیکھتا نہیں صورت ہلال کی
سالک خدا کے واسطے چھیڑو کچھ اور ذکر
پوچھو خبر نہ کچھ دلِ حسرت مآل کی

(۳۲۲)

اس نالہ و زاری سے یہ آیا مرے آگے
آتش مرے سر پر ہے تو دریا مرے آگے
جو پاس ہیں میرے وہ خدا جانے کہاں ہیں
تم دور ہو پر بیٹھے ہو گویا مرے آگے
وحشت زدۂ عشق ہوں زنداں میں ہوں تو کیا
اب تک تو ہے ہر گوشۂ صحرا مرے آگے
بہلاتے ہیں دن، رات مشابہ ترے بن کر
کرتے ہیں مہ و سہر تماشا مرے آگے
عالم کو مرے خاک اڑانے نے ڈبویا
ہر بار نکل آتا ہے دریا مرے آگے
روتے ہی بن آئی مجھے بازار میں ناچار
قاصد نے کیا ذکر کچھ ایسا مرے آگے

وہ[1] جور کیے تم نے کہ یہ چرخِ ستم گر
اب تم سے ہؤا جاتا ہے اچھا مرے آگے

ناصح کی بھی سنوا کبھی اے عشق ملامت
احباب تو سب بن چکے دانا مرے آگے

کیا شہر[2] میں ہو حضرتِ سالک کا ٹھکانا
کل جھاڑتے تھے گوشۂ صحرا مرے آگے

(۳۲۳)

بے پردہ چلے آئے وہ تنہا مرے آگے
تقدیر سے حیرت ہوئی پردا مرے آگے

چلتی ہی زباں عذر جفا پر نہیں ، لیکن
تم حشر میں خاموش نہ رہنا مرے آگے

منزل کا پتا پاؤں تو باقی ہے ابھی دم
گو اور نہیں ہے کوئی صحرا مرے آگے

عالم ہے تجھے دیکھ کے ، موسلی صعقا[3] کا
آیا نہ[4] مرا وعدۂ بے جا مرے آگے

---

۱ - یہ شعر اور اس کے نیچے والا شعر ''ھنجار سالک'' (صفحہ ۸۵) میں نہیں - (مرتب)

۲ - ''ھنجار سالک'' میں مقطع یہ ہے :

ملنے کا نہیں شہر میں سالک کا ٹھکانا
جاتا تھا ابھی جانبِ صحرا مرے آگے

۳ - خرّ موسلی صعقا - (سورۂ اعراف ، آیت ۱۴۳)

۴ - تا ؟ -

حائل رہیں سو طرح کے پردے تو نہیں غم
رکھتا نہیں کچھ دیدۂ بینا مرے آگے
کیا دیکھ کے آئینے کو وہ محو ہوئے ہیں
خود کرتے ہیں وصفِ رخِ زیبا مرے آگے
بند آنکھیں ہیں ، کشتی ہے مری بحرِ فنا میں
کہہ دو کہ ہے یہ ساحلِ دریا مرے آگے
جب اپنی حقیقت کو ذرا غور سے دیکھا
آئینہ ہوئی ہستیِ اشیا مرے آگے
عنقا کو زمانے میں کیا میں نے ہی عنقا
معدوم ہوئی شہرتِ عنقا مرے آگے
یہ حال ہؤا دیکھتے ہی جلوۂ جاناں
گویا کہ نہ تھا دہر میں ، جو تھا مرے آگے
وہ تیز روِ بادیۂ عشق ہوں سالک
ہر ایک یہ کہتا ہے ، ابھی تھا مرے آگے

(۳۲۴)

مژدہ فنائے دہر کا پہنچے گا صور سے
آسودگان خاک جب اٹھیں گے گور سے
بندوں کی جان لیتے ہیں کس مکر و زور سے
اللہ کی پناہ ، بتوں کے فتور سے
عاشق کی آنکھ نم[1] بھی اگر ہو تو خوف ہے
اک بار اٹھ چکا ہے یہ طوفان تنور[2] سے

۱ - 'تم' اصل متن (کلیات سالک صفحہ ۱۹۰) میں بے معنی ہے - 'نم' تصحیح قیاسی ہے - (مرتب)
۲ - طوفان تنور سے اٹھنا ، طوفان نوح کی طرف اشارہ ہے - (مرتب)

ہوتی چلی ہے ہجر میں خو اضطراب کی
آنے لگا ہے چین دلِ ناصبور سے

موسیٰ کے ہاتھ میں نہیں جو دل میں نور ہے
روشن عجب چراغ ہؤا ، شمعِ طور سے

مر کر بھی اہلِ دہر ہیں اُس چال سے خراب
دھوکے میں حشر کے نکل آئے قبور سے

آنکھیں کھلی ہوئی ہیں تو پھر کیا چھپا رہے
دنیا کی سیر کرتے ہیں ہم چشمِ کور سے

کھنچ کر، جہاں کو اپنی طرف کھینچتے ہیں بت
تاثیرِ عجز کرتے ہیں پیدا غرور سے

جنت کہا تو اُس نے گلی سے دیا نکال
جو کچھ ہؤا ، ہؤا ہے ہمارے قصور سے

تیرے شہیدِ ناز کو جنت میں جا ملی
دھوتے ہیں اُس کے زخم شرابِ طہور سے

کچھ مرگ و زیست عاشقِ غم دیدہ کی نہ پوچھ
یاں عمر بھاگتی ہے سنین و شہور[1] سے

ہستی میں کیا ملا تھا بجز رنج و یاس کے
اب کیا کریں گے جاگ کے شورِ نشور[2] سے

رہ بر ہے میرے ساتھ ، مگر ہے ڈرا ہؤا
اس کوچے کے نشان بتاتا ہے دور سے

---

۱ ۔ سنین و شہور : سال اور مہینے ۔
۲ ۔ شور نشور : بروز قیامت جب سب کو اکٹھا کیا جائے گا ۔ اس کے نتیجے میں جو شور اور ہنگامہ برپا ہوگا ، اسے شور نشور کہا ہے ۔

اچھی طرح گزر نہ سکے گی شبِ فراق
مجھ پر بری بنے گی دلِ ناصبور سے

جاں اپنی لب پر آئی ، نہ آیا سوالِ وصل
دشوار مدّعا طلبی ہے غیور سے

مومنؔ سے کیف بادۂ توحید کا نہ پوچھ
لکنت زباں میں آ گئی جس کے سرور سے

اس دن کو ، رات کوئی نہیں اے شبِ فراق
وابستہ یہ امید ہے روزِ نشور سے

سالکؔ گناہ گار و خطا کار ہوں ولے
دل کچھ قوی ہے رحمتِ ربِ غفور سے

(۳۲۵)

جو ہوا کوے یار میں گزری
گو خزاں ہو ، بہار میں گزری

یہی زاری رہی ، یہی فریاد
عمر کس کاروبار میں گزری

شعلۂ برق آہِ عاشق دیکھ
خیرگی چشمِ یار میں گزری

عمر گزری فراق میں لیکن
مرگ کے انتظار میں گزری

عشق اور[1] میں مگر مری تخریب
دلِ الفت شعار میں گزری

---

۱ - 'اور' بر وزن فع - (مرتب)

فاتحہ کو وہ شمع رو آیا
روشنی سی مزار میں گزری

زندہ درگورِ ہجر میں ہوئے ہم
زندگی کچھ مزار میں گزری

یوں سبک خیز دشت ہوں گویا
اک ہوا خار زار میں گزری

کس نے دیکھا کہ ایک برچھی سی
سینۂ دل فگار میں گزری

شبِ ہجراں کی آفتوں کو نہ پوچھ
رات ، روزِ شمار میں گزری

سالک اورا مے سے توبہ! حیرت ہے
کیا دلِ بادہ خوار میں گزری

(۳۲۶)

جو آستیں کو دھوئے نہ خنجر چھپا سکے
خونِ شہیدِ ناز کو وہ کیا دبا سکے

ہم روزِ وصل آپ میں ہرگز نہ آ سکے
کھوئے گئے کچھ ایسے کہ وہ بھی نہ پا سکے

جی بھر کے ہم کو پیرِ مغاں کیا پلا سکے
کوثر بھی ہو تو پیاس نہ اپنی بجھا سکے

فتنوں میں کوئی فتنہ ہے آشوبِ حشر بھی
جس کو خرامِ ناز نہ تیرا اٹھا سکے

---

۱ - 'اور' بر وزنِ فع - (مرتب)

دیکچی بندھی ادھر، ادھر آنکھوں پر آستیں
وہ سن سکے فسانۂ غم ، ہم سنا سکے

وعدے پر اپنے آئیں گے وہ میرے گھر ضرور
بزمِ خیالِ غیر میں بھی جو نہ جا سکے

اعجازِ عیسوی سے ہمیں کیا حصول ہے
جب مر گیا ہو دل تو کوئی کیا جِلا سکے

کہتا ہے نقش، صورتِ دیوار بزم میں
اس طرح بیٹھیے کہ نہ کوئی اٹھا سکے

کچھ نقشِ حب نہیں ہے کہ اے آتشِ فراق
دل کو کسی امید پہ کوئی جَلا سکے

ہیں اضطرابِ شوق کی ساری خرابیاں
آ جائے بس میں دل تو وہ قابو میں آ سکے

سب ضد پر انقلاب جہاں کے ہیں کاروبار
ہم خود مٹیں تو کیوں کہ زمانہ مٹا سکے

سالک یہ حوصلہ ہے تو کیا آرزو کریں
حسرت وہ کون سی ہے جو دل میں سما سکے

(۳۲۷)

کب ہے منظور کہ یوں جنسِ دلِ زار بکے
پر یہ وہ شے ہے نہ بیچو بھی تو سو بار بکے

لوحِ مرقد پہ یہ محمود کے لکھ دینا تھا
حسن وہ شے ہے کہ لیتے ہی خریدار بکے

سو ہی جاوے مرے طالع کے برابر آ کر
کیا ہو گر بختِ عدو بھی سرِ بازار بکے

ہوں خلش دوست ، دعا ہے کہ دوا کے بدلے
یارب اس عہد میں دردِ دلِ بیمار بکے
بک کے یوسف نے خریدا ہے وہ رتبہ کہ نہ پوچھ
یہ ہی بکنا ہے تو ہم مفت ہی سو بار بکے
پوششِ کعبہ سے کیا کم ہے ، اگر دل پر ہے
چاہیے میرے گریباں کا ہر اک تار بکے
دیکھ کر اشکِ مسلسل کو وہ آنسو بھر لائے
لاکھ موتی کے عوض دو دُرِ شہوار بکے
جب وہ غارت گرِ ایماں ہے تو حیرت کیا ہے
دَیر میں جبّہ بکے ، کعبے میں زنّار بکے
ہے شبِ وصلِ عدو اور زمانہ مہجور
کیوں نہ بستر کے لیے گل کی جگہ خار بکے
کہتے ہیں زلف میں رکھنے کو ہیں کچھ دل درکار
طالب اس چیز کے ہیں جو پسِ دیوار بکے
جامہ اے دستِ جنوں اور کہاں سے لاؤں
لے رکھوں مول اگر دامنِ کہسار بکے
اثرِ گرمیِ رفتار ہے یہ بھی میرا
کہ بیاباں میں بہت سوکھ کے اشجار بکے
تم ہو ساقی تو عجب کیا ہے کہ میخانے میں
عوضِ صنعتِ جم ساغرِ سرشار بکے
خوف ہے یہ دلِ بے تاب نہ بر میں آجائے
ہم نہ لیں مول جو وہ طرۂ طرار بکے
ایک بلبل رہے کس کس کی زلیخائی میں
ڈھیر پھولوں کا جب آ کر سرِ بازار بکے

بار عصیاں کو اٹھائے ہوئے پھرنا کب تک
مفت ہی ٹال دوں سالک جو یہ انبار بکے

(۳۲۸)

زباں زد ہے یہ قصہ ہر کسی کے
بہت چرچے ہیں میری بے کسی کے
وہ اندیشے کہ دل میں ہیں خودی کے
بنے ہیں آنکھ پر ، پردے دوئی کے
نہیں آرائش آئینے سے ممکن
وہ خود عاشق ہیں اپنی سادگی کے
میں شادیٔ مرگ ہوں شام شب وصل
رہے جی ہی میں سب ارمان جی کے
جو مل جائے کہیں عنقا تو پوچھو
پتے اس سے مری گم گشتگی کے
فرشتے ہی اٹھاتے بوجھ اس کا
نصیب اچھے جو ہوتے آدمی کے
رہے خرقِ فلک میں گفتگو کیا
فغاں نے ہوش کھوئے فلسفی کے
ملے کیا جامِ واژونِ فلک سے
کرے اس دور میں کیا کوئی جی کے
بڑے آزار پہنچائے فلک نے
لیے اچھی طرح بدلے کبھی کے
سنگھاتے ہیں وہ زلفِ مشک بو کو
نہ لوں سو ہوش بدلے اس غشی کے

تری کافر نگاہیں کہہ رہی ہیں
کہ اب ڈھنگ آ گئے عاشق کشی کے

مرے خط کے نہ اُٹھے حرف اُن سے
اُنھیں دعوے بجا ہیں نازکی کے

فغاں کا ضبط بھی ہے کچھ بڑی بات
کہ ہم مشتاق ہیں ذکرِ خفی کے

ہزاروں ٹھوکریں کھا کر یہ سمجھے
کہ اب تو پاؤں پڑ گئے عاشقی کے

زباں چلتی ہے، گو چلتے نہیں پاؤں
گلے اُس سے کروں بے طاقتی کے

ضعیف اس کو بنایا اور سالک
بنائے لاکھ دشمن آدمی کے

(۳۲۹)

روکے آفاتِ سماوی کو مری فریاد ہے
یاد رکھو میرے ہی دم سے جہاں آباد ہے

کیا ثبوتِ قتل پر اپنے شہادت ہے ضرور
آنکھ کی پُتلی میں اب تک صورتِ جلاد ہے

دیدۂ حق بیں میں ہیں کونین کے پست و بلند
باغ میں کیا حاجتِ سیرِ گل و شمشاد ہے

ہاتھ کانوں سے فرشتوں کے نہیں ہوتے جدا
اور ہم سمجھے ہوئے ہیں نارسا فریاد ہے

اُڑ کے مشتاقِ اسیری بھی پہنچتا ہے اُدھر
دام رکھے دوش پر جاتا جدھر صیّاد ہے

ڈھیر تک باقی نہیں اپنا مگر کہتے ہیں لوگ
یاں وہ مٹی ہے کہ اس کی راہ میں برباد ہے

جب سے رکھ لی ہے شبیہ یار اپنے سامنے
خواب گاہِ خسروِ پرویز[1] میں فرہاد ہے

کچھ تو پردہ رازِ دل کا قیس رکھنا چاہیے
چاک کرنا یوں گریباں کا ہمیں بھی یاد ہے

بے کسی میں جیتے جی آیا نہ کوئی پوچھنے
مر گئے جب ہم ، عزاداروں سے گھر آباد ہے

ہیں سرافیل[2] انتظارِ وقت ہی میں دم بہ خود
اس خموشی کا نتیجہ ایک دن فریاد ہے

اب جو فرطِ ضعف سے نالہ نہیں جاتا تو کیا
بارہا روندا ہوا چرخِ کہن بنیاد ہے

بھول کر دے دی مثال اس قد سے میں نے کیا کہیں
سدرہ[3] و طوبیٰ[4] سے اونچا آج کل شمشاد ہے

---

۱ - مؤلف شمس اللغات کا بیان ہے کہ ہرمز بن نوشیرواں کا نام پرویز ہے اور اس کو خسرو پرویز بھی کہتے ہیں اور اس کی محبوبہ کا نام ''شیریں'' (دیکھیے تفصیل شمس اللغات جلد اول صفحہ ۱۹۷ میں) - اصل متن میں ''خسرو و پرویز'' درست نہیں ہے - ''خسرو پرویز'' پڑھا جائے - (''کلیات سالک'' صفحہ ۱۹۵) - (مرتب)

۲ - ''سرافیل'' یعنی اسرافیل جو قیامت کے دن ''صور'' پھونکیں گے - فرشتۂ مقرب - (نوراللغات جلد اول صفحہ ۳۳۵)

۳ - ''سدرہ'' بیری کا درخت ، ''سدرۃالمنتہٰی'' ساتویں آسمان پر بیری کا درخت ، مقام جبرئیل (نوراللغات جلد ۳ صفحہ ۲۱۹)

۴ - ''طوبیٰ'' بہشت کا ایک درخت - (نوراللغات جلد ۳ صفحہ ۴۷۰)

گو کہ لاغر ھیں مگر دونوں میں آنا ہے محال
کلبۂ احزاں ھمارا ، دیدۂ حسّاد ہے

اڑ کے دو دو تیر سطحِ خاک پر گرتے ھیں ھم
تند بادِ آہ بھی ، طوفانِ قومِ عاد[1] ہے

ڈوب کر عشقِ حقیقی میں کھلی ھم پر یہ تہہ
ھر حباب اس بحر کا چرخِ کہن بنیاد ہے

خوب رو ھوتے چلے آئے ھیں بد خو ایک سے
اور پھر کہنے کو دنیا عالمِ ایجاد ہے

چھیڑ کر سالک کو چکر میں پڑا کیوں اے فلک
ھم نہ کہتے تھے کہ یہ خاکِ جہاں آباد[2] ہے

(۳۳۰)

عاشقانِ تفتہ دل کی برق اگر فریاد ہے
پیکرِ چرخِ ستم گر گنبدِ فولاد ہے

گڑ نہ جائے گا قدِ دلدار کو کیا دیکھ کر ؟
جس قدر اونچا زمینِ باغ سے شمشاد ہے

ضد قضا سے ھو گئی ہے اس نگاہِ ناز کی
دیکھنا ہے آج ھم کو بھی کہ کون استاد ہے

---

۱ - 'عاد' : ایک قوم کا نام ہے جس پر ھود پیغمبر کو ھدایت کے لیے خدا نے بھیجا اور اونٹنی کا معجزہ ظاھر کیا مگر انھوں نے نافرمانی کی اور ھلاک ھوئے ۔ (نوراللغات جلد ۳ صفحہ ۴۸۳)

۲ - 'جہان آباد' : پرانی دلی ۔ شاھجہاں کی آباد کردہ دلی سے پہلے کی بستی ۔ (مرتب)

کٹ چکی ہے ہجر کی شب ، رات کی نیت بہ خیر
کل تو ہم ہیں اور روز حشر ہے ، فریاد ہے

زلف کی آرائشوں میں اب پھنسا رہتا ہے وہ
ہو چلا ہے صیدِ اپنا جو مرا صیّاد ہے

اس کی تصویر اور یہ صورت ، خدا کی شان دیکھ
گو یہ خامہ ہے ، یہ کاغذ اور یہ بہزاد[1] ہے

چاہتے ہیں ہم کسی کا سایۂ دامانِ لطف
زندگی اپنی چراغِ رہ گزارِ باد ہے

ہوکے خوگر شدتِ غم میں مزا آنے لگا
نالہ ہم تاثیرِ شب بیداریِ زہّاد ہے

خوف رسوائی ہے شکووں سے تو ظالم آ کہیں
بھول جاتا ہوں ابھی جو رنجِ فرقت یاد ہے

شیونِ اہلِ عزا کو وہ مرے کیوں کر سنے
اس کے کانوں میں بھرا شورِ مبارک باد ہے

لوٹ جاتا ہے دل اپنا ، ان بتوں کی بات میں
سخت مشکل ہے کہ سست اس کعبے کی بنیاد ہے

---

۱ - 'بہزاد' : مؤلف غیاث‌اللغات بہ حوالہ سراج اللغات لکھتے ہیں کہ شاہ اسماعیل صفوی کے عہد میں ایک نقّاش گزرا ہے جو ید طولیٰ رکھتا تھا ۔ مؤلف فرہنگ عمید (صفحہ ۲۹۲) لکھتے ہیں : خوش نژاد ، اصیل ، نیکو تبار ، و نامِ شخص ۔ (غیاث اللغات مع چراغ ہدایت طبع لکھنؤ ۱۹۰۹ع صفحہ ۷۶) ۔

سر ہی سر پر عاشقوں کے چار سو[1] جائے نگاہ
ربعِ مسکوں[2] سے زیادہ وہ گلی آباد ہے

ہو سکے کوے بتانِ خوب‌رو کا کیا بیاں
یہ جگہ وہ ہے جو رشکِ خلّخ[3] و نوشاد[4] ہے

چھوٹنا قیدِ تعلق سے ہے دنیا میں محال
پا بہ گِل باغِ جہاں میں سروِ سا آزاد ہے

ایک سالک میں جنونِ عشق کے سب رنگ ہیں
یہ ہی وامق ہے ، یہی مجنوں ، یہی فرہاد ہے

---

۱ - ''کلیات سالک'' (صفحہ۱۹۶) میں 'چار سوئے' ہے - یاے مجہول زائد اور غلط ہے - (مرتب)

۲ - 'ربع مسکوں' : قطعات کرۂ زمین کہ محل سکونت بشر می باشد - (فرہنگ عمید ، صفحہ ۶۲۳) -

مذکر : چوتھائی حصہ دنیا کا جو آباد ہے ؛ بقیہ حصہ غیر آباد ہے - (نوراللغات جلد ۳ صفحہ ۵۲)

۳ - 'خلّخ' بر وزن 'فرخ': بہ قول مؤلف غیاث اللغات ترکستان کے ایک شہر کا نام ہے - (غیاث اللغات مع چراغ ہدایت ، طبع لکھنؤ ۱۹۰۹ع صفحہ ۱۶۲) -

۴ - 'نوشاد : بہ‌قول مؤلف غیاث اللغات ایک شہر کا نام ہے جہاں کے حسین مشہور ہیں - (غیاث‌اللغات صفحہ ۸۷۴)
لیکن مؤلف فرہنگ عمید کا بیان ہے کہ جس کی نئی شادی ہوئی ہو نوشاد بھی کہتے ہیں اور شہر اور بت خانے کے معنی میں بھی آیا ہے - (فرہنگ عمید صفحہ ۱۲۰۶)

(۳۳۱)

اس سے کچھ اور ہی ہنگامے کی صورت ہوگی
وہ بھی ہوگا تو قیامت ہی قیامت ہوگی

زندگی بھر نہ اُسے کوئی کدورت ہوگی
جس کے آئینۂ دل میں تری صورت ہوگی

جل گیا آتشِ غم سے دلِ بے تاب تو کل
آج سینے میں کھٹکتی کوئی حسرت ہوگی

شب کا وعدہ نہ کرو ، مجھ سے نہ تارے گنواؤ
گھر تمھارا ہے ، جب آؤگے ، عنایت ہوگی

غمِ پنہاں کا اثر بات سے کیوں کر مٹ جائے
شکر بھی ہم جو کریں گے تو شکایت ہوگی

غم نہیں بھید کہے دل کے اگر طفلِ سرشک
معتبر کیا کہیں لڑکوں کی شہادت ہوگی

اس قدر پھول نہ اک داغ پہ اے لالہ ! تو
روشن اک شمع سے کیا بزمِ محبت ہوگی

آشیاں منزلِ آفات میں باندھا اپنا
ظاہرا طائرِ مجنوں کو بھی وحشت ہوگی

حیرتِ آئنہ ہے کب متعدّی سالک
میں وہ حیراں ہوں جو دیکھے اُسے حیرت ہوگی

(۳۳۲)

رخصت وہ دیں اگر مجھے فریاد کے لیے
خود روئیں چرخ سے ستم ایجاد کے لیے
رکھتا ہے ہم سے موردِ آفات کو اسیر
سو آفتیں ہیں خانۂ صیّاد کے لیے
میں اور دل سے دشمنِ جاں کو رکھوں عزیز
پہلو میں رکھ لیا ہے تری یاد کے لیے
نو مشقِ عشق تھا ، مگر احباب جھوٹ کے
کیا کیا پہاڑ اٹھاتے ہیں فرہاد کے لیے
ترکِ تعلقات کے پابند کیوں رہیں
یہ ہی ہے قیدِ مردمِ آزاد کے لیے
صیّاد نے جو دیکھی مری آہِ شعلہ بار
پر باندھنے کو تار بھی فولاد کے لیے
جھوکا کوئی نسیم کا آئے جو باغ سے
تحفہ ہے طائرانِ قفس زاد کے لیے
تصویر کھینچنے سے تری ہاتھ کھینچ لے
اک کارنامہ یہ بھی ہو بہزاد کے لیے
اے دل بھلا چکے اس کو کہاں تک رلائے گا
دشمن کا چاہیے جگر اس یاد کے لیے
کیا اس نگاہِ قہر کی میں تاب لاسکوں
اک صاعقہ ہے عالمِ ایجاد کے لیے
وعدے پر اپنے آج بھی ظالم نہ آ ، نہ آ
حیلے بہت ہیں یاں دلِ ناشاد کے لیے

اک شغل ہے بناؤ انہیں ، ورنہ سادگی
مشّاطگی ہے حسنِ خداداد کے لیے
سالک خیال اُس انجمن جاں فروز کا
سینے میں داغ ہے دلِ ناشاد کے لیے

(۳۳۳)

موت آتی ہے الفت میں شفا ہوتے ہی ہوتے
بڑھتا ہے یہ آزار ، دوا ہوتے ہی ہوتے
مغرورِ تنعم نہ ہو غافل کہ یہ ڈر ہے
بندے سے نہ گھٹ جائے ، خدا ہوتے ہی ہوتے
ہم پر تو قیامت ہی گزر جائے گی ظالم
اس وعدۂ فردا کے وفا ہوتے ہی ہوتے
غم صبحِ شبِ وصل کا بڑھتا ہے تو بڑھ جائے
مر جائیں گے ہم تم سے جدا ہوتے ہی ہوتے
ہنستے نہ وہ مطلب کو مرے سن کے سرِ بزم
مانا تھا تو ظاہر میں خفا ہوتے ہی ہوتے
کیا قاتلِ سفّاک ترا ہاتھ چھٹا ہے
وار آتے ہیں ، سو ہوش بجا ہوتے ہی ہوتے
کس کس کو ٹھکانے سے لگایا ہے فلک نے
مٹ جائیں گے ہم اُس کے فنا ہوتے ہی ہوتے
گر دیکھتے آئینہ کبھی میری نظر سے
بے چین وہ مجھ سے بھی سوا ہوتے ہی ہوتے
اٹھیں گے نہ سو فتنے بھی کیا اُس کی گلی سے
ہنگامۂ محشر کے بپا ہوتے ہی ہوتے

خو اُن کو ستم کی ہے تو کیوں ہم نے وفا کی
وہ غیر پہ سرگرمِ جفا ہوتے ہی ہوتے

تیری نگہِ ناز خدا جانے کرے کیا
ہنگامۂ محشر کے بپا ہوتے ہی ہوتے[1]

یہ نام پہ مرتے ہیں تم اک دن بھی گر آتے
قربان علی بیگ[2] فدا ہوتے ہی ہوتے

(۳۳۴)

مقتولِ بے گنہ سے نہ یوں ہاتھ اُٹھائیے
خنجر میں دم اگر ہے تو اور آزمائیے

یوں منہ بنا کے شکرِ ستم لب پہ لائیے
کچھ بھی نہ کہیے اور شکایت جتائیے

گر بھول جائے کوئی بلا میرے گھر کی راہ
فتنہ پکار کر یہ صدا دے کہ ، آئیے

آتے ہیں اس طرف وہ مگر غیر ساتھ ہے
کس طرح اُن کی راہ میں آنکھیں بچھائیے

---

۱ - اس سے پہلے بھی شعر نمبر ۹ میں یہی مصرع آیا ہے - مصرع اولی نے مفہوم۔ شعر بدل دیا ہے اس لیے سالک نے اس شعر کو بھی برقرار رکھا -(مرتب)

۲ - مقطع میں سالک تخلص کی جگہ پورا نام آیا ہے - غالب کی شاگردی سے پہلے سالک مومن سے اصلاح لیتے تھے اور 'قربان' تخلص کرتے تھے۔ شاید یہ غزل مومن کی حیات میں کہی گئی ہو اور 'ہنجار سالک' کی طباعت (۱۲۸۵ھ) کے وقت نظرانداز ہو گئی ہو اور بعد میں 'کلیات سالک' کی طباعت کے وقت (۱۲۹۷ھ) دست یاب ہو کر شامل کی گئی ہو۔ (مرتب)

کہتی ہے یاد اُس کے شبستانِ ناز کی
مجھ کو بھی دل میں داغِ تمنا بنائیے
دل سی عزیز شے ہے یہ اے سوزشِ فراق
کچھ نقشِ حب نہیں ہے کہ جس کو جلائیے
کیوں کر نہ اپنے ضعف سے خوش ہوں وہ کہتے ہیں
کچھ بھی دکھائی دے تو نظر سے گرائیے
ڈالا بگاڑ رشکِ خیالِ رقیب نے
کس طرح اُن کے دل میں گھر اپنا بنائیے
تم اور ہم کنار ہو ، اس لطف پر نثار
وہ پیرہن کہاں ہے کہ جس میں سمائیے
ہم تو رہے قسم کے بھی لائق نہ عشق میں
ایمان ہو عزیز تو سوگند کھائیے
پیری کی شام اور عدم کے سفر کا ڈر
سالک سمندِ عمر کی اب باگ[1] اُٹھائیے

(۳۳۵)

کھائیے یاں زخم پر سو زخم ، یاں یہ دل میں ہے
واں نزاکت تیغ کے بدلے کفِ قاتل میں ہے
یاں سے لے کر تا عدم کیا جانے کتنے ہیں مقام
جس کو دنیا کہتے ہیں کھٹکا اسی منزل میں ہے
حسن سے وابستہ ہے الفت ، مگر مجبور ہیں
غیر کو کیا دیں کہ ظالم تو ہمارے دل میں ہے

---

۱ - 'بھاگ' اصل متن میں غلط ہے - (مرتب)

درہمِ داغِ دل آخر لے گئے ہم زیرِ خاک
دولتِ قاروں[1] ہمارے ملک کے حاصل میں ہے

دیکھ لے اپنے سر انگشتِ حنا نابستہ میں
جو گرہ ظالم ہمارے مطلبِ مشکل میں ہے

دے کے خط کیا کیا تصور سے ہوئے ہیں شرمسار
ہم ترے کوچے میں ہیں اور نامہ بر منزل میں ہے

کب دیا ، کس کو دیا ، اپنی گرہ سے چرخ نے
ڈھیر دل کی حسرتوں کا دامنِ ساحل میں ہے

حسنِ حیرت خیز نے بے ہوش سب کو کر دیا
آج خلوت میں ہے گویا جو تری محفل میں ہے

جذبِ شوقِ قیس دیکھو ، ساربان کہنے لگا
بوجھ ناقے سے زیادہ آج کیوں محمل میں ہے

قتل کی لذت کو یا رب ! کیوں کہ ہو پائندگی
کیوں کہ رکھ لوں دل میں جو خنجر کفِ قاتل میں ہے

اُس طرف وہ ہیں تو چادر نور کی ہے اس طرف
پردۂ حائل بھی اُن کا پردۂ حائل میں ہے

پندِ ناصح اور اپنا عشق دونوں ایک ہیں
سچ تو ہے سہو و خطا انساں کی آب و گلِ میں ہے

---

۱ - بنی اسرائیل کے ایک مال دار شخص کا نام — جب حضرت موسیٰ نے حکم دیا کہ ہزار دینار پیچھے ایک دینار دیا کر، تو وہ اُن سے منحرف ہوگیا - بالآخر حضرت موسیٰ کی بددعا سے مع مال اسباب زمین میں دھنس گیا - (۲) مجازاً ہر ایک بخیل مالدار کو کہتے ہیں - (نوراللغات ، جلد سوم ، صفحہ ۶۰۸)

جذبِ دل اُس کی نگاہِ ناز کو سمجھا کہیں
رہ گیا کیوں تیر میرے سینۂ بسمل میں ہے
میں بیابانِ مرگ اور دشت طلب بے راہ بر
جو مری قسمت میں ہے وہ پھیر ہر منزل میں ہے
کچھ اذیت سے نہیں ، قاتل ! تڑپنا ، لوٹنا
اضطرابِ شوق اب تک بھی دلِ بسمل میں ہے
دہر میں چھوڑا نہیں تیری نگاہِ ناز نے
نام ہی جادو کا باقی رہ گیا بابل[1] میں ہے
دل کو کھو کر لگ گئی سالکؔ کچھ ایسی دل کو لو
قافیہ ساری غزل میں اب کے دل ہو ، دل میں ہے

(۳۳٦)

قتل دشمن کا گماں ہے رشک کیا کیا دل میں ہے
آج کیوں ٹوٹا ہؤا خنجر کفِ قاتل میں ہے
جان لیتا ہے تصور میں بھی اب اندوہِ رشک
غیر اس کے دل میں ہے اور وہ ہمارے دل میں ہے
ناخنِ دستِ جنوں کو ظاہر و باطن ہے ایک
چاک جو میرے گریباں میں ہے وہ ہی دل میں ہے

---

۱ - بابل : (ع ـ مذکر ، بہ کسر حرف سوم و بہ ضم حرف سوم دونوں طرح صحیح ہے لیکن ترجیح اول کو ہے) عراق کے شہر کا نام ـ محسن :

ہے دور میں جس کے سحر باطل
افسوں ہے اسیر چاہِ بابل

شہر بابل ایک زمانے میں سحر اور شراب خواری کی کثرت کی وجہ سے مشہور تھا ـ (نور اللغات جلد ۱ صفحہ ۴۸۹)

ابتدائے داغِ الفت تھی ، کسے معلوم تھا
ہم یہی اب تک سمجھتے تھے سویدا دل میں ہے

مل سکو تم شرم کے مارے نہ دشمن سے کبھی
ماجرا کہہ دوں سر محفل کچھ ایسا دل میں ہے

دیکھ کر پہلو ، ہدف کر ہم کو اے ناوک فگن
ہم جتائے دیتے ہیں تو بھی ہمارے دل میں ہے

یاں سے لے کر تا ارم خواہش ہماری ہے محیط
جو نہ دنیا میں سمایا وہ ہمارے دل میں ہے

اپنی حسرت جس طرح کی کوئی کرتا ہے بیاں
غور سے جب دیکھتا ہوں وہ بھی میرے دل میں ہے

آپ سالک وصل جاناں سے ہوں کیوں کر کامیاب
جو نوشتے میں نہیں ، اُس کی تمنا دل میں ہے

(۳۳۷)

انساں حقیقت اپنی اگر جانتا رہے
بے شبہہ راز دانِ حقیقت بنا رہے

جس کو تصورِ نگہِ فتنہ زا رہے
وہ عمر بھر نشانۂ تیرِ قضا رہے

وہ ذات ہے بسیط تو پھر کس لیے کوئی
مشکل کے وقت سوے فلک دیکھتا رہے

سو جان سے نثار ہیں ہم اُس کی موت پر
جینے میں جس کو موت کا کھٹکا لگا رہے

آنکھیں کھلیں تو آنکھ پر پردہ پڑا رہا
سمجھے ہم اس جہاں میں رہے بھی تو کیا رہے

دنیا میں آکے کیوں رہیں دنیا سے دور ہم
بندوں سے یوں ملیں گے خدا بھی ملا رہے

چہرے سے آپ اٹھائیں نہ یوں دفعۃً نقاب
بام فلک سے کوئی فرشتہ نہ آ رہے

اس کے خرامِ ناز کا پھر پوچھنا ہے کیا
جو بیٹھے بیٹھے فتنۂ محشر اٹھا رہے

کیوں کر نگاہِ رحم سے دیکھے کسی کو وہ
ہر دم جو شکل آئنے میں دیکھتا رہے

ذکرِ خرامِ یار سے حاصل نہیں مگر
آشوب خیز لب پہ کوئی ماجرا رہے

چنگاریاں نکلتی ہیں ہجراں میں دم کے ساتھ
یہ داغ وہ نہیں ہے کہ دل میں چھپا رہے

الفت میں نقد ہوش و خرد کھو چکے تمام
ہم اپنی عمر بھر کی کمائی لٹا رہے

آتی ہے ہر طرف سے تری بو دماغ میں
اب کس کو انتظارِ شمال و صبا رہے

پست و بلند آنکھ سے گزرے بہت ولے
ہم مبتلائے آفتِ ارض و سما رہے

سالک اسی خلوص پہ شکوے دعا کے ہیں
دل میں بتوں کی یاد ہو، لب پر خدا رہے

(۳۳۸)

دوست کے نامے میں دشمن کی بدی تحریر کی
جان سے بیزار تھا مرنے کی یوں تدبیر کی
جتنی آھیں لب سے نکلیں اس قدر مطلب نہ تھے
میں نے کیا اظہارِ دردِ ھجر میں تقریر کی
گزرے نادانستہ مجھ پر وہ قدم رکھتے ہوئے
لاغری نے بات کھوئی آہِ بے تاثیر کی
اس گلی میں آ گئے قاصد کو سمجھاتے ہوئے
مدّعا باقی تھا خط میں جا نہ تھی تحریر کی
موت کا کیا شکوہ ، آئی وہ تو اپنے وقت پر
ھے گلہ تم سے کہ تم نے آنے میں تاخیر کی
کوئی نالہ کر نہ بیٹھے دیکھ سالک کو نہ چھیڑ
شامت آ جائے گی ظالم مفت چرخِ پیر کی

(۳۳۹)

صحرائے محبت[1] میں جو گزرے وھی جانے
رکھیں جو قدم یاں تو قدم لوں میں خضر کے
کعبے کی طرف کرتے ھیں کیوں سجدہ مگر واں
آ کھڑے ہوئے پتھر ھیں لگائے ترے در کے
آباد رھیں دیر و حرم اپنی طرف سے
ھم تیری گلی میں نہ ادھر کے نہ اُدھر کے

---

۱ - یہ شعر 'کلیات سالک' (صفحہ ۲۰۳) میں نہیں ھے - 'ھنجار سالک' (صفحہ ۸۵) میں ھے - (مرتب)

جو اُس کی نگاہوں میں ادا ہوتے ہیں سالک
یہ حکم تو دیکھے نہ قضا کے نہ قدر کے

(۳۴۰)

وہ اور میرے گھر میں قدم رنجگی کریں
قاصد مگر یہ بات بنائی ہوئی سی ہے

قدرت خدا کی دیکھ کہ وہ مجھ کو یوں کہیں
یہ شکل تو کبھی نظر آئی ہوئی سی ہے

صیّاد اور بندِ قفس سے کرے رہا
جھوٹی خبر کسی کی اڑائی ہوئی سی ہے

کن حسرتوں سے سالک بے کس نے جان دی
اک بے کسی مزار پہ چھائی ہوئی سی ہے

(۳۴۱)

زخم کس کس کے خدا جانے نمک سے ہیں بھرے
ورنہ کیوں خالی نمک داں پاس قاتل نے دھرے

اس طرف ہوگا ترے دیوانے کا شاید گزار
کودکانِ شہر نے دامن میں کیوں پتھر بھرے

بار بزمِ ناز میں اُس کی کہاں سالک ہمیں
بیٹھے ہیں مدت سے ہم سر زانوے غم پر دھرے

(۳۴۲)

یاں نالہ و فریاد ، وہاں فکر ستم ہے
یہ رنجِ محبت ہے ادھر بھی ہے اُدھر بھی
کاٹا شبِ فرقت کو دعاؤں سے ولیکن
معلوم نہ تھا شام سے بدتر ہے سحر بھی

(۳۴۳)

کہتے ہیں آہ شعلہ فشاں عرش تک گئی
لو آج پردہ داریِ اہلِ فلک گئی
یہ نالہ ہائے زار مرے بے سبب نہیں
سالک مگر کسی سے طبیعت اٹک گئی

(۳۴۴)

زہر کھانا ہی پڑا ہجر میں تیرے آخر
ہم سمجھتے تھے کہ دن یوں ہی گزر جائیں گے
مدد اے گریہ کہ اس کوچے میں دریا بہہ جائے
آج سنتے ہیں کہ وہ غیر کے گھر جائیں گے
اثرِ نالۂ پُر شور تو سالک معلوم
ہاں جو وہ آتے بھی ہوویں گے تو ڈر جائیں گے

(۳۴۵)

میں اور عشق نکویان زشت‌خو ہے ہے
یہ کیا سلوک کیا دل ترا برا ہو جائے
قفس میں رہنے سے بھولا ہؤا ہوں میں پرواز
اڑاؤں طرز ، جو پہلے کوئی رہا ہو جائے
تجھے تو رونے کو سالک پڑی ہے ساری رات
ہمارے بیٹھے جو ہنس بول لے تو کیا ہو جائے

(۳۴۶)

اے شمع عبث شعلہ زبانی کے ہیں دعوے
دیکھی نہیں اب تک تو کوئی بات اثر کی
دنیا کی ہے تشویش تو عقبیٰ کا تردد
اس پر بھی تو سالک کی ہے ہر بات ہنر کی

(۳۴۷)

رنگ گل دیکھ لیں گے گر سچ ہے
کہ ترے کوچے سے صبا گزری
جائے افسوس ہے جہاں سالک
عمر افسوس میں بجا گزری

(۳۴۸)

وان جفا آتی ہے یاں شکرِ جفا آتا ہے
اپنے وہ لب ہی نہیں جن پہ گلا آتا ہے
نامہ بر پھر کے تو آیا ہے وہاں سے لیکن
جس طرح کوئی کسی جا سے لٹا آتا ہے
بات کرتے ہیں وہ گھڑیوں میں چبا کر سالک
وعدۂ وصل میں ان کو یہ مزا آتا ہے

(۳۴۹)

شش سوے کائنات وہ ہے جلوہ گر اگر
کیوں قید سجدہ جانب بیت الحرام ہے
وہ تیرہ‌روز ہوں کہ شب‌ہجر اک طرف
سالک مری سحر سے نمودار شام ہے

(۳۵۰)

بحر کیا ابر بھی نہ بر آوے
ضد پر اپنی جو چشم تر آوے
کوچہ اس بت کا ہے بہشت‌بریں
کس طرح پھر کے نامہ‌بر آوے
یاں بٹھاتا ہے گر یہ دیواریں
یار جب تک کہ میرے گھر آوے
عمر نالوں میں ہے کٹی سالک
تا کوئی نالہ با اثر آوے

(۳۵۱)

شغل اس قاتل کو ٹھہرا اب یہی دن رات ہے
قتل کرنا آدمی کا اک ذرا سی بات ہے

حضرتِ واعظ ، بجا ہیں حور کے سارے بیاں
تم نے بھی دیکھا کبھی اے قبلۂ حاجات ہے

تو بھی اک باقی رہی ہے اے اجل آ چک کہیں
کلبۂ احزانِ ہمارا موردِ آفات ہے

وادیٔ الفت بھی ہے سالک عجب ہُو کا مقام
ایک میں ہوں اور کوسوں تک خدا کی ذات ہے

(۳۵۲)

ہے غلط ، سر ہے تو سودا ہے کہ تیغ قاتل
سر کٹا پر نہ کٹی تجھ سے مصیبت اپنی

رشکِ دشمن ، ستمِ چرخ ، گوارا کیسے پر
تجھ سے نکلی نہ کسی ڈھنگ سے حسرت اپنی

سر دشمن کی قسم دیں تو نہ کاٹیں وہ سر
کیا کریں ہائے نہیں چاہتی غیرت اپنی

جاہ منندانِ جہاں پر ہو حسد کیوں سالک
درہمِ داغ کو ہم سمجھے ہیں دولت اپنی

(۳۵۳)

شب بلا ہے تو روز آفت ہے
زندگی ھجر میں قیامت ہے
تنگ دستی اگر نہ ھو سالک
تندرستی ھزار نعمت ہے

(۳۵۴)

دمِ کشتن بر آئی حسرتِ دیدار بسمل کی
کہ اب تک آنکھ کی پُتلی میں ہے تصویر قاتل کی
وہ مطلب پوچھتے ھیں آ پڑی ہے بات مشکل کی
یہ کافر ھوا گر بس میں تو کچھ حسرت کہوں دل کی
گیا دل، عمر گزری، پر خلش باقی ہے ویسی ھی
چھپی سینے میں شاید رہ گئیں کچھ حسرتیں دل کی

(۳۵۵)

ایک دم بھر بھی نہیں لگتی زباں نالو سے یاں
اور موت آنی ہے نالوں کو اثر کرتے ھوئے
چھوڑ دو یہ شیوۂ بیداد، ورنہ ایک روز
جائیں گے دنیا سے ھم، سب کو خبر کرتے ھوئے
دیکھیے ھوتا ہے شب گیرِ[۱] عدم کس دن نصیب
یوں تو سالک عمر ھی گزری سفر کرتے ھوئے

---

۱ - شب گیر - ۱. (بہ فتح شین و کسر گاف) سحر گاہ، ھنگام سحر، حرکت بعد از نیمۂ شب و ھنگام سحر از جاے بہ جاے دیگر۔
(فرھنگ عمید صفحہ ۷۶۳)

(۳۵٦)

شائقِ دیدارِ یار از بس ہمارا دیدہ ہے
دیدہ کہنے کو ہے لیکن واقعی نادیدہ ہے

سنتے ہو ہر روز تم افسانۂ فرہاد کیا
ماجرا میرا سنو یہ قصۂ نشنیدہ ہے

ایک عالم سے چھپائے رکھتے ہو کیوں آپ کو
یہ متاعِ حسن بھی گویا زرِ دزدیدہ ہے

غیر کے کہنے پہ کیوں در سے مجھے اٹھوا دیا
اب تری دیوار ہے اور[۱] یہ سرِ شوریدہ ہے

دے دیا دل اس ستم گر کو یہ تو نے کیا کیا
ہم سمجھتے تھے کہ سالک تو بہت فہمیدہ ہے

(۳۵۷)

عقل رہتی نہیں جس وقت قضا آتی ہے
ان سے کہتا ہوں کہ تم کو بھی جفا آتی ہے

کوچۂ قاتلِ سفاک سے جانا کیسا
قدم اٹھتا نہیں جب سر پہ قضا آتی ہے

پھر نہ کہنا کہ جتایا نہیں، دیکھو ہشیار
لب پر اب دل سے مرے آہِ رسا آتی ہے

کس جگہ بھیج کے ہوں طالبِ پیغام جواب
اپنے قاصد سے مجھے آپ حیا آتی ہے

---

۱ - 'اور' بر وزن فع - (مرتب)

آدمی کے لیے جو درد ہیں سب ہیں مجھ کو
چارہ گر ! کیا تجھے ایسے کی دوا آتی ہے؟

(۳۵۸)

ہماری ہرزہ گردی پوچھیے کوہ و بیاباں سے
ہماری دست کاری دیکھیے جیب و گریباں سے
بہائے عندلیبِ خستہ دل نے آنکھ سے دریا
خزاں میں خاک بھی حاصل نہیں ہوتی گلستاں سے
اُسے ہم بزمِ دشمن دیکھ کر جی جل گیا اپنا
کہ دودِ شمع کی مانند نکلا میں شبستاں سے
دلِ صدچاک میں افسوس اب کچھ بھی نہیں باقی
ٹپکتا ہے یہی مضمون جگر کاوئ مژگاں سے
عدو کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے اور کیا دیکھو
ترے نامے کا مضموں کھل گیا نامے کے عنواں سے

(۳۵۹)

آنکھ انتظار میں نہ لگی میری یا لگی
تیری تو آنکھ غیر سے اے بے وفا لگی
وہ سادہ ہوں کہ جس کی جفا سے ہوں جاں بہ لب
ہے آج تک اسی سے امید وفا لگی
زخمی تری نگہ کا ہے وہ درد آشنا
رکھتا نہیں ہے زخمِ جگر پر دوا لگی
یاں بھی جو وہ ستائے کسی بے گناہ کو
اے اہل حشر تم تو نہ کہنا خدا لگی

سالک یہ زہد اور یہ مے خانہ ، خیر ہے
تجھ کو بھی اس زمانے کی بار۔ے ہوا لگی

(۳۶۰)

ہم تو سمجھ چکے ہیں مصیبت میں جاں گئی
تو بھی ستم میں کیجو نہ اے آسماں گئی

خرقِ فلک محال ہے اے فلسفی اگر
پھر عرش تک کدھر سے ہماری فغاں گئی

نے گرد ہی اٹھی ، نہ کہیں نقشِ پا ملا
کیسی اڑی ہوئی مری عمرِ رواں گئی

آخر شراب پی ہی گئے اس کی بزم میں
سالک وہ پارسائیِ حضرت کہاں گئی

(۳۶۱)

رکھ حلق پہ ، شمشیر میں گو آب نہیں ہے
قاتل مجھے دم لینے کی اب تاب نہیں ہے

یہ بحرِ محبت ہے گزر اس سے ہے مشکل
ہر موج یہ کہتی ہے کہ پایاب نہیں ہے

صرفہ ہے اگر شربتِ دیدار میں تم کو
ملتا ہے بہت زہر تو ، کم یاب نہیں ہے

کیوں آنکھ پھڑکتی ہے ، سرشکوں میں ہےسرخی
کیوں کر کہوں خونِ دلِ بے تاب نہیں ہے

آ جاؤ اگر نعش پہ بھی تم تو دم آ جائے
وصل آپ کا ہے داروے سہراب[1] نہیں ہے
ڈوبے ہیں[2] مرے خوں میں نہ کھینچو مرے دل سے
تیروں میں لگا کچھ پر سرخاب نہیں ہے
عمر اپنی ترے ہجر میں ، اک طور پہ گزری
فصلیں[3] ہوں بہت جس میں یہ وہ باب[4] نہیں ہے

---

۱ - مولف غیاث‌اللغات کا بیان ہے :
سہراب رستم کے بیٹے کا نام جس نے میدان میں آ کر رستم سے مقابلہ کیا - ایک دوسرے کو نہیں جانتے تھے - آخر بڑی مشکل سے رستم نے اسے زیر کیا اور اپنا دشمن سمجھ کر خنجر مارا - اس کے بعد دونوں واقف ہوئے ، رستم پشیمان ہوا مگر بے نتیجہ ، سہراب مر گیا -
[ترجمہ‌غیاث‌اللغات (مع چراغ ہدایت)صفحہ ۲۳۷]-(مرتب)

۲ - ''ہے'' اصل متن میں ہے جو بے معنی ہے - تصحیح قیاسی کی گئی - (مرتب)

۳ - فصل - مانع و حاجز بین دو چیز ، قسمت یا قطعۂ مستقل از کتاب - [فرہنگ عمید صفحہ ۸۷۶]

۴ - ''باب'' [بقول مؤلف نوراللغات (صفحہ ۴۸۷ جلد ۱)] :
کتاب کا وہ حصہ جو تقسیم مضامین کے لحاظ سے علیحدہ ہو - مومن :
حسرتیں میرے نصیبوں میں لکھی ہیں کیا کیا
اتنے دفتر میں کہیں ''فصل'' نہیں ''باب'' نہیں
پہلے کتاب اپنے مضامین کے لحاظ سے چند ابواب پر مشتمل ہوتی تھی اور ہر باب میں چند فصلیں ہوتی تھیں - سالک کا شعر بھی اسی کی تائید کرتا ہے کہ میری عمر تیری جدائی میں ایک ہی طور پر گزر رہی ہے - عمر کے اس باب میں فصلیں نہیں ہیں - دیکھیے غیاث‌اللغات میں ابواب اور فصول - (مرتب)

جس دل میں نہ ہو آس لب مے گوں کا تصور
وہ جام ہے جس میں کہ زر ناب نہیں ہے

باقی نہ رہا نام کو بھی خواب ، شب ہجر
یعنی مرے بستر پہ کہیں خواب نہیں ہے

جب بن گئے اغیار کے وہ دوست تو سالک
مرنے کو مرے حاجت اسباب نہیں ہے

(۳۶۲)

یاد رکھو اعتبار چارہ گر جانے کو ہے
مجھ سے کہتا ہے کہ اب داغ جگر جانے کو ہے

وصل کی شب بخت میں آتی چلی پھر تیرگی
صبح ہونے کو ہے وہ رشک قمر جانے کو ہے

فاتحہ کو آئے گا وہ شہسوار ناز کیا
بس وہ میری خاک ہی برباد کر جانے کو ہے

لے چکا ہے دل کو میرے ہوشیار اے اہل بزم
تہمت دزدی کسی پر اب وہ دھر جانے کو ہے

چرخ سے برسیں گے انگارے بھی کچھ فتنوں کے ساتھ
لا مکاں تک آج آہ بے اثر جانے کو ہے

وہ دھندلکے میں سر بام آ گئے ہیں بے نقاب
پنجۂ خور تا گریبان سحر جانے کو ہے

میرے خوں سے آستین و تیغ اب تک سرخ ہیں
دیکھ رکھو سب کہ وہ قاتل مکر جانے کو ہے

آتش دوزخ سے اے واعظ ڈراتا ہے کسے
ساتھ ہی اپنے اگر دامان تر جانے کو ہے

اب فرشتے بھی ہوئے بھرے تمھارے جور سے
اب زمیں سے اٹھ کے شورِ الحذر جانے کو ہے
وہ سوادِ کوچۂ قاتل نظر آنے لگا
چھپ کے مجھ سے ایک جانب راہبر جانے کو ہے
مجھ سے پوچھو جنبشِ مژگاں کہ نشتر کی طرح
سینے میں گڑنے کو ہے، دل میں اتر جانے کو ہے
اے اجل! آ چک شبِ فرقت کہاں تک انتظار
ورنہ تیری آرزو بھی آج مر جانے کو ہے
چشمِ تر دیتی ہے زنداں میں رہائی کی نوید
گریے کی رو توڑ کر دیوار و در جانے کو ہے
ہم سے بھی مل کر گیا روتا ہوا سالک ابھی
کیا ارادہ ہے خدا جانے کدھر جانے کو ہے

(۳۶۳)

ازل سے ہم دلِ شاہد پرست کیا لائے
کہ جس طرف کو گئے اک بلا لگا لائے
ہزار بار گئے ہم پر آرزو ہی رہی
کبھی نہ تم سے سنا یہ کہ پھر خدا لائے
کہاں رکھیں گے مجھے اب کہ بہرِ تسکیں یار
تمھاری انجمنِ ناز کو دکھا لائے
اسی کو زیب ہے دعوائے ضبطِ شورِ فغاں
خیال میں جو تری چشمِ سرمہ سا لائے
شکایت ان سے کوئی کیا کرے نہ آنے کی
کبھی جو آئے تو فقرہ نیا بنا لائے

فلک سے بیٹھے بٹھائے عبث نکالی چھیڑ
یہ نالے اور بھی سر پر مرے بلا لائے

(۳۶۴)

نالے ہزار کیجیے یا آہ کیجیے
دشوار ہے کہ دل میں ترے راہ کیجیے

جھپکے نگاہِ انجمِ سیّارہ شرم سے
یوں اُس کے ساتھ سیرِ شبِ ماہ کیجیے

کچھ کچھ نکل چلا ہے یہ قابو سے عشق میں
اب سے ہی چارۂ دلِ گم راہ کیجیے

(۳۶۵)

غلط کی راہ گھر سے ڈھونڈھنے کو جب کہ ہم نکلے
چلے تھے اُس گلی کو جانبِ ملکِ عدم نکلے

یہ گھیرا رشک نے جاتے ہی اُس کوچے سے ہم نکلے
زمیں پر ہم سے پہلے کے بہت نقشِ قدم نکلے

جو ہم سے رندِ مفلس کو کبھی قسمت سے مل جائے
تو بِکنے کے لیے دو روز ہی میں جامِ جم نکلے

دلِ آشفتہ گر یادِ بتاں میں خون ہو جائے
تو ہر قطرے سے آوازِ ”انا بیت الصنم“ نکلے

مٹا کر رونقیں دنیا کی وہ کوچہ بنایا ہے
اگر کھو دیں تو ہر گوشے میں یاں باغِ ارم نکلے

شکایت کس زباں سے ہو سکے اُس زلفِ پیچاں کی
بڑے اپنے مقدر ہی میں لاکھوں پیچ و خم نکلے
کہو الزام دیں کیا کہہ کے اُن کو ہم نے دیکھا کیا
ادھر دشمن نے محفل میں قدم رکھا کہ ہم نکلے
مرے سینے سے اُن کا ناوکِ دل دوز کہتا ہے
جگہ باقی نہیں ہے پھر بھی روزن تجھ میں کم نکلے
جہاں بیں ہے ہر اک ساغر ہمارا پھر عجب کیا ہے
کہ اپنے مے کدے کے ٹھیکروں میں جامِ جم نکلے
مری تر دامنی سالک کہو محسوب کیوں کر ہو
زبانِ حضرتِ واعظ سے جب جفّ القلم نکلے

(۳۶۶)

کس ستم گار سے دعوائے وفا کرتا ہے
دیکھ تو اے دلِ ناداں کہ یہ کیا کرتا ہے
وصلِ جاناں بھی دیا غیر کو اس دولت پر
سچ ہے بھرتے ہی کو اللہ بھرا کرتا ہے
رحم کیسا صفتِ حسن ہے ضمناً سنیے
مجھ سے پھروں وہ مرا حال سنا کرتا ہے
نزع میں ہوں، مری ہوتی نہیں مشکل آساں
حال یہ ہے وہ ستم گر بھی دعا کرتا ہے
مجھ کو آزارِ محبت ہے ذرا ہوش میں آ
چارہ گر! کوئی بھی مُردوں کی دوا کرتا ہے
قتل سالک کو کیا، جرمِ وفا پر افسوس
ان سے پوچھو تو سہی یوں بھی ہوا کرتا ہے؟

متفرق اشعار

متفرق[1] اشعار

منتظر کس کے بیٹھے ہو سالک
وہ تو دشمن کے گھر گئے کب کے

عیاں کیا تھا جنوں کچھ تو چاکِ داماں نے
ڈھکا رکھا کوئی پردہ نہ اب گریباں نے

صبح سے ہو آج سالک کیوں اداس
خواب میں کیا اُس کی صورت دیکھ لی

کیوں دب گئی شمیم ، ریاحینِ باغ کی
شاید کہ آج پھوٹی ہے بو دل کے داغ کی

زندگی اپنی بسر ہوگئی تنکے چنتے
دشتِ وحشت ، صفتِ کاہ ربا رکھتا ہے

تار اب باقی گریباں میں نہیں ہے کیا کروں
جب پھٹا دامن تو کہتا تھا گریباں ہی سہی

---

۱ - یہ دس متفرق اشعار وہ ہیں جو غزلوں کے درمیان سالک نے یا مرتّب کلیات نے چھوڑ دیے تھے - میں نے 'متفرق اشعار' کا عنوان قائم کرکے علاحدہ درج کر دیا - (مرتب)

اس نے جھوٹ اک وعدہ مجھ سے غیر کے آگے کیا
لاکھ قسمیں کھائیں رفعِ بدگمانی کے لیے

عشق کا داغ دیا کرتے ہیں کس کو سالک
یہ وہ دولت ہے کہ ہاتھ آئے تو دنیا بن جائے

سالک کی موت کی جو کسی نے کہی خبر
کہنے لگے کہ خوب ہوا اک بلا ٹلی

عقدے ہوئے نہ وا مری مشکل کے آپ سے
دنیا ملی ، نہ دین ملا ، مل کے آپ سے

اشعار متفرقات[1]

سوزش محبت سے جسم و جاں نے کیا پایا
آگ میں جلا دیکھا خاک میں ملا پایا

کہیں وہ ہی تو نہ تھا سالکِ آشفتہ مزاج
آج اک شخص کو بازار میں روتے دیکھا

---

۱ - 'اشعار متفرقات' کے عنوان سے کچھ شعر اور دس غزلیں مختلف ردیفوں کی کلیات سالک میں حصۂ غزلیات کے آخر میں درج ہیں - اشعار بجنسہ یہاں پیش کیے جا رہے ہیں اور غزلیں ہر ردیف کے مطابق حصۂ غزلیات میں شامل کر دی گئی ہیں - اس سے کلیات کی ترتیب تو بدل جاتی ہے مگر قارئین کو سہولت ہو جاتی ہے - (مرتب)

بتوں سے ملتے نہ جی پہ بنتی نہ زندگی کا مزا بگڑتا
وفا نہ کرتے تو حرج کیا تھا جفا نہ سہتے تو کیا بگڑتا
بنا کے باتیں بگاڑ ڈالا تمام مطلب کو آپ ہم نے
بنا کے کہتے نہ قصہ غم کا نہ وہ ستم گر سوا بگڑتا

جو ناتوانِ محبت ہو خاک اڑائے کیا
جنوں میں خاک اڑائے تو دب نہ جائے کیا

وہ دن گئے وہ وقت گیا وہ خلل گیا
اب کیوں ستم اٹھائیں زمانہ بدل گیا

تم کو حاصل کچھ نہیں آرائشِ پوشاک کا
پیرہن پر چھا رہا ہے نور جسمِ پاک کا

شبہہ کیوں دل پہ ہے سویدا کا
یہ بھی اک داغ ہے تمنا کا

دل رشک سے شریک نہ اپنا بنائے گا
لطفِ وصالِ یار زباں تک نہ آئے گا

شاید شبِ فراق گزرنی محال ہو
وعدہ اگر سنا نہ ہو روزِ حساب کا

رباعيات

رباعیات

(۱)

جو عقل و خرد سے ھووے باھر اے دل
ھرگز نہ کسی کو آئے باور اے دل
تو مان لے اس کو بے دلیل و حجت
وہ ربِّ قدیر ھے مقرر اے دل

(۲)

میں خاک ھوں ، خاکسار ھوں ، تیرا ھوں
رحمت کا امیدوار ھوں ، تیرا ھوں
زاھد مجھے کیوں کرے ملامت یارب
مانا کہ گناہ گار ھوں ، تیرا ھوں

(۳)

ھوں طاعت و بندگی میں کتنا مجہول
فرمانِ خدا جس میں ھے نے حکمِ رسول
کس بات سے پھر نجات کی ھو امید
ھاں ھو تو یہ عجز ھو ھمارا مقبول

(۴)

طاعت میں ہو تیری کوئی دانا تو کیا
نادانیوں سے پھرے زمانا تو کیا
کیا تجھ کو ہمارے جاننے کی پروا
جانا تو کیا ، اگر نہ جانا تو کیا

(۵)

صدیق رض و عمر رض کا وصف سُن جا ہم سے
عثمان رض و علی رض کا پوچھ رتبا ہم سے
جو کوئی نہ مانے اُس سے کہہ دے سالک
مرنے پہ کھلے گا ، بحث اب کیا ہم سے

(٦)

آتا ہے سرِ امام نیزے پہ نظر
اونچا ہے کچھ اُس سے آفتابِ محشر
تعظیم ہے اس فرق کی سالک واجب
اب لشکرِ شام کے گرے گا سر پر

(۷)

رونے سے غمِ شہ میں مزا ملتا ہے
یعقوب سے کچھ رتبہ سوا ملتا ہے
واں آنکھ کُھلی، جمالِ یوسف دیکھا
یاں بند ہو [ں] آنکھیں تو خدا ملتا ہے

(۸)

دوزخ سے ڈرائے جو کہ ہووے عصیاں
کوثر پہ بٹھائے جس پہ نیکی کا گماں
یہ منکرِ قہر و رحم واعظ گویا
دوزخ کا ہے مالک اور ارم کا رضواں

(۹)

طالع ہیں بہت پست ہمارے سالک
ہم جائیں کہاں فلک کے مارے سالک
ہوگی تو یہیں سے ہوگی قسمت اونچی
آ پہنچے ہیں زیرِ قلعہ بارے سالک

(۱۰)

اس قلعے کا 'بالا قلعہ' مشہور ہے نام
اس اسم کی وجہ کھُل گئی مجھ پہ تمام
الور کے جو لوگوں کو کبھی ہو منظور
کر آئیں وہاں جا کے فرشتوں سے کلام

(۱۱)

در صفت ساگر محل الور

اس قصر کو رشکِ قصرِ قیصر کہیے
رفعت میں فلک سے اس کو بر تر کہیے

یہ کہیے نہ کہیے لیکن اس کو سالک
واللہ ارم ، کنارِ کوثر کہیے

(۱۲)

برسات میں کیا جشن گرہ کا آیا
بادل کی طرح سرور دل پر چھایا
پانے کے عوض خدا نے اب کے سالک
افلاک سے اس خوشی کا مینہ برسایا

(۱۳)

شدّاد نے جب ارم بنایا یا رب
ایسا تو نہ تھا کہ تجھ کو بھایا یا رب
کیا اس کو فروغ جنتوں میں ہوگا
دھلی کو نہ کیوں اٹھا منگایا یا رب

(۱۴)

ابنائے زمانہ پہ[۱] جو کی خوب نگاہ
احسان کبھی کریں تو سو کرکے گواہ
ہم سے بھی چھپا کے جو ہمیں دیتا ہے
سالک نہیں کوئی ایسا، لیکن اللہ

---

۱ - اصلِ متن میں بر ہے ، تصحیح قیاسی 'پہ' - (مرتب)

(۱۵)

باطن نہ ہو جس کا صاف خاک اچھا ہے
بس دیکھنے ہی کے کام کا ہے کیا ہے
آئینے کو دیکھ کس قدر ہے بے باک
جو دل میں ہے ، صاف منہ پہ کہہ دیتا ہے

(۱٦)

ملتا نہیں دل ، ملیں گر ابنائے زماں
ظاہر میں ہوں دوست اور دشمن پنہاں
یوں دیکھ غم کسی کا خوش ہوں ، جیسے
گریے پہ سحاب کے ہو بجلی خنداں

(۱۷)

الفت کو نہ مرگ کی نشانی کہیے
بخشندۂ رنجِ سخت جانی کہیے
مر کر بھی بتوں پہ مر نہیں سکتے ہم
اس مرگ کو عمرِ جاودانی کہیے

(۱۸)

دیتی نہیں مجھ کو میری گردش آرام
اپنا مجھے معلوم نہیں آپ مقام
کیا جانیے رات کس جگہ گزرے گی
شام اپنی مگر ہے راہِ گم گشتہ کی شام

(۱۹)

تھا کام بتانِ دل ربا سے اپنا
دم ناک میں آ گیا جفا سے اپنا
بندوں سے چھٹے ہیں مر کے لیکن ڈر ہے
اب آن پڑا کام خدا سے اپنا

(۲۰)

امید یہ ہے کہیں وہ مائل ہووے
میری ہی طرح فریفتہ دل ہووے
جو ہجر میں اُس کے مجھ پہ گزری سالک
لذت اُسے کچھ تو اس کی حاصل ہووے

(۲۱)

شب عیش سے کاٹ کر سحر کی توبہ
دن کے گنہوں سے شام کر لی توبہ
توبہ کا کھلا ہے در تو جاتی ہوگی
دن رات میں دو مرتبہ اپنی توبہ

(۲۲)

کہتے ہیں گھٹائے رنج و درد و غمِ، عمر
غم سے بھی نہ ہو سکی ہماری کم عمر
فرہاد نے کب پہاڑ کاٹا ہوگا
جس طور سے کاٹتے ہیں سالک ہم عمر

(۲۳)

ہے جی میں کہ ترکِ عشقِ خوباں کیجے
مشکل کو بہ احتیاط آساں کیجے
گر داغ کا شبہ ہو تو مرہم رکھیے
گر درد کا ہو گماں تو درماں کیجے

(۲۴)

اس جینے پہ ہم مرتے ہیں بے جا سالک
پوری نہ کوئی ہوگی تمنا سالک
آگے بھی یہی یاس نظر آتی ہے
زندہ رہے اب تک تو کیا کیا سالک

(۲۵)

اللہ سے ہیں اپنی دعائیں کیا کیا
اپنے ہی سے بد ُخو پہ ہو تو بھی شیدا
مقبول ہوئیں دعائیں ظالم لیکن
اب قدر ہوئی میری تو وہ تو نہ رہا

(۲۶)

نے رنج کوئی ، نہ درد ، نے غم ہوگا
جو عیش ہے مطلوب وہ ہر دم ہوگا
سچ ہے یہ بیانِ خلد سارا لیکن
دوزخ میں بھی شیخ ایک عالم ہوگا

(۲۷)

جان و جگر و دل کی تباہی کیوں ہے
چھائی ہوئی آنکھ میں سیاہی کیوں ہے
کس خانہ خراب سے ہؤا ہے خالی
گھر آج بھرا بھرا الٰہی کیوں ہے

(۲۸)

لطفِ شبِ وصل ہم نے جو کچھ پایا
بھولے نہیں اب تک ہے نظر میں چھایا
افسوس وہ بار بار کہنا اُس کا
اب دیکھیے کیا ہو، ہائے میں کیوں آیا

(۲۹)

فانی ہے جہاں تو جستجو پھر کیوں ہے
پھرنا یہ خراب کُو بہ کُو پھر کیوں ہے
دنیا کو کہا ہے پنج روزہ سالک
اے خانہ خراب! آرزو پھر کیوں ہے

(۳۰)

رونا مرے گریے کا تمھیں بے جا ہے
شکوہ مری فریاد کا کیا اچھا ہے
سچ تو یہ ہے جو کچھ میں کروں تھوڑا ہے
بیداد میں کیا تم نے اُٹھا رکھا ہے

(۳۱)

دیدارِ شہاب جنگِ عالی منزل
اس بخت و نصیب پر ہے پانا مشکل
دیتا ہوں دعائیں عید اضحٰی تجھ کو
مقدم سے ترے ہوئی یہ دولت حاصل

(۳۲)

یہ نقرہ کہ ظاہر میں جو ہے کم مقدار
گر سات خزانے ہوں کروں اس پہ نثار
یوں مجھ کو عزیز ہے کہ گویا سالک
پرویز کو مل گیا زردشت[1] افشار

(۳۳)

الفت کے مزے چکھا چکا تُو مجھ کو
آشوب نئے دکھا چکا تُو مجھ کو
اے دل کوئی لمحہ بھر تُو ہنس لینے دو
کم بخت بہت رلا چکا تُو مجھ کو

---

۱ - 'زردشت افشار' اصل متن (کلیات سالک صفحہ ۳۷۶) میں ہے - دشت غلط ، صحیح دست - 'زردست افشار' بقول مؤلف برہان قاطع 'طلائے دست افشار' - خسرو کے پاس ایسا سونا تھا جو موم کی مانند نرم ہوجاتا تھا اور اس سے جو صورت بنانا ہوتی وہ بن جاتی تھی - کاری گروں نے اسے اس حد تک نرم بنا دیا تھا - (برہان قاطع ، صفحہ ۱۹۲ ، مطبوعہ مطبع علوی لکھنؤ ، محرم ۱۲۷۳ھ)

(۳۴)

سالک نہ ہو آخر کو پشیماں باز آ
اچھی نہیں یہ الفتِ خوباں باز آ
دل جائے گا جان کے پڑیں گے لالے
کچھ اب بھی گیا نہیں ہے ناداں ، باز آ

(۳۵)

ہاتف کے جو احساں ہیں نہیں اُن کا شمار
شیدا کے کرم وہ ہیں کہ کیا ہوں اظہار
سب کام عنایت پہ ہیں سالک موقوف
پیدا ہیں کہاں وگرنہ ہم سے بیکار

(۳۶)

ناچار ہوں مجبور ہوں بے جاں ہوں میں
مدت سے تہِ مشقِ طبیباں ہوں میں
گو کہتے ہیں رات آج بھی بھاری ہے
آ چُک کہ ابھی قابلِ درماں ہوں میں

(۳۷)

رباعیات در وفاتِ برادر

رضواں سے جدا ہو کے جو نکلا گھر سے
آنسو نکل آئے مری چشمِ تر سے
اب چھٹ کے نہ مل سکیں گے باہم سالک
یہ بات ہویدا تھی دلِ مضطر سے

(۳۸)

دوری کے الم چار برس تک کھینچے
امید تھی دل کو کہ کبھی مل لیں گے
رضواں کو اجل آئی تو بولا یہ فلک
اب خاطرِ نومید کو تسکیں دیجے

(۳۹)

ماں باپ سے بھائی رشتے میں کم کیا ہے
پیدا ہوں نہ وہ دونوں نہ یہ پیدا ہے
طفلی و جوانی ان کے غم میں گزری
اب بھائی کے داغ اٹھانے کا حصّا ہے

(۴۰)

بچوں کی طرح تمھیں اٹھایا میں نے
قرآن مجید بھی پڑھایا میں نے
محنت کا ثمر آہ یہ پایا میں نے
مرنے کا تمھارے داغ کھایا میں نے

(۴۱)

کہتی ہے یہ جاں کہ اب لبوں پر آئی
آنکھوں سے یہ روشن ہے ، گئی بینائی
کیا جی کے ہے دیکھنا کہ جب مر جائے
اس طرح سے بھائی ، اور چھوٹا بھائی

(۴۲)

رضواں کی اجل سے دل پہ قابو نہ رہا
یہ یاس ہوئی کہ مدعا جو نہ رہا
مرنے کی دعا مانگنے بیٹھا ہوں مگر
کس طرح سے ہاتھ اٹھیں کہ بازو نہ رہا

(۴۳)

مجھ سے نہیں کچھ دریغ رکھا تم نے
حصہ بھی کبھی نہ مجھ سے چاہا تم نے
دینا تھا مجھے کفن بھی اپنے ہاتھوں
یہ بخل تو کچھ کیا نہ اچھا تم نے

(۴۴)

کیا دارِ فنا میں ہم نے آ کر دیکھا
آغاز سے انجام برابر دیکھا
ایّامِ طفولیت میں ماں سے چھوٹے
اب[1] پیر ہوئے داغِ برادر دیکھا

---

۱ - 'آپ' اصل متن میں غلط - (مرتب)

رباعیات تاریخی

(۴۵)

به تاریخ کدخدائی منشی محمد کرم اللہ خاں شیدا

سالک پۓ تسکینِ دلِ خانه خراب
بشتاب به بزمِ عقدِ شیدا بشتاب
پرسند چو اهلِ بزم سالِ ایں جشن
بنویس قرانِ آفتاب و مہتاب

۱۲۸۹ھ

(۴٦)

در تاریخ خطاب و ولادت فرزند صدر المہام علاقه متفرقات سرکار عالی

ممدوح نے میرے پایه اعلا پایا
اے دل یه نه پوچھ مجھ سے کیا کیا پایا
کھل جائے جو تاریخ لکھوں میں سرِ بزم
آقا[1] سے خطاب حق سے بیٹا[2] پایا

۱۲۸۹ = ۱۲۹۱ھ

---

۱ - اس مصرع کے اعداد ۱۳۸۹ ہوتے ہیں اور مصرع اوالی میں 'ب' کے ۲ عدد جمع کا اشارہ ہے ۔ اس طرح ۱۳۹۱ عدد ہوجاتے ہیں ۔ اصل متن (کلیات سالک صفحه ۲۹۰) میں ۱۲۸۹ عدد لکھے ہیں ۔ ایک سو منہا کرنے کے بعد تاریخ بر آمد ہوگی ۔ رباعی میں اس طرف اشارہ نہیں ہے ۔ مصرع ثالث میں'میں' آیا ہے ۔ اگر اس کے عدد منہا کردیں تو ۱۲۹۱ ہوجائیں گے ۔ سالک سے ایسی غلطی ہونے کا امکان نہیں ۔ بہر حال میں اس کی توضیح نہیں کر سکتا ۔ (مرتب)

(۴۷)

تاریخ[۱] وفات شرف الدین

اے چرخ روا نہ بود بیداد چنیں
یک بار نمودۂ دلم را غمگیں
دی روز بہ زیرِ نظرِ ما می گشت
امروز بہ خاک رفت شرف الدین

۶۲۱ + ۶۷۵ = ۱۲۹۶ھ

---

۱ - اصل متن (کلیات سالک، صفحہ ۳۰۲) میں 'قطعہ' ہے - تصحیح قیاسی کی گئی - (مرتب)

مثلثات ، مخمسات ، مسدسات
شہر آشوب ، واسوخت

مثلث

(بر غزل مرزا علی قلی میلی)

آں رفت کہ در کوے تو جاں می طلبیدم
آں رفت کہ وصلت بہ دعا می طلبیدم
وز ہجرِ تو دوری بہ‌خدا می‌طلبیدم

اب میں ہی نہ وہ ہوں نہ وہ میرا دلِ محزوں
آں رفت کہ در خیلِ غزالاں منِ مجنوں
چشم از ہمہ پوشیدہ ترا می‌طلبیدم

اب چھیڑتے کیوں ہو نہ رہا ضبط فغاں کا
آں رفت کہ افسردگیِ بوالہوساں را
از گرمیِ بازارِ جفا می‌طلبیدم

اب راز ترے سب نے سنے میری زبانی
آں رفت کہ از بہرِ سخن ہاے نہانی
در بزم بہ پہلوے تو جا می‌طلبیدم

سالک کی طرح دل سے مٹا اپنے بھی سودا
آں رفت بہ پیشِ تو چو میلی دلِ خود را
در سلسلۂ زلفِ دوتا می‌طلبیدم

مخمس

(بر غزل حافظ[1] شیراز علیه الرحمة)

لازم آنست که از وقت نه غافل باشی
جهد کن جهد بہ‌عیش خود و عاجل باشی
تا بہ‌کے در غم و اندیشۂ باطل باشی
نوبہار است دراں کوش که خوش دل باشی
که بسے گل دمد از خاک و تو در گل باشی

یہ وہ دن ہیں کہ بجز عیش کسی کو نہیں ہوش
طبعِ انسان تو کیا ہے ، در و دیوار کو جوش
عندلیبانِ چمن کرتی ہیں ہر سمت خروش
من نہ گویم کہ کنوں باکہ نشین و چہ بنوش
کہ تو خود دانی اگر زیرک و عاقل باشی

جن کی خاطر میں ذرا سا بھی اگر ہے انصاف
میری گفتار کو ہرگز وہ سمجھتا نہیں لاف
تو سنے یا نہ سنے میں تو کہوں گا یہی صاف
نقدِ عمرت ببرد غصۂ دنیا بہ گزاف[2]
گر شب و روز دریں قصۂ مشکل باشی

---

۱ - حافظ - خواجہ حافظ شیرازی — انتقال او در سنہ اثنین و تسعین و ثمان مائة (۸۹۲ھ) واقع شد و در خاک مصلاے شیراز مدفون گشت ''خاک مصلی'' بہ کمی یک عدد تاریخ است -
(خزانۂ عامرہ ، صفحہ ۱۸۱ ، مطبع نول کشور کان پور ، ۱۸۷۱ع)

۲ - اصل متن (کلیات سالک ، ص ۳۰۶) میں بگراف - (مرتب)

فکرِ دنیا نے ترے ہوش اڑائے یک دست
ہست کو نیست سمجھتا ہے تو اور[1] نیست کو ہست
نہ رہی چشمِ بصیرت تجھے اے دہر پرست
در چمن ہر ورقے صورتِ حالِ دگر است
حیف باشد کہ ز کار ہمہ غافل باشی

مدتوں تیری طرح ہم نے بھی ڈھونڈھا درِ دوست
جس سے پوچھا یہ کہا اس نے کہ کیسا درِ دوست
عاقبت بیٹھ رہے جب کہ نہ پایا درِ دوست
گر راہ ست بر از بیم زما تا درِ دوست
رفتن آسان تو ار واقفِ منزل باشی

کوششیں حضرتِ سالک نے بھی کی ہیں بے حد
کسی تدبیر سے لیکن نہ بر آیا مقصد
نہ ملی قسمت و تقدیر سے ان کو تو مدد
حافظا گر مدد از بختِ بلندت باشد
صیدِ آں شاہدِ مطبوع شمائل باشی

---

۱ - 'اور' بر وزن فع - (مرتب)

مخمس

(بر غزل مرزا قلی 'میلی'[1])

کنم سپاسِ عیادت مرا طلاقت[2] نیست
به گفتگوے نہم گوش آں سماعت نیست
زمانِ نزع رسید است لطفِ صحبت نیست
کسے به دیدنِ من گومیا که منّت نیست
مرا به حالِ چنیں دیدن از مروت نیست

عنایتیں وہ تری کیا ہوئیں جو مجھ پر تھیں
عدو سے وصل کا وعدہ کیا ہے تو نے کہیں
یہ حال اور یہ رخصت کچھ اس کی شرم نہیں
کنوں[3] که جاں به لب آمد مرا دمے بنشیں
مرو که وقت چنیں رفتن از مروت نیست

---

۱ - 'میلی' : صاحبِ فکرِ بلند و طبع چالاک مرزا قلی متخلص به 'میلی' از اتراک که اصلش از ہرات است و در 'مشہد مقدس' نشو و نما یافته به حسنِ خلق و لطفِ کلام اتصاف داشت و از ولایت میل به ہندوستان نموده و با 'نورنگ خاں' بهخوبی بسر برد و قصائدِ لطیف در مدح او انشا کرد - آخر کار در مالوه سنه ثلث و ثمانین و تسعمائة (۹۸۳ھ) مائل سفرِ آخرت گشت - استخوانش 'به مشہدِ مقدس رسانیدند - صاحبِ دیوان است - ('نتائج الافکار' مولفه محمد قدرت الله گوپاموی ، مطبوعه مدراس ، طبع اول ، صفحه ۷۷۳)

۲ - اصل متن (کلیات سالک ، صفحه ۳۰۷) میں 'طلاقت' - (مرتب)

۳ - اصل متن (کلیات سالک ، صفحه ۳۰۷) میں 'کیوں که' - (مرتب)

بھرے ھیں دل میں خدا جانے مدّعا کیا کیا
بڑھا ھوا ھے بہت اشتیاق کہنے کا
اب اتفاق سے تُو آ گیا تو سُنتا جا
بغایتے ھوسِ گفتگوے ھست مرا
که تابِ خامشیم باوجودِ حیرت نیست

یہ رُعبِ حُسن کی تیرے ھے فتنہ گر خوبی
که بات دل کی نہ آئی زباں پہ میری کبھی
کہی نہ اور کسی سے تجھی سے کہنی تھی
ز بے وفائیِ خود گرچہ شرمسار نئی
هنوز با تو مرا جرأتِ شکایت نیست

ھوئی ھیں رشک کی سالک پر آفتیں بے حد
وہ جانتا ھے سب اس کے رموزِ نیک و بد
سوائے اس کے تماشے سے کس کو ھے مقصد
تو با رقیبی و میلی تغافلے دارد
تغافلے که کم از صد نگاهِ حسرت نیست

'مخمس'

(بر غزل جناب اوستادی نجم الدوله ، دبیرالملک ،
مرزا اسد اللہ خان 'غالب'[۱]، نظام جنگ)

میں کون ہوں جو یوں کہوں مجھ سے لباہ ہو
ہو جس پہ لطف اُس پہ کرم کی نگاہ ہو
ملیے اُسی سے آپ کا جو نیک خواہ ہو
تم جانو ، تم کو غیر سے گر رسم و راہ ہو
مجھ کو بھی پوچھتے رہو تو کیا گناہ ہو

کہتا نہیں ہے خوف سے کچھ کوئی آپ کے
ہر ماجرائے قتل مرا سب ہیں جانتے
کیا ہے جو دار و گیر سے دنیا میں بچ گئے
بچتے نہیں مواخذۂ روزِ حشر سے
قاتل اگر رقیب ہے تو تم گواہ ہو

ان بدگمانیوں کی نہ حد ہے نہ کچھ شمار
دیکھے کوئی انھیں یہ نہایت ہے ناگوار
اس رشک سے اٹھاؤں گا صدمہ ہزار بار
ابھرا ہؤا نقاب میں ہے اُن کی ایک تار
مرتا ہوں میں کہ یہ نہ کسی کی نگاہ ہو

باتیں جو کر رہے ہو یہ دور از قیاس ہیں
دعوے جو کر رہے ہو دلیلیں بھی پاس ہیں

---

۱ - ولادت ۸ - رجب ۱۲۱۲ھ (۲۷ دسمبر ۱۷۹۷ع) وفات ۲ - ذی‌قعدہ ۱۲۸۵ھ (۱۵ - فروری ۱۸۶۹ع) مدفن (مزار نظام‌الدین اولیا) دہلی ('مکاتیب غالب' مرتبۂ عرشی ، طبع ششم ، ۱۹۴۹ع ، صفحہ ۲۷)

کیا وہ کسی کے مرجعِ امید و یاس ہیں
کیا وہ بھی بے گنہ کُش و حق ناشناس ہیں
مانا کہ تم بشر نہیں ، خورشید ماہ ہو

دل ہی نہیں بجا تو پھر اب کیا جگہ کی قید
چُھوٹے بس آشنا تو پھر اب کیا جگہ کی قید
سب سے ہوا جدا تو پھر اب کیا جگہ کی قید
جب مے کدہ چُھٹا تو پھر اب کیا جگہ کی قید
مسجد ہو ، مدرسہ ہو ، کوئی خانقاہ ہو

تقریر زاہدوں کی سمجھتے ہیں کب درست
ہر اک جہاں کہنے لگا سن کے جب درست
اس اجتہاد پر نہ یقیں کیوں ہو اب درست
سنتے ہیں جو بہشت کی تعریف سب درست
لیکن خدا کرے وہ ترا جلوہ گاہ ہو

غرقابِ سطحِ خاک اگر ہو تو ڈر نہیں
گر جائے آسماں بھی تو اتنا خطر نہیں
حاجت کسی کی دیر میں سالک اگر نہیں
غالب بھی گر نہ ہو تو کچھ ایسا ضرر نہیں
دنیا ہو یا رب اور مرا بادشاہ ہو

ایضاً

طالع نہ مہر ہے نہ اذاں زیبِ گوش ہے
نے طائروں کو زمزمہ سنجی کا ہوش ہے

آغاز صبح کا ہے نہ پیدا خروش ہے
ظلمت کدے میں اپنے[1] شبِ غم کا جوش ہے
اک شمع ہے دلیلِ سحر سو خموش ہے

لکنت زباں میں، چہرہ پسینے سے آب آب
بندِ قبا کھلے ہوئے الٹا ہوا نقاب
بے باکیاں ہیں اتنی ہی جتنا تھا انقلاب
مے نے کیا ہے حسنِ خود آرا کو بے[2] حجاب
اے شوق! ہاں اجازتِ تسلیمِ ہوش ہے

آلاتِ مے کشی نہیں جو ہو غمِ شکست
نے محتسب کا ڈر کہ رہے فکرِ بندوبست
ہم ہر جگہ ہیں بے خطر و خوف مے پرست
دیدار بادہ حوصلہ ساقی نگاہ مست
بزمِ خیال مے کدۂ بے خروش ہے

سنتا ہے کون کس سے کہوں جا کے اپنا حال
کٹتے ہیں رنج و غم میں شب و روز ماہ و سال
کہیے تو کس طرح سے نہ ہو زندگی وبال
نے مژدۂ وصال نہ نظارۂ جمال
مدت ہوئی کہ آشتیِ چشم و گوش ہے

---

۱ دیوان غالب مرتبہ عرشی میں 'میرے' (صفحہ ۲۳۰) - (مرتب)
۲ - 'کوئی' اصل متن میں طباعت کی غلطی ہے - (مرتب)

ق

چلتے ہو وہ ہی راہ کہ جو کچھ بتائے دل
کرتے ہو وہ ہی کام کہ جس میں رضائے دل
آگاہ ہو کہ حرص و ہوس ہے بنائے دل
اے تازہ واردانِ بساطِ ہوائے دل
زنہار اگر تمھیں ہوسِ نا و نوش ہے

کیوں راہِ راست چھوڑ کے گم کردہ راہ ہو
سنبھلو ذرا ، نہ میری طرح سے تباہ ہو
پوچھو اگر تمھارا کوئی نیک خواہ ہو
دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو
میری سنو جو گوش نصیحت نیوش ہے

اک عمر تک نگاہ بد و نیک پر نہ کی
گویا تھی ایک چادرِ غفلت پڑی ہوئی
آخر کو ہوش آئے تو آیا نظر یہی
ساقی بہ جلوہ ، دشمنِ ایمان و آگہی
مطرب بہ نغمہ ، رہزنِ تمکین و ہوش ہے

رکھتا تھا دل کشی کا اثر گوشۂ بساط
تھا غیرتِ بہار مگر گوشۂ بساط

---

۱ - ناونوش : نائے و نوش - (ف) مرکب ہے نائے ، نے - نوش ، شراب سے - مذکر - نغمہ سننا اور شراب پینا - (نوراللغات جلد چہارم صفحہ ٦٣٦)

سمجھے ہوئے تھے باغِ نظر گوشۂ بساط
یا شب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشۂ بساط
دامانِ باغبان و کفِ گل فروش ہے

یک سو صلاے بادہ و یک سو نواے چنگ
وہ جلوہ ہاے دل کش و وہ نغمہ ہاے چنگ
دل میں ہوس شراب کی سر میں ہواے چنگ
لطفِ خرامِ ساقی و ذوقِ صداے چنگ
یہ جنتِ نگاہ ، وہ فردوسِ گوش ہے

کیا پوچھتے ہو ، لطف اٹھایا جو بزم میں
وہ رنگ تھا کہ بار نہ تھا غم کو بزم میں
ہے رات ہی کی بات کہ دیکھا وو[1] بزم میں
یا صبح دم جو دیکھیے آ کر تو بزم میں
نے وہ سرور[2] و سور، نہ جوش و خروش ہے

نے دورِ جام ہے نہ وہ ساقی ، نہ وہ خوشی
افسردہ اہلِ بزم ہیں ، بیزار زندگی

---

۱ - 'وو' در اصل 'وہ' ہے - قدما استعمال کرتے تھے - ''سالک'' نے قافیے کی پابندی کی ہے اسی لیے 'وو' استعمال کیا - ورنہ بہت پہلے متروک ہو چکا تھا - (مرتب)

۲ - اصل متن میں حرف عطف 'و' نہ تھا - دیوان غالب مرتّبہ عرشی میں ہے - تصحیح کی گئی (مرتب)

اب کس سے پوچھیے کہ ہوئی کیا یہ برہمی
داغِ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خموش ہے

تعریف اس غزل کی ہمارے مقال میں
گویا کہ آبِ خضر ہے جامِ سفال میں
سالک کبھی پھنسا[1] نہ ہو گر اپنے حال میں
آتے ہیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں
غالب صریرِ خامہ نوائے سروش ہے

مخمس

(برغزل جناب اوستادی حکیم محمد مومن خاں صاحب مومن[2])

آشوبِ رست خیز کا کس دم گماں نہیں
کس کے لبوں پہ الحذر و الاماں نہیں
کس کی زباں پہ نالۂ آتش فشاں نہیں
آہِ فلک فگن ترے غم سے کہاں نہیں
جو فتنہ خیز اب ہے زمیں آسماں نہیں

---

۱ - 'پھسا' : اصل متن میں ہے - سالک کے عہد میں زبانِ اردو کا املا بہت حد تک ترقی کر گیا تھا ، بغیر نون کے لکھنا تعجب خیز ہے - اس سے پہلے بھی 'پھسا' کلیات سالک میں اسی طرح ملتا ہے - شاید سہو کتابت ہو - درستی کر دی گئی ہے - (مرتب)

۲ - 'مومن' ولادت ۱۲۱۵ھ مطابق ۱۸۰۰ع - وفات ۲۴ رجب ۱۲۶۸ھ مطابق ۱۴ مئی ۱۸۵۲ع - بروز جمعہ)

ڈالی ہے ضبطِ نالہ و شور و فغان[1] کی خو
خوں شب کو روئے جس سے چھپا دن کو رنگ رو
کس سے کہوں خرابیِ افشائے راز کو
کہنا پڑا مجھے بے الزامِ پند گو
وہ ماجرا جو لائقِ شرح و بیاں نہیں

چاہوں کوئی امید تو حرماں مجھے ملے
مانگو دعائے وصل تو دن ھجر کا بڑھے
انجامِ نیک کی مجھے امید کیا رہے
ڈرتا ہوں آسمان سے بجلی نہ گر پڑے
صیّاد کی نگاہ سوئے آشیاں نہیں

عیّاریوں میں تو نہیں رکھتا کوئی مثال
کیوں کر فریب کا نہ ہو ہر بات میں خیال
بر آئے تجھ سے کامِ دل اپنا یہ ہے محال
اظہارِ دوستی کی خوشی کیا شبِ وصال
دشمن سے سن چکا ہوں کہ تو مہرباں نہیں

رہتے ہیں کس کے ہوش تمہیں دیکھ کر بجا
تم مجھ سے ہم کلام ہو یہ سب سے ہے سوا

---

۱ - 'مغاں' اصل متن میں ہے - 'فغاں' تصحیح قیاسی ہے - فغاں سے پہلے واو عاطفہ ہے - قیاساً 'شورِ فغاں' ہوگا اور کاتب کی فروگذاشت ہوگی- (مرتب)

کیا جانے میرے دل میں ہے کیا کچھ بھرا ہوا
پیشِ عدو سمجھ کے ذرا حال پوچھنا
قابو میں دل نہیں مرے بس میں زباں نہیں

کہتے نہیں تو کیا نہیں معلوم حالِ غیر
آ جاؤ یاں کبھی تو نہ جانے خیالِ غیر
تم ہی کہو کہ چاہتے ہو تم ملالِ غیر
اس کو بھی جانتا ہوں فریبِ وصالِ غیر
تم کو عبث یقیں ہے کہ میں بدگماں نہیں

مغموم، غم سے ہوں، نہ خوشی کا امیدوار
خواہش نہ وصل کی ہے نہ دوری سے بے قرار
سمجھا ہوا ہوں ہیچ زمانے کا کاروبار
اتنے سبک نظر میں ہیں اوضاعِ روزگار
دنیا کی حسرتیں مرے دل پر گراں نہیں

آفت اشارتوں، کو نگہ کو بلا کہوں
یہ لطف ظاہری نہیں قہرِ خدا کہوں
مجھ سے بھی پوچھ لے تو ابھی مدّعا کہوں
باتیں وہ تیری ہوش ربا ہیں کہ کیا کہوں
جو کوئی راز داں ہے مرا رازداں نہیں

بیٹھا نہ لاغری سے کبھی تھک کے عمر بھر
کب ضعف مجھ کو مانعِ رفتار تھا مگر

آواز پر نہ کان نہ دروازے پر نظر
نومیدیِ جواب ہے کیوں اتنے شوق پر
یہ کیا ہوا کہ میں پسِ قاصد رواں نہیں

اس رنجِ انتظار سے کب تک رہوں ملول
وہ وعدۂ وصال گئے یاں سے جا کے بھول
اب تو اجل بھی آئے تو دل سے مجھے قبول
بے صرفہ جاں کنی کا مری کچھ تو ہو حصول
محنت کسی کی آج تلک رائگاں نہیں

ہوتی خطا امیدِ وفا پر تمام عمر
سہتے جفا امیدِ وفا پر تمام عمر
مرتے سوا امیدِ وفا پر تمام عمر
کرتے وفا امیدِ وفا پر تمام عمر
پر کیا کریں کہ اُن کو سرِ امتحاں نہیں

بے فائدہ ہے شکوہ کسی کا جو میں کروں
بیزار بے قراریِ دل سے عبث رہوں
میں اپنی سیلِ اشک کو غمّاز کیوں کہوں
میں اپنی چشمِ شوق کو الزام خاک دوں
تیری نگاہِ شرم سے کیا کچھ عیاں نہیں

سلجھے کسی طرح ، یہ نہیں وہ معاملہ
تم بھی جو درمیاں ہو تو ہووے نہ فیصلہ

مدت سے ہم دگر ہے عداوت ، نہیں گلہ
فطری ہے پیرِ چرخ سے اپنا مقابلہ
طفلی سے مجھکو حسرتِ بختِ جواں نہیں

اعجازِ عیسوی ہے تری چال میں بھرا
میں کیا کہ مجھسے لاکھ کو اک دم میں دے جلا
پوچھی نہ زندگی میں مری بات بھی ذرا
میں جانتا ہوں نعش پر آنے کا مدّعا
آسودگی پسند تری شوخیاں نہیں

اے رہ روانِ بادیۂ جستجو سنو!
ہاں پھونک پھونک کر قدم اس راہ میں دھرو
گر لاکھ حشر ہوں تو یہ ہوتا نہیں فرو
گزرے میری قبر پہ غیروں کے ساتھ وو
فتنہ اٹھا ہے گردِ پسِ کارواں نہیں

ہیں لب پہ نالہائے پےِ ہم شبِ فراق
اشکوں کے بدلے آنکھوں میں ہے دم شبِ فراق
محشر کے روز سے نہیں کچھ کم شبِ فراق
لگ جائے شاید آنکھ کوئی دم شبِ فراق
ناصح ہی کو لے آؤ گر افسانہ خواں نہیں

امید تھی کہ چین ملے گا پسِ فنا
لیکن ملا نہ خاک بھی گو خاک میں ملا

افسوس قبر کیا کہ نشاں تک نہیں رہا
ہر ذرّہ میری خاک کا برباد ہو چکا
بس اے خرامِ ناز کہ تاب و تواں نہیں

کھل جائے رازِ دل مجھے یہ مٹ گیا ہے خوف
عاشق کھلا ہوا ہوں ترا کیا رہا ہے خوف
اس فرطِ ضعف سے مجھے یہ آ پڑا ہے خوف
نالے کے ساتھ دم کے نکل جانے کا ہے خوف
پر کیا کروں کہ طاقتِ ضبطِ فغاں نہیں

سالک سے سن چکا ہوں مجھے اعتماد ہے
تو بھی یقین جان اگر اعتقاد ہے
اب کیا ظہورِ حشر میں عرصہ زیاد ہے
اس بت کی ابتدائے جوانی مراد ہے
مومن کچھ اور فتنۂ آخر زماں نہیں

مخمس

(بر غزل شیخ ابراہیم ذوق المخاطب (بہ) خاقانی ہند)

کیوں پھنس گئے ہیں ہائے پشیمانیوں میں ہم
کیوں اس قدر سبک ہیں گراں جانیوں میں ہم
کس کا گلہ اسیر ہیں نادانیوں میں ہم
پابند جوں دخاں ہیں پریشانیوں میں ہم
یارب ہیں کس کی زلف کے زندانیوں میں ہم

---

۱ - 'ذوق' ولادت: ۱۲۰۳ھ (مطابق ۸۹-۱۷۸۸ع) وفات: ۱۴ صفر ۱۲۷۱ھ (مطابق ۸ اگست ۱۸۵۵ع) بروز آخری چہار شنبہ - (مرتب)

پھر آ گئی بہار ، گلستاں کو ہو نوید
پھر زمزموں کی بلبلِ نالاں کو ہو نوید
پھر ہے گلے میں بوجھ گریباں کو ہو نوید
پاکوبیوں کو مژدہ ہو زنداں کو ہو نوید
پھر ہیں جنوں کی سلسلہ جنبانیوں میں ہم

اے رشکِ مہر ! ماہ کو نسبت ہے تجھ سے کیا
ہے وصف تیرے چہرے کا 'والشمس والضحیٰ'
قرآں کی قسم ہے یہ کہتے ہیں ہم بجا
ہو وہ عزیز سورۂ یوسف سے بھی سوا
رکھ دیں تری شبیہ جو کنعانیوں میں ہم

ہے کون سی جگہ دلِ اندوہ گیں پناہ
نے آسماں سے امن نہ دیوے زمیں پناہ
سچ ہے کہ خوں گرفتہ کو ملتی نہیں پناہ
پائی نہ تیغِ عشق سے ہم نے کہیں پناہ
قربِ حرم میں بھی ہیں تو قربانیوں میں ہم

آزار دیں کسی کو یہ ہم کو نہیں قبول
سمجھا ہوا ہے جی میں 'تو کیا اپنے بوالفضول
عظمت پر اپنی اس قدر اے آسماں نہ پھول
دوزخ بھی جائے نعرۂ "ھل من مزید" بھول
لائیں گر آہ کو شرر افشانیوں میں ہم

بیٹھے ہوے ہیں ضبط کیے جی کا مدعا
سینہ ہمارا ایک خزینہ ہے راز کا
ہے لب پر اپنے قفلِ خموشی لگا ہوا
مطلب سے اپنے کون ہے آگاہ جز خدا
جوں خطِّ سر نوشت ہیں پیشانیوں میں ہم

پیشِ نظر فنا ہے نہ امید ہے نہ بیم
کچھ بھی نہیں رہے گا بجز خالقِ کریم
کیفیتِ جہاں کہیں کیا تجھ سے اے ندیم
کیا جانیں ہم زمانے کو حادث ہے یا قدیم
کچھ ہو بلا سے اپنی کہ ہیں فانیوں میں ہم

کیوں مر گئے نہ ہم خلشِ اضطرار سے
کیوں جل گئے نہ ہم نفسِ شعلہ بار سے
کیوں چھٹ گئے نہ زندگیِ مستعار سے
کیوں جی کے ہجر میں ہوے شرمندہ یار سے
اب مر رہے ہیں اس کی پشیمانیوں میں ہم

مضمر ہیں ہم زبان میں تقریر کی طرح
پوشیدہ آہ و نالہ میں[1] تاثیر کی طرح
پنہاں ہیں صوت نغمہ میں تحریر کی طرح
زنجیر میں بھی نالۂ زنجیر کی طرح
جوشِ جنوں سے رہتے ہیں جولانیوں میں ہم

---

۱ - 'ہیں' اصل متن (کلیات سالک صفحہ ۳۱۶) میں - 'میں' تصحیح قیاسی -
(مرتب)

سینے میں ضبطِ نالہ و فریاد گر نہ ہو
غم سے گرفتہ خاطرِ ناشاد گر نہ ہو
خوفِ جفا و دہشتِ بیداد گر نہ ہو
بیمِ کدورتِ دلِ صیّاد گر نہ ہو
کیا کیا اُڑائیں خاک پر افشانیوں میں ہم

ہے لاغری میں حضرتِ سالک پہ ہم کو فوق
اک بوجھ ہے گلے میں گریباں بنا ہے طوق
طاقت نہیں کہ کیجیے درمانِ جوشِ شوق
جاسکتے ضعف سے نہیں کوچے میں اس کے ذوق[۱]
بہہ جائیں کاش! گریے کی طغیانیوں میں ہم

مخمس

(دربیانِ تبِ 'سونوخس' کہ تمامی اطرافِ ہند و عرب را مستولی شدہ بہ طرز ترجیع مصرعِ تاریخی و بیانِ واقعی تپ زدگاں)

شدّتِ تب سے زمانہ ہے تباہ
لاغری میں بن گئے ہیں مثلِ کاہ
دو قدم چلنا ہے سو منزل کی راہ
بعدِ صحت بھی ہے لب پر گاہ گاہ
جاں گزا بودہ تبِ سونوخس آہ

۱- گلزار داغ ، مطبع انوار محمدی لکھنؤ (صفحات ۲۹۴ تا ۲۹۶) میں داغ کا مخمس بھی دیکھیے - (مرتب)

تین دن آیا ہے جس کو یہ بخار
موت سے ہو ہو گیا ہے وہ دو چار
چین شب کو ہے نہ دن کو ہے قرار
کہہ رہا ہے سوچ کر انجامِ کار
جاں گزا بودہ تبِ سونوخس آہ

تین دن کے بعد اگر باقی رہا
پھر تو مدت کو بنا یہ بدبلا[1]
شدتیں یہ کیں کہ جاں کو آگیا
کیوں نہ ہر انساں پکارے برملا
جاں گزا بودہ تبِ سونوخس آہ

سرخ چہرہ ہے بدن پر ہیں ثبور[2]
درد سے اعضا ہیں سارے چُور چُور
خود پسینے کی ہے بد بو سے نفور
پاس والے کہہ کے بھاگے دور دور
جاں گزا بودہ تبِ سونوخس آہ

---

۱ - اصل متن (کلیات سالک صفحہ۳۱۷) میں 'بدلا' ہے - مصرع ساقط الوزن ہو جاتا ہے - 'بد بلا' تصحیح قیاسی ہے - (مرتب)

۲ - 'ثبور' - ۱ - (بہ ضمتین) ہلاک ازمنتخب و لطائف و در کنز ہلاک شدن دوا ہلاکا گفتن - (غیاث اللغات مع چراغ ہدایت صفحہ ۱۱۳ طبع لکھنؤ ۱۹۰۰ع)

۲ - (بالضم) زبان کشیدن و ہلاک کردن کسے را - (شمس اللغات ، جلد اول ، صفحہ ۲۳۴ مطبع فتح الکریم بمبئی ۱۳۰۹ھ)

ہے فسادِ خون سے جدری[1] کا خیال
ہے کنبی (؟) کا بھی کچھ کچھ احتمال
کثرت اوہام سے جینا محال
اکثروں کے لب پہ ہے یہ ہی مقال
جاں گزا بودہ تبِ سونوخس آہ

کوئی کہتا ہے دباؤ فرق و دوش
کوئی غش سے منہ لپیٹے ہے خموش
بند ہے گویا زباں اور[2] کر ہے گوش
اور آتا ہے تو یہ کہنے کا ہوش
جاں گزا بودہ تبِ سونوخس آہ

چارہ گر کے پاس گر رنجور جائے
بہرِ تسکیں تا کوئی تبرید لائے
حال یہ بے چارہ کہنے بھی نہ پائے
چارہ گر رو کر یہ پہلے کہہ سنائے
جاں گزا بودہ تبِ سولوخس آہ

---

۱ - جدری - (بہ ضم اول و سکون ثانی و رائے مہملہ و یائے معروف) نوع از آبلہ کہ بر اندام اطفال پدید آید ، بہ فارسی چیچک گویند ، از بحرالجواہر و منتخب و درصراح بہ ضم اول و فتح ثانی - و بہ فتحتین ہم آوردہ - (غیاث‌اللغات مع چراغ ہدایت صفحہ ۱۱۸ مطبوعہ لکھنؤ ۱۹۰۰ع - شمس‌اللغات جلد اول صفحہ ۲۴۴ مطبع فتح الکریم بمبئی ۱۳۰۹ھ)

۲ - 'اور' بر وزن فع - (مرتب) -

اتفاقاً گر طبیب اچھا ملا
اور نسخہ بھی کوئی اس نے دیا
پیتے ھی نسخے کے یہ عالم ھوا
شدتِ تپ سے یہی کہنا پڑا
جاں گزا بودہ تبِ سونوخس آہ

گر ضماداً[1] درد کی کچھ کی دوا
درد کی شدت سے سوجے[2] دست و پا
اور آئی جان پر تازہ بلا
جس نے پوچھا حال اس سے یہ کہا
جاں گزا بودہ تبِ سونوخس آہ

دست و پا پھولے پھر ایسے سوج کر
نے دعا ھے ، نے تلاشِ چارہ گر
کرب و بے تابی بڑھی ھے اس قدر
زندگی ھے آج ، کل سے تلخ تر
جاں گزا بودہ تبِ سونوخس آہ

---

۱ - ضماداً - از روے ضماد ، یعنی لیپ کی رو سے - ضماد کے متعلق مولف غیاث‌اللغات لکھتے ھیں : ضماد (بہ کسر اول) داروے کہ بہ آب یا بہ چیز رقیق دیگر سرشتہ بر اندامے پہن کنند و آں را بہ ھند 'لیپ' گویند - از منتخب و موید و کشف و بحرالجواھر -

(غیاث‌اللغات ، صفحہ ۲۶۸)

۲ - 'سوجھے' املا غلط ھے - (کلیات سالک صفحہ ۳۱۸) - (مرتب)

هنستے هنستے کوئی ناگه رو دیا
چلتے چلتے راہ میں کوئی گرا
اُٹھتے اُٹھتے کوئی بیٹھا رہ گیا
بات کرتے کرتے کوئی کهه اُٹھا
جاں گزا بوده تبِ سونوخس آه

موت کا آنا هے برحق ایک بار
بچ نہیں سکتا هے انساں زینہار
لیکن اس سے کم نہیں کچھ یه بخار
بلکه آتا هے اسی سے اعتبار
جاں گزا بوده تبِ سونوخس آه

ناتوانی کا جہاں میں زور هے
پیل تن بهی هے تو شکلِ مور هے
اک جہاں پابندِ فکرِ گور هے
جس طرف دیکهو اُدهر یه شور هے
جاں گزا بوده تبِ سونوخس آه

هند هی پر کچھ نہیں هے منحصر
یه بلا نازل هے روم و شام پر
اس نے گهیرا هے جہاں کو سر به سر
هر جگه سے آئے هے یه هی خبر
جاں گزا بوده تبِ سونوخس آه

تپ سے خلقت ہے گرفتارِ ملال
ضعف سے جنبش ہو لب کو کیا مجال
ہوش کس کو جو بتائے اس کا سال
کہہ رہا ہے سالکِ شوریدہ حال
جاں گزا بودہ تبِ سونوخس آہ
۵۴+۲۸+۱۷+۳۰۲+۷۸۲+۶=۱۲۸۹ھ

مسدس

(شہر آشوب — دہلی کی تباہی پر، ۱۸۵۷ع کی آزادی میں)

جہاں میں شہر ہیں جتنے جہاں جہاں آباد
بس اُن بلاد میں تھا منتخب جہاں آباد۱
خراب ہو کے نہ پوچھو ہوا کہاں آباد
مگر عدم کو کیا اُس سے گلستاں آباد
فلک نے کس سے کہوں کیوں مٹا دیا اس کو
ارم کا جوڑ سمجھ کر اُٹھا لیا اس کو

زمینِ پست یہاں کی تھی آسماں منظر
ہر ایک ذرہ یہاں کا تھا مہر کے ہمسر
یہاں کی خاک تھی اکسیر سے بھی کچھ بہتر
یہاں کے آب میں آبِ حیات کا تھا اثر
نسیمِ خلد سے بہتر سموم تھی یاں کی
یہ وہ چمن ہے کہ دنیا میں دھوم تھی یاں کی

---

۱ - دہلی (مرتب)

ہر اک مکان یہاں کا تھا اک مکانِ سرور
ہر ایک کوچہ یہاں کا تھا اک جہانِ سرور
ہر اک دکان یہاں کی تھی اک دکانِ سرور
غرض کہ شہر نہ تھا ، تھا یہ ایک کانِ سرور
جدھر کو دیکھیے آوازِ بربط و نے ہے
نہ جانتا تھا کوئی رنج و غم کو کیا شے ہے

یہ شہر کس لیے برباد ہو گیا یا رب
لگی کسی کی یہ کیا ایسی بد دعا یا رب
یہاں کے لوگوں سے کیا ہو گئی خطا یا رب
ہوئے ہیں کس لیے یہ موردِ جفا یا رب
غرض تھی غدر[1] سے ، ہوویں گناہ گار ثقات
وگرنہ ہوتے نہ ہرگز سزائے دار ثقات

---

۱ - انگریزی حکومت نے جنگ آزادی کو غدر سے موسوم کیا - غدر کے معنی بے وفائی کے ہیں ، حالانکہ انگریزی جبر اور استبداد کے خلاف یہ برصغیر پاک و ہند کی ہمہ گیر تحریک آزادی تھی - انگریزی حکومت نے اپنی بنیادیں مضبوط کرنے کے لیے اس کو فرقہ وارانہ رنگ دیا اور دہلی اور لکھنؤ کے فرماں رواؤں کو مسلم قرار دے کر ہندوؤں سے مواخذہ نہیں کیا - اس تحریک آزادی کی سزا مسلمانوں کو دی گئی - ان کی جائدادیں ضبط کر لی گئیں - بے شمار مسلمانوں کو دردناک عذاب دے کر شہید کیا گیا اور اس کے بعد سرکاری ملازمتوں کے دروازے مسلمانوں پر بند کر دیے گئے - مسلمان خوف زدہ تھے اس لیے ۱۸۵۷ع کے بعد وہ بھی اس جنگ آزادی کو غدر کہنے لگے - سالک ، مخبروں کے خوف سے الور میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے - ان کا قطعہ جو محمد حسین خاں کوکب کے نام ہے ، دیکھنے کے قابل ہے - اسی لیے سالک جنگ آزادی کو غدر کہنے پر مجبور تھا - (مرتب)

چلی تھی دہر میں گویا ہوا یہ چوبائی
کہ فوج[1] باغیہ چاروں طرف سے یاں آئی
تمام شہر کی خوب آکے خاک اڑوائی
یہ بادِ تند تھی خاشاک کی تمنائی
رہی نہ خاک بھی امن و اماں کی صورت آہ
کچھ اور ہوگئی سارے جہاں کی صورت آہ

یہ انقلاب ہے یا ہے قیامتِ صغریٰ
کوئی نہیں ہے کہ جس کے رہے ہوں ہوش بجا

---

۱ - فوج باغیہ ، سالک نے کمپنی کی اُن فوجوں کو کہا ہے جنھوں نے کمپنی کی حکومت مٹانے کے لیے جنگ آزادی میں حصہ لیا - سب سے پہلے میرٹھ میں مقیم فوج نے انگریزوں کے خلاف اعلان جنگ کیا اور یہ فوج بہادرشاہ ظفر، آخری مغلیہ بادشاہ کو دہلی کے تخت پر بٹھانے کے لیے دہلی آئی - بعد میں کمپنی کے مختلف اضلاع میں متعینہ فوج نے آزادی کا جھنڈا اٹھایا - قریبی فوجوں نے دہلی کا رخ کیا کہ بہادر شاہ کی حکومت کو مضبوط بنایا جائے- علما نے فتویٰ دیا کہ انگریزوں کی ملازمت حرام ہے اور انھیں بے دخل کیا جائے- انگریزوں نے والیان ریاست کی حمایت حاصل کر کے اور دوسرے وطن دشمن عناصر کو ملا کر دہلی کا محاصرہ کر لیا - ۲۰ ستمبر ۱۸۵۷ع کو دہلی کے قلعے پر قبضہ کرلیا - بہادر شاہ کو گرفتار کرکے مقدمہ چلایا اور سزائے جلائے وطنی دی گئی - دہلی کی نفیس اور شان دار عمارتیں گرا دی گئیں - مسجدیں شہید کی گئیں - سرسید کی آثار الصنادید میں اُن عمارات کی تصاویر ملتی ہیں جنھیں انگریزوں نے گرا دیا - سالک نے یہ شہر آشوب ۱۸۶۰ع کے بعد لکھا ہے اس لیے انگریزوں کی حمایت اور مجاهدین آزادی کی مذمت پر مجبور تھے - (مرتب)

ہوئی[1] ہے آدمی کی شکل شہر میں عنقا
بنا ہے ہُو کا مکاں بس ہر اک گلی کُوچا
ہوے ہیں لوگ یہاں کے کہاں کہاں آباد
ہر ایک گاؤں بنا ہے مگر جہاں آباد

کسی کے لب پہ ہے نالہ کسی کی چشم ہے تر
کسی کا چاک گریباں ہے اور[2] کوئی مضطر
کسی کا ہاتھ ہے دل پر کوئی ہے تھامے جگر
غرض کہ رنج سے خالی نہیں ہے کوئی بشر
بجائے زمزمہ ہر جاے شیونِ غم ہے
محلِّ عیش تھا یا اب سراے ماتم ہے

مکاں شکستہ ہیں مانندِ خاطرِ مایوس
اُجاڑ کوچے بسانِ دلِ الم مانوس
وہ شکل ہی نہ رہی ، شہر ہوگیا معکوس
ستم کیا فلکِ بدشعار نے افسوس
یہ وہ جگہ ہے جسے دیکھنے کو خلقت آئے
اور[3] اب جو دور سے دیکھے کوئی تو عبرت آئے

---

۱ - دہلی کے مسلمان باشندوں کو جبراً بے دخل کیا گیا تھا - ۱۸۵۹ع کے آخر میں مسلمانوں کو شہر میں بسنے کی اجازت دی گئی (مرتب)
۲،۳ - 'اور' بر وزن فع - (مرتب)

سمجھ کے[1] اپنا ٹھکانا گئے جہاں ہم لوگ
ذلیل یاں سے زیادہ ہوے وہاں ہم لوگ
بنے ہیں طائرِ گم گشتہ آشیاں ہم لوگ
پھرے ہیں امن کے طالب کہاں کہاں ہم لوگ
زمیں ہوگئی دشمن نہ پائی جاے ثبات
ٹھہر سکا نہ کسی جائے اپنا پاے ثبات

وہ لوگ کھائیے جن کے نشاط کی قسمیں
پڑے ہیں طالعِ ناسازگار کے بس میں
محل میں رہتے تھے یا اب پڑے ہیں محبس[2] میں
نہ تاب دل میں نہ طاقت ہے جانِ بےکس میں
جو تشنہ لب ہوں تو آبِ دمِ سناں موجود
جو گرسنہ ہوں تو کھانے کو گولیاں موجود

وہ جن کی طبع کہ آسودگی پہ مائل ہے
پیادہ کیوں کہ چلیں ناقہ ہے نہ محمل ہے
اٹھائیں ایک قدم بھی اگر تو مشکل ہے
قدم کہے کہ ٹھہر جاؤ، یہ ہی منزل ہے
سروں پہ بوجھ ہے گٹھری کا، لڑکھڑاتے ہیں
بس اپنے جی کی طرح بیٹھ بیٹھ جاتے ہیں

---

۱ - دیکھیے 'داستان غدر' از ظہیر دہلوی -
۲ - مفتی صدر الدین آزردہ دہلوی اور نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ جیسے سر برآوردہ اصحاب جیل میں تھے -

لکھوں میں پردہ نشینوں کا حال کیا ہے ہے
بیان مجھ سے ہو کیوں کر یہ ماجرا ہے ہے
نہ در سے نکلی ہو جن کی کبھی صدا ہے ہے
نکل کے گھر سے چلی ہیں پیادہ پا ہے ہے
کبھی جو غصے میں بھی جامے سے نہ باہر ہوں
غضب ہے یہ کہ وہ یوں بے ردا و چادر ہوں

ہجوم[۱] مسجدِ جامع کا کیا کروں اظہار
صفِ ملائکہ ہوتی جہاں نماز گزار
ہر ایک صف میں نہ رہتا مصلّیوں کا شمار
اب اُس کو دور سے بھی دیکھنا ہوا دشوار
نماز ہے، نہ اذاں ہے، نہ کوئی جاتا ہے
جب اس کو دیکھیے خالی، تو جی بھر آتا ہے

وہ اس کے گرد کے بازار اور وہ زینت
ہجومِ خلق سے ہر روز اک نئی صورت

---

۱ - مسجد جامع سکھ سپاہیوں سے خالی ہوئی تو اس پر تالا چڑھا دیا گیا۔ نہ نماز پڑھنے کی اجازت، نہ اندر گھسنے کی - یہ واقعہ بھی ایک انگریز دوست اہل قلم سے معلوم ہوتا ہے:

''شاہ جہاں کے بعد ہر بادشاہ کے زمانے میں مسجد عمدہ حالت میں رہی۔ غدر میں مسجد ضبط، نماز بند اور سرکاری پہرا چوکی قائم ہوگیا۔ کئی برس یہی حال رہا، خدا خدا کرکے ۲۷- نومبر ۱۸۷۲ع کو مسلمانوں کی استدعا پر گورنمنٹ نے مسجد کو واگذاشت کر دیا۔

که جس کے دیکھنے سے طبع کو ہو اک فرحت
یہاں سے جائے کسی میلے میں تو ہو نفرت
الٰہی کیا ہوے اجناس رنگ رنگ کے ڈھیر
پڑے ہوے ہیں گل و خشت و چوب و سنگ کے ڈھیر

درازا دستیِ دیہاتیانِ بد انجام
خدا دکھائے نہ صورت کبھی، سنائے نہ نام
کسی طرح سے سمجھ میں نہ آئے جن کا کلام
گریز پا جو نکل کر گئے لٹے وہ تمام
لٹا لباس تمام، آبرو بھی ہاں کھوئی
گرہ میں کچھ بھی نہ نکلا تو نقدِ جاں کھوئی

بچاؤ جان کے، اس جان کی محبت میں
گئے جو مضطربانہ کسی ریاست۲ میں

---

۱ - میواتیوں کا یہ زور و شور تھا کہ شہر کے باہر قدم رکھا اور لٹیروں نے مار لوٹا اور گنڈاسوں سے گرا دیا، (بہادر شاہ ظفر اور ان کا عہد - مولفہ رئیس احمد جعفری صفحہ ۱۰۱۰) اور جو کچھ پاس ہوا وہ چھین لیا حتیٰ کہ بدن کے کپڑے تک وہ مادر بہ خطا نہ چھوڑتے تھے - (داستان غدر، صفحہ ۱۱۸)

۲ - ظہیر دہلوی پہلے ریاست جھجر میں گئے، وہاں انگریزی فوج پہنچی تو پانی پت پہنچے - گاما مخبر دہلی سے آیا، گرفتاریاں ہونے لگیں تو ریاست رام پور گئے - وہاں بھی بیرونی لوگوں کا داخلہ بند تھا، آخر نواب یوسف علی خاں کے خاندانی آڑے آئے اور چار سال وہاں رہے -
(دیکھیے داستان غدر از ظہیر دہلوی) (مرتب)

تو گیرودار سے آئے وہاں بھی آفت میں
یہاں سے اور زیادہ پھنسے مصیبت میں
جو نقد کچھ ہے تو مخبر کے قرض دار بنے
وگرنہ بے گنہی میں گناہ گار بنے

یہ حال دیکھ کے سالک اُڑے جو میرے ہوش
بسانِ صورتِ دیوار ، رہ گیا خاموش
ہجومِ فکر سے خون دل میں مارتا تھا جوش
کہ اتنے میں تتقِ غیب سے بہ جوش و خروش
رسید مژدہ کہ ایام غم نہ خواہد ماند
چناں نہ مانند ، چنیں نیز ہم نہ خواہد ماند

واسوخت

کور وہ آنکھ جو مدّ نظرِ عشق نہیں
سنگ بہتر ہے جو دل میں اثرِ عشق نہیں
خاک وہ گھر ہے کہ جس میں گزرِ عشق نہیں
بارِ گردن ہے وہ سر جس میں سرِ عشق نہیں
سینہ کس کام کا جو داغ نہ کھائے اس کا
کیوں جگر کہیے جو صدمہ نہ اُٹھائے اس کا

گرنہ ہو عشق تو انساں کو فضیلت کیوں ہو
ایک مخلوقِ خدا یہ بھی ہے عظمت کیوں ہو

نظرِ حق نگرِ کثرت و وحدت کیوں ہو
اس قدر پیکرِ خاکی کی حقیقت کیوں ہو
معجزہ بن کے یہ انسان میں جب آتا ہے
نام انساں کا رسولوں میں گنا جاتا ہے

عشق انسان کو انسان بنا دیتا ہے
بلکہ کچھ رتبۂ نوعی سے بڑھا دیتا ہے
وہم میں جو کہ نہ ہو اس سے سوا دیتا ہے
جو نہ دیکھا ہو فرشتوں نے دکھا دیتا ہے
پوچھیے طور پہ جو حضرت موسیٰ دیکھ آئے
خواب میں بھی جو نہ دیکھا تھا وہ جلوہ دیکھ آئے

قیس اور[1] دشت نوردی میں فسانہ ہو جائے
نام یوں کوہ کنِ کوہ نشیں دہر میں پائے
قصۂ وامقِ[2] جاں باز زبانوں میں سمائے
سالکِ گوشہ گزیں اور یہ شہرت ہاتھ آئے
نامور دہر میں کرتا ہے یہ گم ناموں کو
کام کیا کیا نہیں دیتا ہے یہ ناکاموں کو

---

۱ - 'اور' بروزن فع - (مرتب)
۲ - 'وافق' اصل متن (کلیات سالک، صفحہ ۳۲۵) میں غلط 'وامق' تصحیح قیاسی ہے - (مرتب)

اس نے رکھی ہے خالات میں وہ آسانی
عقلِ فعّال بھی دیکھے تو رہے حیرانی
کرّۂ نار کو اک آن میں کر دے پانی
موجِ دریا میں دکھائے یہ شرر افشانی
ذرّے کو مہرِ جہاں تاب بنا دیتا ہے
قطرے میں لطمہ و گرداب دکھا دیتا ہے

یہ مجازی ہو تو دنیا میں رہے نام سدا
یہ حقیقی ہو تو آساں ہے خدا کا ملنا
خوبیاں اس کی بیاں اور کروں میں کیا کیا
الغرض اس سے ملے دونوں جہاں میں رتبا
یہ کوئی جرم نہیں ہے، کوئی تقصیر نہیں
گنہِ عشق مگر لائقِ تعزیز نہیں

اس میں جو میرا برا حال ہوا کس سے کہوں
صدمہ جو کچھ کہ مرے دل پہ رہا کس سے کہوں
غم جو دوری کا زمانے میں سہا کس سے کہوں
ہوش کہنے کے نہیں اب تو بجا کس سے کہوں
گو زباں کو مری طاقت نہیں کچھ کہنے کی
پر کروں کیا کہ نہیں تاب ہے چپ رہنے کی

---

۱ - 'کے' اصل متن (کلیات سالک، صفحہ ۳۲۶) میں بے معنی ہے۔ قافیہ 'سہا' اور 'بجا' ہے، اس صورت میں 'کے' کے مقابل فعل 'سہے' ہوتا۔ اور یہ بات واضح ہے کہ قافیہ ہوا، رہا، سہا، بجا، چاروں مصرعوں میں آیا ہے۔ اس لیے یہاں 'کے' غلط ہے۔ 'کا' تصحیح قیاسی ہے۔ (مرتب)

میں ہوں اور[1] بے کسی و گوشۂ تنہائی ہے
میں ہوں اور[2] ایک جہاں کی گلہ آرائی ہے
میں ہوں اور[3] ماتمِ تسکین و شکیبائی ہے
میں ہوں اور[4] نوحۂ آرام و توانائی ہے
زندہ در گور ہوں اک نزع کا عالم ہے مجھے
جرِّ اثقال سے بدتر کششِ دم ہے مجھے

ناتوانی نے کیا ہے مجھے یاں تک تو نزار
بسترِ غم سے جدائی نہیں ، شکلِ بیمار
اک قدم چلنے کی باقی نہیں تابِ رفتار
گو سبک سر ہوں ولے سر ہے مرے دوش پہ بار
پاؤں اٹھتا نہیں گو پاؤں میں زنجیر نہیں
سر کو جنبش نہیں ، گو طوق گلوگیر نہیں

اشک باری ہے کہ ہے یہ کوئی طوفاں یارب
گریہ ہے یا یہ کوئی بارشِ باراں یارب
کیا سمندر مری آنکھوں میں ہے پنہاں یارب
اشک تھمنے کا نہیں ہے کوئی ساماں یارب
کچھ نہ ترکیبِ عناصر میں خرابی ہو جائے
صرفِ گریہ نہ کہیں عنصرِ آبی ہو جائے

---

۱ تا ۴ - 'اور' بر وزن 'فع' - (مرتب)

حال یہ ہے کہ نہ جیتا ہوں نہ میں مرتا ہوں
دم نکلتا نہیں ، کچھ عمر کے دن بھرتا ہوں
ملک الموت کے آنے کی خوشی کرتا ہوں
موت سے ڈرتے ہیں سب زیست سے میں ڈرتا ہوں
جلد دنیا سے اٹھا لے کہیں یارب مجھ کو
ایسے جینے سے تو مرنا ہے بھلا اب مجھ کو

نقشِ ہستی کو زمانے سے مٹانا کب تک
حشر یوں نالوں سے ہر روز اٹھانا کب تک
لب پہ فریادِ جہاں سوز کا لانا کب تک
گریے سے غرق کیے جاؤں زمانا کب تک
در پۓ برہمیِ کون و مکاں ہونا کیا
سببِ رنجِ دلِ اہلِ جہاں ہونا کیا

آپ آشوبِ قیامت کا طلب گار ہوا
آپ اس رنج و مصیبت میں گرفتار ہوا
شکوہ کس کا ہے کہ خود در پۓ آزار ہوا
یعنی دل دے کے محبت میں گنہ گار ہوا
کچھ نہ سوجھا مجھے انجامِ محبت ہے ہے
پڑ گیا آنکھ پہ کیا پردۂ غفلت ہے ہے

عشق کرنا ہی نہ تھا اے بتِ کافر تجھ سے
دل پہ پتھر کوئی رکھ لوں تو ہے بہتر تجھ سے

کیا کہیں اور نہ تھے دہر میں دلبر تجھ سے
کس قدر ہائے پشیمان ہوں مل کر تجھ سے
دل کو کوسوں کہ ترے ملنے کی رغبت کیوں کی
آنکھ کو روؤں کہ نظّارے کی حسرت کیوں کی

کیا خبر تھی کہ بدل جائے گی عادت تیری
دیکھتا اب نہیں پہلی سی مروّت تیری
نہ وہ الفت ہی رہی اور[1] نہ محبت تیری
ہوگئی مائلِ بیداد طبیعت تیری
کیا ہوا مجھ سے کہ میں موردِ تقصیر ہوا
کون سا میرا گنہ لائقِ تعزیر ہوا

یاد آتا ہے کہ تھا وہ بھی زمانا ظالم
کہ نہ تھا یاں کے سوا کوئی ٹھکانا ظالم
دھوپ ہو مینہ ہو ولیکن تجھے آنا ظالم
کیسے ہی کام ہوں، پھر آکے نہ جانا ظالم
بسترِ ناز تھا اور[2] وصل کی وہ راتیں تھیں
دن کو بھی لطف کی انداز سے کچھ باتیں تھیں

کام تعظیم و تکلف سے نہ تھا تم کو ذرا
بے تکلف تھے کہ تھا سادہ مزاجی شیوا
بیٹھ جاتے تھے وہیں آ کے جہاں جی چاہا
تم سمجھتے تھے مرے گھر کو غرض گھر اپنا
کارخانوں سے زمانے کے خبر تم کو نہ تھی
میری ہر بات پہ اس طرح نظر تم کو نہ تھی

۱-۲ - 'اور' بر وزن فع - (مرتب)

آرزو مندِ ملاقات نہیں تھا کوئی
جلوۂ حسن کی رکھتا تھا نہ پروا کوئی
نظر آتا تھا سوا میرے نہ شیدا کوئی
چاہتے تم کہ ملے چاہنے والا کوئی
در پہ ہنگامۂ عشاق ہوا تھا کس دن
نالہ کانوں سے کوئی تم نے سنا تھا کس دن

چال تھی ، چال سے کب حشر نمودار ہوا
زلف تھی ، زلف میں کب کوئی گرفتار ہوا
رُخ تھا ، کب رُخ پہ کوئی پشت بہ دیوار ہوا
ناز تھا ، ناز سے جینا کسے دشوار ہوا
تھی یہ جان بخشیِ گفتار ہمارے ہی لیے
تھی تری گرمیِ بازار ہمارے ہی لیے

بند رہتے تھے مرے دل کی طرح روزنِ در
عکسِ رخسار نکلتا تھا نہ آن سے باہر
آتے جاتے پہ نہ پڑتی تھی کبھی اور نظر
یوں نہ چھپ چھپ کے چلے جاتے تھے ہر بار ادھر
صحن میں بھی نکلتے تھے تو شرمائے ہوے
یا چلے آتے ہو دروازے پہ گھبرائے ہوے

وہ ہی گھر ہے کہ جو اب غیرتِ گلزار بنا
وہ ہی کوچہ ہے جو اب مصر کا بازار بنا
آپ یوسف ہوے ہر شخص خریدار بنا
جلوہ سو طرح کا اک جلوۂ دیدار بنا

مجھ سے بگڑے تو بھلا ہوش سنبھالا تم نے
چار ہی دن میں یہ کچھ رنگ نکالا تم نے

غیر سے مل کے یہ انداز و ادا سیکھ گئے
شیوۂ رحم کو کھو کر یہ جفا سیکھ گئے
بارے شوخی عوضِ شرم و حیا سیکھ گئے
جو نہ آتا تھا تمھیں نامِ خدا سیکھ گئے
اک نظر دیکھتے ہو مجھ کو تو سو ناز کے ساتھ
چال چلتے ہو دکھانے کو تو انداز کے ساتھ

آئنہ دیکھنے کی تم کو یہ تھی خو کس دن
مِسی کے خال تھے زیبِ رُخِ نیکو کس دن
دام تزویر تھے یوں حلقۂ گیسو کس دن
غازے کی جسم سے آتی تھی مگر بو کس دن
شرم آلودہ نگاہوں میں یہ جادو کب تھا
بے حجابانہ یہ نظارۂ ہر سُو کب تھا

پڑ گیا ہے تمھیں کیا بد نظری کا یہ خیال
سرِ دیوار چلے جاتے ہو کیوں وقتِ زوال
تابشِ مہر سے دل پر نہ کدورت نہ ملال
رنگِ رخسار تو دیکھو کہ ہوا دھوپ میں لال
آئنہ لے کے سرِ بام یہ جانا کیا ہے
عکسِ آئینہ سے دشمن کو جتانا کیا ہے

غسل کا اب تو ہے ہر روز بہانا تم کو
کچھ سبب ہو کہ نہ ہو، روز نہانا تم کو
دھوپ کا حیلہ مگر بام پہ آنا تم کو
خوب آتا ہے یہ بالوں کا سکھانا تم کو۔

جلوۂ حسن ہے ہر طور دکھانا منظور
سامنے غیر کے ہر وجہ سے جانا منظور

جلوہ کس کس کو دکھاتے ہو، جلاتے ہو مجھے
غیر سے رسم بڑھاتے ہو، گھٹاتے ہو مجھے
لطف ظاہر نہیں کرتے ہو، ستاتے ہو مجھے
دل میں کچھ بگڑے ہوئے ہو کہ بناتے ہو مجھے

خوش رہو دشمنِ بدکیش کے گر یار ہو تم
تم سے بیزار ہوں میں، مجھ سے جو بیزار ہو تم

کان رکھتے ہو نہیں عقل سے بہرا تم کو
نہ پشیمان کرے غیر کا اغوا تم کو
دیکھو ہم سا کوئی عاشق نہ ملے گا تم کو
کس نے بہکایا میاں یہ کہو کیا تم کو

چاہنے والے اگر ہیں تمہیں اغیار بہت
یاں بھی سر پھوڑنے کو ہیں در و دیوار بہت

کہتے ہیں ترک ہے اس عشق کی عادت کا محال
زندہ انسان کو رکھتا نہیں فرقت کا ملال

دل سے مٹتے ہوئے دیکھا نہیں الفت کا خیال
پر میں یوں دور کروں سر سے محبت کا وبال
دل جو ڈھونڈھے تجھے سینے سے اسے دور کریں
حسرتِ دید ہو دیدے کو تو ناسور کریں

ھنس کے منہ پھیر لوں بازار میں گر مل جاؤ
کہہ دوں باہر ہیں ، بلانے جو مرے گھر آؤ
صبر بن جاؤں میں اپنا جو مجھے ڈھنڈواؤ
پھر نہ پاؤ مجھے تو میری طرح پچھتاؤ
آرزو ہے تمھیں دیکھوں میں اداس اپنا سا
مضطر و بے خود و بے ہوش و حواس اپنا سا

جانتے ھو کہ نہیں مجھ سا زمانے میں حسیں
جانتے ھو کہ نہیں اپنے سے انداز کہیں
منحصر اپنے ھی پہ سمجھے ھو ناز و تمکیں
واہ کیا عقل ہے ، کیا فہم ہے ، کیسا ہے یقیں
ایک سے ایک بنایا ھے خدا نے اچھا
کیا خدائی میں خدا کی ، نہیں کوئی تم سا ؟

اب کوئی دن میں دکھادوں گا میں تم کو مری جاں
غیرتِ یوسف و رشکِ مہ و مہرِ تاباں

جس کے انداز میں ظاہر ستم اور[1] لطف نہاں
اُس پہ سو جان سے ہوں تم کو دکھاکر قرباں
یہ ادا دیکھ کے میری جو وہ شرما جائے
چاہیے رشک سے اُس وقت نہ دیکھا جائے

ہو دل آزار پر اتنا کہ نہ ہوں میں بیدل
ہو ستم گار مگر لطفِ ستم ہو حاصل
گر جفا ہو تو کبھی رحم پہ بھی ہو مائل
رنج و غم دے وہ مگر میری وفا کے قابل
میں کروں گریہ وہ مجھ کو نہ ستائے اتنا
نالے سے راز کھلے جی نہ دکھائے اتنا

عشوے میں پاس رہے میری شکیبائی کا
غمزے میں دھیان رکھے تاب و توانائی کا
ناز و انداز میں کچھ طور ہو شیدائی کا
ہو وہ یوسف کہ رکھے شوق زلیخائی کا
ہو وہ معشوق کہ آزار نہ جاں کو پہنچائے
ہو وہ مہتاب کہ صدمہ نہ کتاں کو پہنچائے

یہ جو رفتار ہے کہتے ہو جسے تم محشر
یہ جو گفتار ہے سمجھے ہو جسے جادوگر

---

۱ - 'اور' بر وزن نع - (مرتب)

دل سے مٹتے ہوئے دیکھا نہیں الفت کا خیال
پر میں یوں دور کروں سر سے محبت کا وبال
دل جو ڈھونڈھے تجھے سینے سے اسے دور کریں
حسرتِ دید ہو دیدے کو تو ناسور کریں

ہنس کے منہ پھیر لوں بازار میں گر مل جاؤ
کہہ دوں باہر ہیں ، بلانے جو مرے گھر آؤ
صبر بن جاؤں میں اپنا جو مجھے ڈھنڈواؤ
پھر نہ پاؤ مجھے تو میری طرح پچھتاؤ
آرزو ہے تمھیں دیکھوں میں اداس اپنا سا
مضطر و بے خود و بے ہوش و حواس اپنا سا

جانتے ہو کہ نہیں مجھ سا زمانے میں حسیں
جانتے ہو کہ نہیں اپنے سے انداز کہیں
منحصر اپنے ہی پہ سمجھے ہو ناز و تمکیں
واہ کیا عقل ہے ، کیا فہم ہے ، کیسا ہے یقیں
ایک سے ایک بنایا ہے خدا نے اچھا
کیا خدائی میں خدا کی ، نہیں کوئی تم سا ؟

اب کوئی دن میں دکھادوں گا میں تم کو مری جاں
غیرتِ یوسف و رشکِ مہ و مہرِ تاباں

جس کے انداز میں ظاہر ستم اور[1] لطف نہاں
اس پہ سو جان سے ہوں تم کو دکھاکر قرباں
یہ ادا دیکھ کے میری جو وہ شرما جائے
چاہیے رشک سے اس وقت نہ دیکھا جائے

ہو دل آزار پر اتنا کہ نہ ہوں میں بیدل
ہو ستم گار مگر لطفِ ستم ہو حاصل
گر جفا ہو تو کبھی رحم پہ بھی ہو مائل
رنج و غم دے وہ مگر میری وفا کے قابل
میں کروں گریہ وہ مجھ کو نہ ستائے اتنا
نالے سے راز کھلے جی نہ دکھائے اتنا

عشوے میں پاس رہے میری شکیبائی کا
غمزے میں دھیان رکھے تاب و توانائی کا
ناز و انداز میں کچھ طور ہو شیدائی کا
ہو وہ یوسف کہ رکھے شوق زلیخائی کا
ہو وہ معشوق کہ آزار نہ جاں کو پہنچائے
ہو وہ مہتاب کہ صدمہ نہ کتاں کو پہنچائے

یہ جو رفتار ہے کہتے ہو جسے تم محشر
یہ جو گفتار ہے سمجھے ہو جسے جادوگر

---

۱ - 'اور' بر وزن فع - (مرتب)

یہ جو رخسار ہیں جانا ہے جنھیں رشکِ قمر
اُس کو دیکھو گے تو قدرت تمھیں آئے گی نظر
رشک سے چلنے کی طاقت ہو نہ کچھ کہنے کی
آئنہ دیکھ کے خُو ہو تمھیں چپ رہنے کی

پھرتے چلتے نظر آجائے جو وہ غیرتِ ماہ
دیکھ کر اُس کو بہت ہووے ترا حال تباہ
دور پہنچے مری فریاد سے بنی تیری آہ
دیکھے چہرے پہ جو چھوٹی ہوئی وہ زلفِ سیاہ
وہ اندھیرا تری آنکھوں کے تلے آجائے
جس سے میری شبِ دیجور بھی شرما جائے

میں ہوں اور[1] بزمِ طرب اور وہ ساقی بن کر
منتیں کر کے مرے منہ سے لگا دے ساغر
حرفِ انکار لبوں پر مرے آ جائے اگر
دے بہ اصرار وہ جامِ مئے گل گوں بھر کر
نظر آ جائے جو وہ ساغرِ سرشار تجھے
آنکھ سے خون بہانا پڑے ناچار تجھے

چھیڑنے کو وہ کہے تجھ سے کہ یاں آ بیٹھو
بادہ نوشی کا ذرا آکے تماشا دیکھو

---

۱ 'اور' بر وزنِ فع (مرتب)۔

یوں رکے بیٹھنے سے فائدہ کیا غور کرو
لطف محفل کا یہی ہے کہ ہنسو اور[1] بولو
ایک عاشق کے نہ ہونے سے تمھیں کیا پروا
رنگِ رخسار رہے گا تو ہزاروں شیدا

متصل کان میں جب آئے یہ طعنوں کی صدا
کہیے اُس وقت خجالت سے ہو صدمہ کیسا
یاد پھر آئیں تمھیں یہ ستم و جور و جفا
دل میں نادم ہو کہ آزار دیا تھا بے جا
چاہیے وہ نہ کرو جس میں یہ نوبت ہووے
شاعری کی مجھے کچھ اور ضرورت ہووے

کس کے کہنے پہ گئے یہ تو بتاؤ مجھ کو
کیا غضب کرتے ہو اب بھی نہ ستاؤ مجھ کو
آؤ مل جاؤ کہیں شکل دکھاؤ مجھ کو
دیکھو سالک ہوں نہ گم راہ بتاؤ مجھ کو
اور سے میری محبت کی جو شہرت ہوگی
مہ جبینوں میں تمھاری ہی حقارت ہوگی

---

۱ - 'اور' بر وزن فع - (مرتب)

ترکیب بند ، ترجیع بند ، مراثی ، سلام ،
مثنویات ، سہرے

ترکیب بند

(در مدح شیودان سنگھ والیِ الور)

کل تک تو مضطرب یہ دلِ بے قرار تھا
خونِ جگر سے دیدہ مرا اشک بار تھا

دامن کو دیکھیے تو گریبانِ عاشقاں
سینے کو دیکھیے تو نہایت فگار تھا

کرتا تھا چارہ ساز مداوا مرا ولے
بے چارہ ایک سے کیا شرمسار تھا

یہ گردشیں کہاں تھیں مرے حسبِ مدّعا
گویا کچھ اور ہی فلکِ بدشعار تھا

اے روزگار! چھوڑ دیا تو نے کس طرح
جو ڈھنگ ہر روش سے تری آشکار تھا

روتا تھا اپنے کلبۂ احزاں میں زار زار
جز بے کسی نہ کوئی مرا غم گسار تھا

کیجے درازیِ شبِ غم کا بیان کیا
گویا کہ ایک قصۂ گیسوے یار تھا

کٹتا تھا روز بھی تو ہزار آفتوں کے ساتھ
ہر پاس اس کا ہمسرِ روزِ شمار تھا

وہ شب رہی نہ روز رہا یاد بھی نہیں
کیسا ہجومِ رنج و بلا ناگوار تھا

کیا کام ہے سفید و سیاہِ جہان سے
گزرا وہ عہد جو گلۂ روزگار تھا

اب میں ہوں اور روزِ نشاط و سرور ہے
وہ دن گئے کہ شاکیِ شب ہائے تار تھا

ہر چند چاہتا ہوں کہ شکرِ خدا کروں
فرصت نہ ہووے خندے سے لب کو تو کیا کروں

تاثیر تک ہوئی ہے رسائی فغاں کو آج
عذرِ جفائے ماضیہ ہے آسماں کو آج

ایّامِ غم میں ایک سمندر بہا چکا
فرصت ملی ہے دیدۂ دریا فشاں کو آج

خونِ جگر ہی پی کے گزاری تمام عمر
جانا ہے میں نے طعم مئے ارغواں کو آج

مزدِ وفورِ گریہ و اجرِ فغاں ملا
قبضے میں کر لیا ہے زمین و زماں کو آج

جورِ بتاں کا ڈر ہے نہ بیمِ جفائے چرخ
بھولا ہوں میں نشیب و فرازِ جہاں کو آج

مے سے بھرا ہے جم نے مرا جامِ انبساط
غم سے تہی کیا ہے دلِ شادماں کو آج

پرویز چاهتا ہے مری انجمن میں بار[1]
فغفور جھاڑتا ہے مرے آستاں کو آج

سینہ بھرا ہے جوشِ مسرت سے اس قدر
باقی جگہ نہیں غمِ عشقِ بتاں کو آج

ہوں باغ باغ کثرتِ عیش و نشاط سے
ہے مجھ پہ رشک تازگیِ گلستاں کو آج

اندیشہ ہے کہ کثرتِ شادی سے مر نہ جاؤں
کرتا ہوں یاد گزری ہوئی داستاں کو آج

فرقِ نیاز دیکھیے ہے کس عروج پر
تحت الثری نہ کیوں کہ کہوں لامکاں کو آج

پہنچا ہوں افتخار سے میں ایسے بام پر
رفعت کا زینہ آئے جہاں پہلے گام پر

اے دل ملا فراغ تجھے اضطراب سے
اے جاں ہوئی نجات تجھے پیچ و تاب سے

پہلے صدائے نالہ و افغاں سے تھا بھرا
اب گھر بھرا ہے نغمہ و چنگ و رباب سے

ناگاہ ظلمتِ شبِ تاریک مٹ گئی
ہے خیرگی نظر کو شبِ ماہ تاب سے

سب جوش اشکِ شادی وعشرت نے دھو دیا
رنگِ سرشکِ خوں مری چشمِ پر آب سے

---

۱ - اصل متن (کلیات سالک ، صفحہ ۳۳۴) میں 'یار' غلط ، 'بار' تصحیح قیاسی - (مرتب)

آنکھیں کھلیں گی دیکھ کے اصحاب کہف کی
یہ آنکھ جو کبھی نہیں جھپکی[1] تھی خواب سے

دریائے انبساط کی ہیں موج خیزیاں
نقشِ الم مٹا ہے جہانِ خراب سے

جام و سبو نظر میں سماتے نہیں ہیں آج
تاسقف مے کدہ کوئی بھر دے شراب سے

سر مستِ بادہ ہائے سرور و نشاط ہوں
مطلب نہ محتسب سے نہ کام احتساب سے

میری مےِ نشاط بجھاتی ہے غم کی آگ
موسوم کیوں کہ کیجے اسے آفتاب سے

یوں انبساط دل میں بھرا ہے کہ جس طرح
ہو خُم بھرا ہوا کوئی صہبائے ناب سے

یوسف سے کہہ کہ ہاتھ میں لیں دشنہ و ترنج
نکلا ہے روئے شاہد مقصد نقاب سے

ہر ذرہ گھر کا مطلعِ انوار بن گیا
ہر گوشہ رشکِ غیرتِ گلزار بن گیا

میں اور ہاتھ آئے یہ بختِ رسا مجھے
حیران ہوں کہ کیوں کہ یہ رتبہ ملا مجھے

یہ جلوہ ہائے ساقی و یہ بادہ ہائے ناب
یہ جام ہائے متصل و جاں فزا مجھے

---

۱ - 'جھپکی' اصل متن میں غلط، تصحیح قیاسی کی گئی - (مرتب)

یہ نغمہ ہائے مطرب و یہ بزمِ انبساط
یہ رقصِ شاہدانِ نگاریں قبا مجھے

یہ فرش ہائے برگِ گل و خواب ہائے خوش
یہ ہم کناریِ صنمِ دل ربا مجھے

یہ سیرِ باغ و ہم رہیِ گل رخانِ دہر
یہ نشہ و سرور، یہ آب و ہوا مجھے

یہ بزمِ جشن جس میں نہ پرویز آسکے
مل جائے ایک گوشے میں یوں بیٹھنا مجھے

خود بن گیا ہوں ایک جہانِ سرور میں
دونوں جہاں سے چاہیے مسکن جدا مجھے

گویا کہ شکلِ غم زدہ بالکل بدل گئے
پہچانتا نہیں ہے کوئی آشنا مجھے

دستِ کرم نے کس کے اٹھایا ہے خاک سے
کس نے فرازِ عرش پہ پہنچا دیا مجھے

کس کا یہ سایہ ہے مرے فرقِ نیاز پر
مطلوب کس لیے نہیں ظلِّ ہما مجھے

حاصل نہ کیوں کہ ہو مجھے یہ لطفِ زندگی
یہ عیش روزگار نے بخشا بجا مجھے

گھستا ہوں کس کے در پہ جبینِ نیاز میں
ہوتا ہوں کس کے سامنے مدحت طراز میں

ایسا وہ کون ہے کہ سلیماں کہیں جسے
فرماں روائے عالمِ امکاں کہیں جسے
وہ کون سا قمر خدم ، انجم سپاہ ہے
دارا در و سکندرِ دوراں کہیں جسے
ایسا وہ کون بزمیِ عالی وقار ہے
پرویز و جم چراغِ شبستاں کہیں جسے
وہ کون سا دلیر شجاعت شعار ہے
روزِ نبرد رستمِ دستاں کہیں جسے
ممدوح کون سا ہے کہ جس کی صفات میں
وہ کچھ لکھوں کہ دفترِ شایاں کہیں جسے
یہ تاجِ زر نگار ہے کس کا کہ اہلِ دہر
غیرت فزائے مہرِ درخشاں کہیں جسے
یہ کس کی بار گاہِ ارم کارگاہ ہے
رونق میں رشکِ روضۂ رضواں کہیں جسے
کس کا یہ آستانِ زمیں آسماں کہوں
محسودِ پایہ داریِ کیواں کہیں جسے
یہ کس کی ذات سے ہے زمانے کو فرخی
وہ عیش عام ہے کہ فراواں کہیں جسے
پژمردہ کوئی غنچۂ خاطر نہیں رہا
گیتی وہ بن گئی کہ گلستاں کہیں جسے
اس کا اشارہ ہے کہ فلک ایک ایک سے
کہتا ہے کس کے دل میں ہے ارماں کہیں جسے
کس کا یہ نام زیب دہن بار بار ہے
نطقِ کلیم میرے سخن پر نثار ہے

شہ دان[1] سنگھ جن پر فدا فرِّ قیصری
رتبے میں آسماں کو نہیں جن سے برتری
ہمت میں آج حاتمِ دریا نوال ہیں
حشمت میں آج رکھتے ہیں بختِ سکندری
اہلِ ہنر کو چین نہ دیتا فلک کبھی
کرتے اگرچہ وہ نہ ہنرمند پروری
کیوں کر نظر میں خلق کی ٹھہرے نہ وہ ذلیل
مدِّ نظر نہ جس کو رہے اُن کی بہتری
ذرّوں پہ جس طرح سے پڑے نور مہر کا
خلقِ خدا پہ کرتے ہیں وہ مہر گستری
نکلا نہ ماہ ثور[2] سے ان کے زمانے میں
کرتا ہے اہلِ دہر کو آرام سے بری
نظّارۂ جمال سے کیا مل گیا شرف
مشہور ہے سعادتِ زہرہ[3] و مشتری[4]

---

۱ - ہر بند میں ۱۲ شعر ہیں - اس میں ۱۱ ہیں (مرتب)
۲ - ثور - (بالفتح) - گاو نر ، نام برج دوم از دوازدہ بروج فلکی - (فرہنگ عمید ، صفحہ ۳۳۹)
۳ - زہرہ -(ناہید) زمین سے جو سیارے قریب ترین ہیں ان میں سے ایک زہرہ ہے اور 'عطارد' کے بعد واقع ہوا ہے اور عطارد کی مانند سورج کے غروب ہونے کے بعد یا طلوع ہونے سے پہلے دکھائی دیتا ہے -اس کی حرکت انتقالی آفتاب کے گرد ۲۲۵ دن اور دو برابر عطارد کے ، اس کو مطربۂ فلک بھی کہتے ہیں - (ترجمۂ فرہنگ عمید ، صفحہ ۶۷۳)
۴ - مشتری - ع ، برجیس ، ہرمز ، زاوش ، روپیتر ، بزرگ ترین سیارات منظومۂ شمسی از حیث روشنائی در مرتبۂ دوم یعنی پس از زہرہ است -
(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

ترکِ[1] فلک رکاب میں جاتا ہے ساتھ ساتھ
کرتے ہیں جب کہ رزم میں وہ حملہ آوری
لگ جائیں چار چاند دبیرِ[2] سپہر کو
ایوانِ معدلت میں جو بن جائے دفتری
منزل گزیں اگر ہو نویں آسمان پر
کیواں کو اُن کے قصر سے جب ہو برابری
پہنچا جو کوئی سامنے کرسی نشیں ہوا
قدموں میں اُن کے حاملِ عرشِ بریں ہوا

وہ تاجور کہ اُن سا کوئی تاجور نہیں
خسرو اگر کہوں تو مجھے کچھ نظر نہیں
ذرے سے مہر تک ہیں سبھی اُن سے کامیاب
یہ فیضِ عام خاص کسی پر مگر نہیں
عہدِ کرم میں ان کے یہ تکیہ کلام ہے
لب پر ہے سائلوں کے چڑھی اس قدر نہیں
دستِ کرم کی ان کے زر افشانیاں تو دیکھ
الور میں وہ جگہ نہیں جو کانِ زر نہیں
اخلاق اُن کے عمر بڑھاتے ہیں خلق کی
ورنہ یہاں ثبات برنگِ شرر نہیں
خسرو کو اُن کے در پہ ہیں درباں کی منتیں
جمشید حیلہ جو ہے ولیکن گزر نہیں ۔

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ)

تقریباً ۱۲۳۰ برابر زمین است و در ۱۲ سال یک دور گرد خورشید می گردد ۔ قاضی فلک هم گفته شده (فرهنگ عمید، صفحه ۱۰۹۴)

۱ - ترک فلک ۔ مریخ و قیل آفتاب ۔ (شمس اللغات جلد اول ۲۰۴)

۲ - دبیر سپہر ۔ عطارد ۔ (شمس اللغات جلد اول، صفحه ۳۱۳)

اے چرخ! اُن کو دیکھ لیا کیا کمالِ دوست
اب تجھ کو بد سگالیِ اہل ہنر نہیں
بخشش سے اُن کی دہر ہوا جاوداں بہار
ورنہ چمن کا رنگ ادھر ہے اُدھر نہیں
گم کردہ ہوش اب نظر آتا نہیں کوئی
اُن کے زمانِ امن میں رہ پُر خطر نہیں
کیوں دخل ہوگیا ہے سرور و نشاط کو
اہلِ جہاں کے دل میں اگر اُن کا گھر نہیں
لب آشنا ہوے نہیں ان کی دعا سے گر
پھر ہو کلیم بھی تو سخن میں اثر نہیں
خلق اُن کی نیک خواہ ہے وہ نیک خواہِ خلق
بد خواہ ان کا کیوں کہ نہ ہو رو سیاہِ خلق

سر رکھ کے ان کے پاؤں پہ قیصر کو ناز ہے
آ کر سلام گاہ پہ سنجر کو ناز ہے
دربان بن کے فخر ہے دارا کو کس قدر
آئینہ دار بن کے سکندر کو ناز ہے
افسر کو تاجدار سمجھتے ہیں زیبِ فرق
یہ ان کے فرق پر ہے کہ افسر کو ناز ہے
ان کا جمال آنکھ سے گزرا نہیں ہے کیا
جو اس فروغ پر مہِ انور کو ناز ہے
کندہ سے ان کے نام کے نازش کناں نگیں
سکّے سے سیم کو ہے جلا، زر کو ناز ہے

تسخیر اک جہاں کی ہے اخلاقِ عام سے
ان کے صدورِ حکم سے کشور کو ناز ہے
میں کیا کہ ان کی دولتِ پابوس گر ملے
ماہِ منیر و مہرِ منور کو ناز ہے
جامِ جہاں‌نما کی سمجھتا نہیں ہے قدر
ان کی مے نشاط سے ساغر کو ناز ہے
قبضے میں اُن کے آئے کہ شمشیر کو ہے فخر
شمشیر میں ہے ان کی کہ جوہر کو ناز ہے
تشبیہ اُن کے نعلِ تگاور سے دی کہیں
کیا بات ہے کہ افسرِ سنجر کو ناز ہے
ممتاز کیوں ثوابت و سیّارہ میں نہ ہو
اُن کا ہے درشنی، شہِ خاور کو ناز ہے
وہ شہ نشاں کہ والی الور کہیں جسے
رتبے میں آسماں سے برتر کہیں جسے

کسریٰ کی ان کے عہد میں شہرت نہیں رہی
پہلی سی آسماں کی وہ طینت نہیں رہی
آزار دے کسی کو نہ کوئی، یہ حکم ہے
جور و ستم کی ایک کو جرأت نہیں رہی
پروانے کا نہ شمع کے شعلے سے پر جلے
صرصر سے شمعِ بزم کی دہشت نہیں رہی
بلبل کے دل میں گل کی طرف سے چبھے نہ خار
گل پر خزاں کو آنے کی طاقت نہیں رہی

کچھ پہلے اس سے جو کوئی مظلوم مر گیا
کیوں کر کہوں کہ جینے کی حسرت نہیں رہی

جتنا ہے زیر خاک غنیمت ہے چرخ کو
اہل ستم کی دہر میں صورت نہیں رہی

خود دیکھ کر غزال بلاتے ہیں شیر کو
اتنا بڑھا ہے ربط کہ ہیبت نہیں رہی

لکھتے نہیں ہیں حرفِ نخستیں[1] کو نقطہ دار
تحریر میں بھی صورتِ زحمت نہیں رہی

عسرت کے سین کو نہ لکھے کوئی بے نقط
اس دور میں یہ رسمِ کتابت نہیں رہی

اے چرخ شاہدانِ ستم پیشہ اب کہاں
تیری بھی یہ مجال یہ قدرت نہیں رہی

اس عہد میں نہ زلزلہ ہے نے خسوف ہے
ماہی سے تا بہ ماہ شکایت نہیں رہی

دے کر مثال کیجے جو نوشیرواں کا ذکر
کہتے ہیں لوگ کرتے ہو کب[2] کا کہاں کا ذکر

---

۱ - 'نخسیں' اصل متن (کلیات سالک صفحہ ۳۴۰) میں - 'نخستیں' تصحیح قیاسی ہے - حرف نخستیں سے مراد الف ہے - (مرتب)

۲ - اصل متن (کلیات سالک صفحہ ۳۴۰) میں 'کیکا' ہے - اسے 'کے کا' بھی پڑھ سکتے ہیں - یعنی دو نقطے 'ی' کے ہوں لیکن مفہوم 'کب' سے واضح ہوتا ہے - اسی لیے ایک نقطہ 'کیکا' میں اصل متن میں زائد مان کر 'کب' پڑھا گیا ہے - (مرتب)

تشبیه کیا ہو اس کفِ دریا نوال کی
جس کی مثال سے ہے ترقی مثال کی
کم قسمتی ہے ان سے بہ تعداد مانگنا
قدرِ دہش سے قدر ہے کم تر سوال کی

ق

رہنے سے ان کے عہد میں قاروں کو ڈر ہوا
سچ کہتے ہیں کہ اس کو محبت تھی مال کی
دستِ کرم سے ان کے بچانا محال تھا
زیرِ زمیں بچاؤ کی صورت خیال کی
موقوف عرضِ حال پہ ان کی دہش نہیں
کیا بات بن پڑی ہے زباں ہائے لال کی
دستِ سخا کو ان کے کفایت نہ کر سکے
گر زر کی ڈھیریوں میں ہو صورت جبال کی
منت سے بھی خزائنِ خسرو نہ لے کوئی
اب کس کو احتیاج ہے مال و منال کی
ان کے کرم نے اہلِ ہنر کو کیا غنی
پیری چلی نہ کچھ فلکِ بدخصال کی
کہتے تو کہہ دیا انہیں حاتم ، پہ کیا کہوں
اک سیل بہہ گئی عرقِ انفعال کی
زر کو قیام ہاتھ میں ان کے محال ہے
زر صبر ہے تو کف دلِ عاشق مثال ہے

---

۱ - اس بند میں بھی بارہ شعر نہیں ، صرف دس شعر ہیں - یا تو سالک نے طباعت کلیات کے وقت دو شعر نکال دیے یا کاتب سے نقل کرنے میں رہ گئے ہیں - (مرتب)

دشمن کو آن کے سامنے ہرگز نہ آئے تاب
ہو جائے رنگِ رخ کی طرح سے فنائے تاب
آن کے مقابلے کا عبث تجھ کو قصد ہے
رستم دل اس قدر ہے ترا آشنائے تاب
ترکِ سپہر دیکھ لے گر آن کی تیغ کو
کیوں کر بجا حواس رہیں اور[۱] نہ جائے تاب
میں کیا، نگاہِ مہرِ جہاں تاب خیرہ ہو
کھینچ کر 'نیام' سے وہ ذرا گر دکھائے تاب
کیوں ہم نبرد آن سے ہوا تھا کہ اے عدو
اب ہائے ہائے صبر ہے اور[۲] وائے وائے تاب
باقی نہیں ہے اب دلِ بدخواہ میں جگہ
کہہ دو کہ اپنا اور ٹھکانا بنائے تاب
قہر و غضب کا آن کے لکھیں کچھ بیان ہم
خامہ جو ایک حرف بھی لکھنے کی پائے تاب
آن کی نگاہِ قہر کو کہتے ہیں تاب سوز
پھر کس کو آن کے سامنے دہشت سے آئے تاب
جب تابِ رعب ہی نہیں کیا بات کر سکوں
جو ابتدا ہے بات کی، ہے انتہائے تاب
لرزاں نہ کیوں کہ صبح کو نکلے کہ سہر کیا
کوئی بھی آن کے قہر و غضب کی نہ لائے تاب
اب تاب دہر میں نہ رہے گی عجب نہیں
صورت بدل کے زلفِ بتاں میں سمائے تاب

---

۱ و ۲ - 'اور' بر وزن فع - (مرتب)

قہر و غضب سے قہرِ خدا آشکار ہے
تُرکِ فلک مصاف میں اک پیش کار ہے

کب تھیں سمندِ خامہ کو میرے یہ شوخیاں
کب تھی مداد صفحۂ قرطاس پر رواں
حاصل ہوئی تھی تیزیِ تقریر کب مجھے
چلتی تھی ہر بیان میں کب اس قدر زباں
لکھتا ہوں کس کی شوخی و چالاکیوں کا ذکر
کرتا ہوں کس کی تیزیِ رفتار کا بیاں
رخشِ صبا خرام وہ آن کا کہ جس کے ساتھ
پہنچے کبھی نہ طائرِ سدرہ[1] کا بھی گماں
تھک جائے گرد بن کے کسی جاے بیٹھ جاے
رہ جائے گر ہو پیکِ صبا اُس کے ہم عناں
پُتلا ہے نور کا کہ نظر میں جہاں کی ہے
لازم ہے اُس کی باگ میں ہوں حرفِ کہکشاں[2]
باتیں کرے ہوا سے سبک گام اس قدر
دیکھا نہیں زمیں پہ کبھی نعل کا نشاں
دیکھے جو اُس کی تیز روی غور سے کوئی
مانندِ برق آنکھ سے اک دم میں ہو نہاں

---

۱ - طائر سدرہ - یعنی حضرت جبریل - (شمس اللغات ، جلد دوم صفحہ ۴۷)
۲ - کہکشاں - کاہ کشاں - ۱ - (بہ فتح ہر دو کاف) خط سفید مانند ابرے کہ از ستارہ ہاے بے شمار تشکیل گردیدہ و شب ہا در آسمان دیدہ می شود ، شبیہ جادہ کہ درآں کاہ پاشیدہ باشند ، آسمان درہ و کاہنگان ہم گفتہ اند ، بہ عربی مجرہ می گویند - (فرہنگ عمید ، صفحہ ۹۷۰)

لے آئے اتنی دیر میں آفاق کی خبر
دل سے پہنچ سکے نہ کوئی بات تا زباں
آفاق طے کرے مژہ برہم زدن میں وہ
ہے چال اس کی حجّتِ اثباتِ "کن[1] فکاں"
چالاکیوں کا اس کی نہ مضمون بندھ سکا
ٹکنا زمینِ شعر میں بھی اس کو تھا گراں
شوخی میں اس کی تیزیِ تقریر صرف کی
لیکن نشست ٹھیک نہیں ایک حرف کی

تحریرِ وصفِ پیل میں اتنا گراں ہوا
اک بار انگلیوں سے مری خامہ چھوٹ گیا
لکھا جو میں نے اس کی گراں پیکری کا ذکر
قرطاس نے کہا کہ یہ کب مجھ سے اٹھ سکا
گاوِ زمیں نہ ٹھہر سکی اس کے بوجھ سے
گویا کہ اس کی چال سے آتا ہے زلزلا
پیکر کو اس کے کوہ سے کیوں کر مثال دوں
جرمِ زحل سے دیجیے نسبت تو ہے بجا
پر اس قدر ہے فرق کہ منحوس ہے زحل
یاں یُمن سعدِ اکبر و اصغر سے ہے سوا
مستی میں آ کے مہرہ زمیں پر کرے نہ وہ
آسودگانِ خاک کو رہتا ہے ڈر ذرا

---

۱ - کن فکان : بضمّ کاف و فتح فا ، حاصل معنی این مجموع ، 'شو، پس شد'
مراد از عالم موجودات (غیاث اللغات صفحه ۳۶۷)

لازم ہے پہلے پشت سے اپنی لگائے سر
رفعت کو اُس کی چاہے اگر کوئی دیکھنا

موجھی یہ بات دیکھ کے خرطوم پر وہ دانت
ظلمات میں کسی نے یہ دو شمع دیں جلا

گر چرخ آئے دیکھنے مستک پہ اُس کی چاند
دینے کو لائے نقرۂ مہتاب رونما

وہ شیر کے شکار پہ اتنا دلیر ہے
جتنا کہ دام و دد پہ ہے دل شیر کا کھلا

سن لے جو نامِ شیر تو شوقِ شکار ہو
حملہ کرے جو شیرِ فلک کا ملے پتا

فوجِ عدو پہ حملے کا گر کچھ خیال ہو
مانندِ سبزہ خونِ عدو پائمال ہو

دارالریاست اُن کی کہ الور[1] ہے جس کا نام
خلدِ بریں سے کم نہیں اُس کا ہر اک مقام

عیش و سرور و لطف و مسرت سے ہیں بھرے
مشکو و کدو و برزن و دیوار و قصر و بام

ساگر پہ جو محل ہے کروں اس کا کیا بیاں
کوثر پہ اک مکاں ہے یہ تشبیہ[نہیں[2]] ہے تام

---

۱ - الور - (ہند) راجپوتانے میں ایک ریاست ، رقبہ ۳۱۴۱ (۲۰۲ے) آمدنی پچپن لاکھ روپیہ سالانہ -۲- اُس ریاست کا دارالخلافہ (۳۵) (جامع اللغات جلد ۱ صفحہ ۲۶۵)

۲ - مصرع ساقط الوزن تھا ، 'نہیں' کا اضافہ کرنے سے مصرع موزوں ہو جاتا ہے - تصحیح قیاسی ہے - (مرتب)

سیتل نواس میں ہے وہ سردی کہ دور سے
گر زمہریر دیکھے تو فالج ہو لا کلام

کیا پوچھتے ہو رفعتِ بالا حصار کو
ہم پایۂ سپہر کہیں جس کو خاص و عام

پائینِ قلعہ آ کے ہوا ہے یہ آشکار
طے کر چکا ہوں میں کرۂ باد کو تمام

پہنچوں اگر بلندیِ طالع سے واں کبھی
سن آؤں قدسیوں سے صدا ہائے السّلام

تعریف اس کے باغ کی رضواں سے پوچھ لو
پہنچا ہے اس چمن کا بہت دور دور نام

دیکھا جو اک نگاہ مقیمانِ خلد نے
جنت میں ایک دم کا ٹھہرنا ہوا حرام

آخر اسی میں آ رہے اب دیکھتا ہوں میں
غلماں کا اک ہجوم ہے حوروں کا ازدحام

بھولے قصور و کوثر و تسنیم و سلسبیل
جو جس روش میں آ گئے رہتے ہیں شاد کام

جو خوبیاں ہیں خلد کی سب کے گماں میں ہیں
جو کچھ نہیں گماں میں وہ اس گلستاں میں ہیں

سب اہل کار ان کے عطارد نظیر ہیں
سب مشتری خصال ہیں جتنے وشیر ہیں

جو دل میں ہو کسی کے وہ ان کی زباں پہ ہو
اتنے اشارہ فہم ہیں، روشن ضمیر ہیں

هر بات میں ہے رائے کی وہ روشنی عیاں
جس روشنی سے غیرتِ ماہِ منیر ہیں

سرگرم ہیں روائیِ حاجاتِ خلق میں
ہیں جس جگہ وہ مرجعِ برنا و پیر ہیں

سر پر ہے کس کے هاتھ کا سایہ کہ اس طرح
ہر پا شکستہ کے لیے وہ دست گیر ہیں

ہیں بہرہ مندِ فیضِ ولی نعمت اس قدر
جو اُن سے کامیاب صغیر و کبیر ہیں

دیکھا ہے کس کا دستِ کرم اے خدا کہ یوں
محسودِ زر فشانیِ ابرِ مطیر ہیں

راحت ہے کس کو آج جہانِ خراب میں
کس کی یہ مرحمت ہے کہ راحت پذیر ہیں

گر انبساط ملک ہے فرماں روا ہیں وہ
گر عیش بادشاہ ہے تو وہ باج گیر ہیں

جز دوریِ بساط نہیں ہے کوئی ملال
محنت گزینِ کوششِ و سعیِ کبیر ہیں

بہرِ حصولِ دولتِ پابوس کس قدر
ماموِلِ شانِ رحمتِ ربِ قدیر ہیں

دیکھا جو اُن کا شوقِ حضوری تو بِن کہے
خامہ جھکا خطابِ زمیں بوس کے لیے

یہ جشنِ فرخی ہو مبارک حضور کو
دایم ہو رونق آپ سے بزمِ سرور کو
پہنچا ہے کان میں کہیں آرائشوں کا ذکر
جنت کے چھوڑنے کی تمنا ہے حور کو
مل جائے بار حضرتِ موسیٰ کو گر یہاں
دیکھیں ہزار شمعِ تجلیِ طور کو
کثرت نے روشنی کی نہ چھوڑی کوئی جگہ
سب کچھ دکھائی دینے لگا چشمِ کور کو
اک ایک ذرہ مشرقِ انوارِ مہر ہے
ظلمات میں بھی آج ہوا دخل نور کو
شام و سحر ہیں ایک ، نہیں امتیاز کچھ
اب رات آشیاں میں ہے بھاری طیور کو
کیا دیکھیے ثوابت و سیّار کی طرف
ہو کس طرح فروغ چراغانِ دور کو
زاھد کو ایک جرعہ جو اس بزم میں ملے
دل سے مٹائے حرصِ شرابِ طہور کو
پہلے زمیں سے حق نے اُٹھایا تھا اس لیے
دینا تھا اس مکاں میں ارم کے قصور کو
ہے دہر میں وفورِ دہش سے سکون عام
باندھا ہے میں نے قافیۂ ناصبور کو
بخشش سے اُن کی یہ ضعفا کا ہوا ہے حال
دعوائے ھمسری ہے سلیماں سے مور کو
اس انجمن کا یہ سببِ انعقاد ہے
بار آور آج نخلِ ریاضِ مراد ہے

فرزندِ با سعادت و اقبال آپ کا
حشمت میں جاہ مند ہو قیصر سے بھی سوا

وہ بخت ہو کہ جس پہ سکندر کو رشک ہو
وہ علم ہو کہ جس پہ عمل آپ ہو فدا

وہ حلم ہو کہ ایک نظر جس کو دیکھ کر
مٹ جائے کوہ کو بھی گرانی کا ادّعا

شمعِ جلال پائی ہے مشکوے جاہ نے
تازہ نہال گلشنِ اقبال کو ملا

لائق ہے جس قدر کہ ہو کثرت نشاط کی
ہاتھ آ گیا ہے شاہدِ مقصود و مدعا

دولت کو ماہ فرض کریں اور آن کو نور
شوکت کو آفتاب کہیں اور انھیں ضیا

یہ لعلِ بے بہا ہیں بدخشاں[1] ہے گر کرم
یہ دُرِّ شاہوار ہیں، دریا ہے گر سخا

تمکین و جاہ و منصبِ عالی حضور کا
گویا کہ ایک 'شرط' تھی یہ جس کی ہے 'جزا'

شادی و انبساط و سرور و نشاط و عیش
سب اس 'خبر' کی اب نظر آتے ہیں 'مبتدا'

آئے ہیں نقدِ زندگیِ جاوداں لیے
آمادہ خضر دینے کو ہیں آج رونما

---

۱ - بدخش - بدخشاں (افغانستان) - شمال میں دریائے جیحوں کے جنوب کی طرف ایک صوبہ - اصل میں ترکستان کا صوبہ تھا مگر ۱۸۵۹ع سے افغانستان میں شامل ہو گیا ہے - کسی زمانے میں یاقوتوں کے لیے مشہور تھا - (جامع اللغات، جلد اول، صفحہ ۴۲۶)

دیکھا وہ ان کے حسن سے اب سب کی آنکھ نے
یعقوب کو جو نور ہوا تھا نظر فزا
چشمِ خیال میں اگر اُن کا جمال ہو
موسیٰ کو غش سے ہوش میں آنا محال ہو

جو نور مہر میں ہے وہ اُن کی جبین میں ہے
جو تاب رخ میں ہے ، وہی ماہِ مبین میں ہے
دیکھی ہے زلفِ مشک فشاں کیا کہ شرم سے
پوشیدہ مشک ، نافِ غزالانِ چیں میں ہے
اس نونہال کی کہیں پائی ہے بُو کہ اشک
پنہاں بہ رنگِ نکہتِ گل یاسمیں میں ہے
آنکھیں کھلیں گی دیکھ کے اس مہ جمال کو
یوسف یہ جانتا ہے کہ خوبی ہمیں میں ہے
بختِ جواں کے چہرے سے آثار ہیں نمود
پوشیدہ نقدِ عمرِ ابد آستیں میں ہے
ہے یہ سنین عمر کی گنتی کہ جس قدر
کثرت نجوم کی فلکِ ہفتمیں میں ہے
مقدم سے اُن کے اب ہے میسر زمین کو
قدرت جو لوح و کرسی و عرش بریں میں ہے
حکمِ حضور ہو تو بلا لوں اُسے ابھی
عزمِ نثار خاطرِ روح الامیں میں ہے
اس جشن میں عجب نہیں وہ زرنثار ہو
موجود جو زمیں پہ ہے جو کچھ زمیں میں ہے

سالک نہ بے قرار رہوں کس طرح سے میں
دیوار کی ہوس دلِ حسرت گزیں میں ہے
دینا مری دعا کو وہ اے خالقِ جہاں !
حسنِ قبول جو سخنِ دل نشیں میں ہے
طاقت نہیں ہے مدح کی اب مجھ کو ، کیا کروں
گر پاسِ آبروے سخن ہے ، دعا کروں

جب تک[1] نظر میں گردشِ ہفت آسماں رہے
پانی پہ سطحِ خاک کا جب تک نشاں رہے
آرائشِ قلم رہے جب تک تراش سے
جب تک سخن سے صیقلِ تیغِ زباں رہے
تا ہو نسیم نافہ کشاے شمیمِ گل
تا گلستاں کو صدمۂ بادِ خزاں رہے
تا نکہتِ چمن سے معطر مشام ہو
تا رنگ ، زیب بخشِ گلِ ارغواں رہے
جب تک مکیں کے دل کو علاقہ مکاں سے ہے
جب تک کہ شش جہت سے جدا لامکاں رہے
جب تک کہ عاشقانِ محبت شعار کو
ملنا بتوں کا باعثِ آرامِ جاں رہے
منظور شاہدانِ ستم کیشِ دہر کو
عشاقِ خستہ حال کا تا امتحاں رہے

---

۱ - اس بند میں ۱۳ شعر ہیں - معلوم ہوتا ہے کہ سالک نے ہر بند میں یکساں تعداد اشعار نہیں رکھی - (مرتب)

آسائش جہاں رہے عدلِ حضور سے
یہ آستانہ قبلۂ نوشیرواں رہے
فیضِ حضور باعثِ آرامِ خلق ہو
ابرِ کرم زمانے میں گوہر فشاں رہے
حاصل ہے جس طرح سے روانی بحار کو
حکم آپ کا جہان میں یوں ہی رواں رہے
قہرِ خدا ہو باعثِ آزار بدسگال
لطفِ خدا سے دوست ہے جو کامراں رہے
ہوتا رہے حضور میں یہ جشن منعقد
سالک کے بعد اور کوئی مدح خواں رہے
لب پر دعا ہو، اور کوئی مدعا نہ ہو
آرائشِ سخن مجھے اس سے سوا نہ ہو

ترجیع بند

(در مدح میر محبوب علی خاں والی ریاست حیدرآباد دکن)

ساقیا! یوں دورِ مے چلتا رہے
لب پہ ساغر، سامنے مینا رہے
وہ شرابِ عیش دے جس کا سرور
تا قیامت آنکھ میں چھایا رہے
وہ شرابِ ناب دے جس سے زباں
مدحِ سلطانِ دکن پر آ رہے
وہ شہِ والا صفت جس کا بیاں
زیب و زینت نطق کو دیتا رہے

وہ شہِ دیں پایہ جس کے سامنے
سنجر و خاقاں کا سر نیچا رہے

ہاتھ اس کا دیکھ کر وقتِ کرم
شرم سے بہتا ہوا دریا رہے

بازگشت اس کی سفر سے دیکھ کر
آسماں بر گشتۂ اعدا رہے

خاندانِ آصفی[1] کا یہ چراغ
تا قیامت روشنی افزا رہے

---

۱ - یہ ترجیع بند آصف جاہ سادس مظفر الممالک ، نظام الملک میرمحبوب علی خاں بہادر فتح جنگ کی مدح میں ہے - میر محبوب علی خاں کی ولادت ۱۸ - اگست ۱۸۶۶ ع کو ہوئی - ان کے والد نواب افضل الدولہ کا ۲۹ فروری ۱۸۶۹ع کو انتقال ہوگیا - یہ تیسرے سال میں تھے - انگریزی حکومت نے ان کے بالغ ہونے تک انتظام امور ریاست کے لیے سالار جنگ اول (میر تراب علی خاں) اور شمس الامرا ثالث (رفیع الدین خاں) کو مقرر کیا - ۵ - فروری ۱۸۸۴ع کو میر محبوب علی خاں مسند نشین ریاست ہوئے - ۲۹ - ۳۰ اگست ۱۹۱۱ع کی درمیانی رات میں انتقال کیا - یکم جنوری ۱۸۷۷ع کے دربار قیصری میں شرکت کی تھی - اس سفر اور واپسی کی بعد کی تقریبات کا ذکر سالک نے اس ترجیع بند میں کیا ہے - میر محبوب علی خاں اس وقت نابالغ تھے - (دیکھیے تفصیلات تاریخ حیدر آباد، مؤلفہ نجم الغنی خاں ، صفحات ۵۴۹ تا ۵۷۲ ، مطبع نول کشور لکھنؤ ۱۹۳۰ع) (مرتب)

چاهیے رونق فزائے ہر زباں
یوں سپاسِ مقدمِ والا رہے

مرحبا اسکندر و دارا توئی
ناصرِ دیں ، افضلِ دنیا توئی

———

ملک پھر رشکِ بہاراں بن گیا
یہ گلستاں پھر گلستاں بن گیا

اس کے مقدم نے یہ بخشا ہے سرور
ذرہ ذرہ مہرِ تاباں بن گیا

مجھ سے پوچھو اس سفر کی خوبیاں
کام تھا دشوار ، آساں بن گیا

ہے سخاوت پیشگی اس کا ہی نام
کانِ زر سائل کا داماں بن گیا

اس قدر گوہر فشانی اس نے کی
دستِ بخشش ابرِ نیساں بن گیا

عہد میں اس کی بڑھی یہ قدرِ علم
ہر گلی کوچہ دبستاں بن گیا

بزم میں پایا نہ جب دارا نے بار
اس کے دروازے پہ درباں بن گیا

لطف نے اس کے کیا سب کو غنی
ہر گدا محسودِ سلطاں بن گیا

دیکھ کر اس کی سواری آفتاب
ساتھ میرے خود ثناخواں بن گیا

مرحبا ! اسکندر و دارا توئی
ناصرِ دیں افضلِ دنیا توئی

جب گیا دھلی میں وہ گردوں جناب
سب رئیس انجم بنے ، وہ آفتاب
واں کی بخشش آئے گر تحریر میں
لاکھ جلدوں میں سمائے یہ کتاب
اور[1] اگر تحریر کی تقریر ہو
کہہ سکے سحباں نہ پورا کوئی باب
جشن کی رونق بڑھائی اور پھر
کر دیا ملکِ دکن کو کامیاب
دن چڑھے آئی سواری اس لیے
سایہ افگن فرق پر آیا سحاب
گر جلو میں ہوں تو پوچھے کون انھیں
قیصر و فغفور کا یاں کیا حساب
وہ لیے جاتا ھے مہر اس کا نشاں
یہ چلا آتا ھے مہ تھامے رکاب
پھر نویدِ عیش اہلِ ملک کو
پھر مبارک ھو امیدِ فتحِ باب
ایک جانب خیر مقدم کی صدا
ایک جانب یہ زبانوں پر خطاب

---

۱ - 'اور' بر وزن فع - (مرتب)

مرحبا ! اسکندر و دارا توئی
ناصرِ دیں ، افضلِ دنیا توئی

لشکر آ پہنچا ، تماشا دیکھیے
صف بہ صف خلقت کو ہر جا دیکھیے
بن گئی ہیں ہر جگہ قوسیں تمام
رشکِ قوسِ آسماں کا دیکھیے
جھنڈیاں ہیں یا نشانِ انبساط
ہے نسیمِ عیش پیدا دیکھیے
ہے چراغوں میں ستاروں کی بہار
ہے زمیں افلاک آسا دیکھیے
نور کی کثرت ہوئی ہے اس قدر
دفن جس جا ہو خزینا دیکھیے
ہر طرف چھٹتی ہیں آتش بازیاں
آگ کا گلزار پھولا دیکھیے
آفتابی غیرتِ صد آفتاب
ماہ تابی ماہ سیما دیکھیے
برج اونچے ہو گئے ہیں اس قدر
چرخ کے برجوں سے بالا دیکھیے
پھلجھڑی کے منہ سے بھی جھڑتے ہیں پھول
یہ صدا ہوتی ہے پیدا دیکھیے
مرحبا ! اسکندر و دارا توئی
ناصرِ دیں افضلِ دنیا توئی

تا رہے پھولا زمانے کا چمن
تا رہے پھرتا ہؤا چرخِ کہن

باغ میں جب تک سرور انگیز ہے
شورِ بانگِ بلبلانِ نغمہ زن

دشت میں جب تک نحوست خیز ہے
ناگوارا شورشِ زاغ و زغن

آب میں جب تک روانی پائی جاے
آگ کا ہے کام جب تک سوختن

یا الٰہی خرّم و شاداں رہے
میر محبوبِ علی، شاہِ دکن

اس کے خدمت گار قیصر قصر ہیں
اس کے خادم خان خانانِ زمن

دوست اس کے ہوں شگفتہ مثلِ گل
دشمنوں کو اس کے ہو رنج و محن

یہ دعائیں کیوں نہ ہوں سالک قبول
دل سے آئی[1] ہیں ہمارے تا دہن

اس کے مقدم کی نہ کیوں کر دیں نوید
کیوں نہ ہو یہ زمزمہ زیبِ سخن

مرحبا! اسکندر و دارا توئی
ناصرِ دیں، افضلِ دنیا توئی

---

۱ - 'آئیں' اصل متن ('کلیاتِ سالک' صفحہ ۱۴۳) میں ہے - سالک کے معاصر 'آئیں ہیں' بجاے 'آئی ہیں' ترک کر چکے تھے اور سالک کے کلام میں بھی اس کی مثال نہیں ملتی اس لیے تصحیح قیاسی کی گئی - (مرتب)

مرثیہ

در وفات محمد تفضل حسین خاں 'کوکب'

رکھتا نہیں ثبات ، چمن روزگار کا
کھلتا نہیں ہے پھول یہاں اعتبار کا

گر غنچہ اتفاق سے پائے شگفتگی
ہوتا ہے وقف سرزنشِ نوکِ خار کا

جس انجمن میں شب کو رہے جلسۂ نشاط
گر صبح دیکھیے تو ہے گھر سوگوار کا

جس بادہ میں سمجھتے ہیں ہم نشۂ سرور
اٹھتا نہیں ہے صدمہ اسی کے خمار کا

ہیں فوج فوج درد و الم درپۂ نشاط
رنجِ خزاں نتیجہ ہے فصلِ بہار کا

وہ لوگ جن سے رونقِ ہر بارگاہ تھی
اب دیکھیے چراغ بھی گل ہے مزار کا

ہر دم سپہر سے ہے زمانے کی ابتری
ہر وقت ہے فزوں ستم اس بدشعار کا

شکلیں یہ کس کے غم نے الٰہی بگاڑ دیں
روتا ہے دیکھ دیکھ کے منہ یار ، یار کا

خالی کیا ہے کس نے یہ بزمِ جہاں کو آج
بگڑا ہوا مزہ ہے مےِ خوش گوار کا

روتا ہوں زار زار تفضل حسین خاں
ہے لب پہ بار بار تفضل حسین خاں

وہ کوکبِ سپہرِ محبت کہاں گیا
وہ آفتابِ برجِ صداقت کہاں گیا

تھا اس کی ذات ہی سے شرف کائنات کو
وہ فخرِ دودمانِ شرافت کہاں گیا

سر پیٹتے ہیں اس کے لیے اہلِ روزگار
وہ تاج بخشِ تارکِ عزت کہاں گیا

ماتم میں اس کے روئیے اب کس کے سامنے
وہ سامعِ بیانِ مصیبت کہاں گیا

خورشید جلوہ گر ہے مگر دن سیاہ ہے
بے نور سازِ چشمِ بصیرت کہاں گیا

جز نوحہ کان میں نہیں آتی صدائے خوش
زینت فزائے بزمِ مسرت کہاں گیا

بستاں سرائے دل پہ چلی کیوں سمومِ غم
وہ نخل بندِ گلشنِ الفت کہاں گیا

ہر دم ہے شورِ قلقلِ مینائے دل یہی
ساغر کشِ رحیقِ محبت کہاں گیا

تصویر اہلِ غم کی طرح ہوں سکوت میں
سرمایہ بخشِ تابِ طلاقت کہاں گیا

تھی اس کے ساتھ بزمِ مسرت، کدھر گئی
احباب منتشر ہیں، وہ صحبت کدھر گئی

کیوں کر مری زباں پہ نہ ہو ہر زماں دریغ
وہ صدمہ ہے کہ رہ نہیں سکتا نہاں دریغ

یوں دفن ہو وہ گنجِ گراں مایۂ کرم
کیوں مل گیا نہ خاک میں تو آسماں دریغ

دیکھا ہو جس نے اُس کو دمِ نزع ایک بار
کرتا رہے وہ میری طرح جاوداں دریغ

ہر بات سے ہے پہلے مرے لب پہ ہائے ہائے
ہر مدّعا سے پہلے ہے میرا بیاں دریغ

کرتا تھا جس مکاں میں وہ مہماں نوازیاں
میّت کو اُس کی، شب کو رکھا میہماں دریغ

یہ جوشِ اشکِ مادر و یہ گریۂ پدر
اس داغ کا مٹا نہ سکے گا نشاں دریغ

پایا نہ ہوش کھو کے آسے وا مصیبتا!
نقدِ شکیب ہم نے دیا رائگاں دریغ

دیکھا یہی زمانے میں افسوس ہر جگہ
پایا یہی جہان میں پایا جہاں دریغ

اے روزگار حیف ہے اے روزگار حیف
اے آسماں دریغ ہے اے آسماں دریغ

لاؤں کہاں سے دیدۂ پُر نم کے واسطے
طوفانِ نوح چاہیے اس غم کے واسطے

کیا جانے اب یہ دیدۂ تر کیا دکھائے گا
دریا بہا بہا کے مجھے بھی بہائے گا

کب تک تڑپ تڑپ کے گزاریں گے عمر ھم
اے اضطرابِ دل کہیں دم پر بنائے گا

ڈرتا نہیں ھوں جوشِ غم و رنج سے مگر
کیا تنگنائے دل میں یہ مجمع سمائے گا

باور نہیں ھیں دل میں اگر بے شمار داغ
سینے کو چیر کر کوئی گنتی میں لائے گا

روتے ھیں اس کی قبر پہ یوں زار زار ھم
گویا کہ ھم کو دیکھ کے وہ رحم کھائے گا

عالم نظر میں تیرہ ھے اس مرگ سے فلک
پروا نہیں کسی کو جو بجلی گرائے گا

ھر روز دیکھتا ھوں فزوں اس کی یاد کو
وہ کون سا ھے شغل جو اس کو بھلائے گا

وہ زیرِ خاک اور یہاں اس کی جستجو
یہ ڈھونڈھنا تو خاک میں ھم کو ملائے گا

یہ صدمہ ساتھ جان کے ھے یہ نہ جاننا
جائیں ھزار جائیں مگر یہ نہ جائے گا

جب تک ھماری زندگیِ مستعار ھے
گو وہ نہیں ھے داغ مگر یادگار ھے

———

کس کا یہ ماتم آج سپنجی سرا میں ہے
شورِ نشور شیونِ اہلِ عزا میں ہے

کیا خاک اڑ گئی چمنِ روزگار کی
گرد و غبار دامنِ بادِ صبا میں ہے

پاتا ہوں ہر نہالِ چمن میں جلا ہوا
آتش ، صفیرِ بلبلِ رنگیں نوا میں ہے

جمشید آج گریۂ خونیں سے بھر اسے
اب کیوں شراب ساغرِ گیتی نما میں ہے

ارماں ہیں مرگ کے یہ مجھے کس کے بعدِ مرگ
آج امتحاں کروں کہ اثر بھی دعا میں ہے

ہے کس کی زندگی کی دوبارہ مری مراد
مضمر ہجومِ یاس مرے مدّعا میں ہے

جلتے ہیں کس کے غم میں الٰہی دل و جگر
کچھ بو جلی ہوئی نفسِ شعلہ زا میں ہے

کس صدمے سے ہلے ہیں دل اہلِ جہاں کے آہ
جنبش یہ کیسی یار کی زلفِ دوتا میں ہے

گھبرا دیا ہے مرگ نے کس جامہ زیب کی
تنگی فشارِ گور کی بندِ قبا میں ہے

ہے یہ نمودِ بود کہ جب تک حیات ہے
اور وہ حیات جس کی نفس کائنات ہے

---

۱ - 'اور' بر وزن 'فع' (مرتب)

اب روئیے کہ ضبط فغاں کا نہیں رہا
اب لوٹیے کہ دل ہی شکیبا نہیں رہا

اندوہ و درد و یاس و غم و رنج و اضطراب
وہ اٹھ گیا جہاں سے تو کیا کیا نہیں رہا

اب دے نہ دے نشاط وسرور اے فلک مجھے
یہ بجھ گیا ہے جی کہ تقاضا نہیں رہا

ہے آرزو کہ دیکھیے آشوبِ حشر کو
اب کچھ بھی ذوقِ سیر و تماشا نہیں رہا

خالی رہی نہ دل میں تری جائے شکر ہے
غم کا رہا ہجوم تو بے جا نہیں رہا

آب و ہوائے دہر میں غم نے اثر کیا
اب جو رہا جہان میں اچھا نہیں رہا

کھلتے ہیں پھول کس لیے پژمردگی کے ساتھ
کیا آب و رنگِ گلشنِ دنیا نہیں رہا

کرتے ہیں دفن آج اسے قبر کھود کر
حائل بہشت میں کوئی پردا نہیں رہا

کوکب کی نعش دوش پہ لے کر چلے ہیں لوگ
خورشیدِ حشر سر سے کچھ اونچا نہیں رہا

برحق ہے موت جانتے ہیں سب کو آئے گی
لیکن یہ موت دل سے بھلائی نہ جائے گی

افسوس اهلِ دہر میں ہے جا بہ جا ترا
جتنا هجومِ خلق هو غم هو سوا ترا

اب حجتِ ثبوتِ وجودِ وفا کہاں
تھا تیرے ساتھ شیوۂ مہر و وفا ترا

میں تیری جستجو میں چلوں سر کے بل ادھر
روے زمیں پہ پاؤں اگر نقشِ پا ترا

تیرا لگاؤ دل سے مٹا ہے نہ مٹ سکے
گو تو نہیں رہا ہے مگر غم رہا ترا

کرنا تھا چند روز تماشا یہاں کا اور
کیوں سیر گاہِ دہر سے جی بھر گیا ترا

احباب اس سفر سے تجھے روکتے تو کیا
یہ بھی نہ کہہ سکے کہ نگہبان خدا ترا

سو بار جس میں دیکھی ہے بزمِ سرور و سور
وہ ھی مکان آج ہے ماتم سرا ترا

رکھا طریقِ صعب گزارِ عدم میں پاؤں
ہے اس سفر میں فضلِ خدا رہ نما ترا

کیا جانے دوستوں کا ہے تجھ کو بھی کچھ خیال
سنتے هیں ذکر دہر میں هم جا بہ جا ترا

کہیے نہ اس کو غم یہ فلک ہے گرا ہوا
یہ بھی ہمارے سر پہ خدا کا دیا ہوا

روتے ہیں تیرے واسطے احباب کس طرح
دیکھیں بہائے شہر کو سیلاب کس طرح

جب چرخ سے یہ برقِ ستم متصل گرے
کشتِ امید ہو مری سیراب کس طرح

اس جوشِ غم میں عنصرِ آبی کی خیر ہو
روکوں سرشکِ دیدۂ پر آب کس طرح

گر ایسے حادثات جہاں میں نہ ہوں فلک
پورے ہوں حشر کے لیے اسباب کس طرح

دیکھیں تو آج دن کو نکلتا ہے کیوں کہ مہر
دیکھیں تو آج شب کو ہو مہتاب، کس طرح

نا آشنائے بحرِ فنا ، آشنا ہوا
یہ بحرِ بے کنار ، ہو پایاب کس طرح

کنجِ مزار میں تجھے آتا ہے کیوں کہ چین
تیرے لیے زمانہ ہے بے تاب کس طرح

خوابِ عدم میں دیکھ کے سوئے ہوئے تجھے
کہہ تو سہی کہ آئے مجھے خواب کس طرح

اک دم تو آنکھ کھول کے میری طرف بھی دیکھ
گرتا ہے میری آنکھ سے خوں ناب کس طرح

گو ہم کو تجھ سے شکوۂ مہر و وفا نہیں
ہاں یہ گلہ کریں تو کچھ اس کا گلا نہیں

آقا کو بے قرار کیا تو نے کیا کیا
یہ کس کو غم میں زار کیا تو نے کیا کیا

وہ آنکھ جس میں گریۂ شادی رہا مدام
کیوں اس کو اشک بار کیا تو نے کیا کیا

وہ دامنِ کرم جو گلوں میں بھرا رہے
آلودۂ غبار کیا تو نے کیا کیا

ہر ایک اس کی بزم میں جمشید وقت تھا
افسوس سوگوار کیا تو نے کیا کیا

تھا شوقِ پائے بوس تو لازم تھا صبر بھی
کچھ بھی نہ انتظار کیا تو نے کیا کیا

کس کس سے اس نے تیرے بلانے کی ضد نہ کی
کس کس سے شرم سار کیا تو نے کیا کیا

توقیر تیری وجہ سے کس کس کی اس نے کی
سب کو نظر میں خوار کیا تو نے کیا کیا

آقا کو آج تک بھی وہی مہر ہے تری
ترکِ وفا ، شعار کیا تو نے کیا کیا

جبر ، اختیار تک تو اٹھانا ضرور تھا
کیوں ہجر اختیار کیا تو نے کیا کیا

سالک اسی دعا میں ہے دن ہو کہ رات ہو
آقا کو عمرِ خضر ہو تجھ کو نجات ہو

مرثیه

در وفات میرزا شمشاد علی بیگ 'رضوان، خلص برادر 'خرد راقم

اے جوشِ سینہ سانس کو شورِ فغاں بنا
اے سیلِ گریہ آنکھ کو دریا فشاں بنا
اے درد ! بال بال میں پہلو سے دوڑ جا
اے داغ دل کو باعثِ سوزِ نہاں بنا
اے ھاتھ پیرھن میں نہ رہ جائے کوئی تار
اے پاؤں کوہ و دشت کو صحنِ مکاں بنا
اے روزگار روز بھی گر (تو[۲]) نہ دے سکے
ھر شام کو مری شبِ ھجرِ بتاں بنا

---

۱ - مالک رام ، تلامذۂ غالب (صفحہ ۱۲۲) میں لکھتے ھیں :
''سالک کے چھوٹے بھائی تھے - ۱۸۳۷ع (۱۲۵۳ھ) میں پیدا ھوئے - غالب سے فارسی پڑھی اور انھیں سے کلام پر اصلاح بھی لی - 'الور' میں ملازم تھے - پہلے وکیل ، پھر ڈپٹی مجسٹریٹ رھے - شطرنج کا بہت شوق تھا اور کھیلتے بھی خوب تھے - نواب علاؤالدین احمد خاں علائی نے ریوانڈ وھٹیلی صاحب بہادر کے ایما پر ایک سوسائٹی 'جلسۂ شطرنج دھلی' کے نام سے قائم کی تھی - رضوان بھی اس کے رکن تھے - اس سوسائٹی سے متعلق انھوں نے ایک مختصر رسالہ 'بساط فرنگ' کے نام سے لکھا تھا جو ۱۸۶۷ع میں اکمل المطابع دھلی سے شائع ھوا تھا - اور بھی چند رسالے نثر میں لکھے - چالیس برس کی عمر تھی جب ۱۸۷۶ع (۱۲۹۳ھ) میں انتقال کیا - طبیعت بہت دقت پسند اور مضمون آفریں پائی تھی - معمولی بات کو بھی پیچ سے کہنے کا شوق تھا -

شرمِ ستم گری سے بن آتا نہیں انھیں   انداز لطف کا دل غم آشنا کے ساتھ

۲ - اضافۂ (مرتب)

اے زخم ایک دل ہی میں کاوش ہوئی تو کیا
ناسور ہر مسام ہمارا کہاں بنا

اے فرطِ یاس سینے میں رہنے سے فائدہ
ہر آرزو کو صدمۂ مرگِ جواں بنا

بھڑکا کے داغ کو جگر و دل کے دود سے
اے آہ! آسماں کے تلے آسماں بنا

نشتر جگر میں توڑ دے دل میں چھری چبھو
اے غم مگر مژہ کو مری خوں چکاں بنا

پیدا ہو کوئی غم تو بشارت دے اے ندیم
مر جائیں حسرتیں تو مجھے نوحہ خواں بنا

کرنا نہ بعدِ مرگ سبک اے ہجومِ یاس
اس ضعف پر بھی نعش کو دینا گراں بنا

جس انجمن میں جائے ملے اتفاق سے
لازم ہے اس کو بزمِ عزا اے بیاں بنا

آ جائے گر لبوں پہ کوئی دم ہوا بنے
آنسو گرے جو آنکھ سے سیلِ فنا بنے

سیرِ سرائے دہر میں کیوں مبتلا ہوا
کیا اس چمن میں ہے دلِ ناداں دھرا ہوا

جو برگ سبز سبز درختوں کی زیب تھے
اک ڈھیر ہے زمین پر اُن کا پڑا ہوا

شمشاد تھا جو رشکِ سہی قامتانِ دہر
قدِ خمیدۂ ضعفا ہے بنا ہوا

کل جس میں بھر کے لے گئے ہم گلستاں سے پھول
دیکھو تو آج ہے وہی دامن پھٹا ہوا

دیکھی تھی جس کی شب کو شبستاں میں روشنی
وہ ہی چراغ صبح کو دیکھا بجھا ہوا

جامِ نشاط بھرتے ہیں اور[1] یہ خبر نہیں
پیمانۂ حیات بھی ہے کچھ بھرا ہوا

جاتے ہیں سوئے ملکِ عدم کس طرح سے لوگ
جاتا ہے جس طرح کوئی گھر کو لٹا ہوا

افسوس آج مرگِ عزیزاں یہ ہے ہمیں
کل دوستوں کے لب پہ یہ ہوگا وہ کیا ہوا

جس سے بیان کیجے کوئی تازہ واقعہ
وہ ہی کہے کہ ہے یہ کبھی کا سنا ہوا

غفلت سے ہو نجات تو کیوں کر خبر نہ ہو
ہے زندگی میں موت کا کھٹکا لگا ہوا

فرقِ جوان و پیر نہیں روزگار کو
بھائی کو موت آئی رہا میں بچا ہوا

وہ بھائی جس پہ جانِ گرامی نثار ہو
وہ بھائی جس کا صدمۂ غم بار بار ہو

---

۱ - 'اور' بروزن فع - (مرتب)

آنکھیں یہ ڈھونڈھتی ہیں کہ رضواں کدھر گیا
وہ مایۂ سرورِ دل و جاں کدھر گیا
ہے تیرگی سی کیوں مری نظروں کے سامنے
افسوس وہ چراغِ شبستاں کدھر گیا
ہے کیا سبب کہ تار سے ہے تار اب جدا
وہ بخیہ سازِ چاک گریباں کدھر گیا
یا رب جگر میں زخم ہیں مرہم کو کیا ہوا
مضطر ہوں دل میں درد ہے درماں کدھر گیا
حیرت کو میری دیکھ کے حیرت ہو اب کسے
آئینہ دارِ دیدۂ حیراں کدھر گیا
حفظِ خدا پہ چھوڑ کے اہل و عیال کو
اے میرے سارے گھر کے نگہباں کدھر گیا
کیا واقعہ ہے نوحہ ہے کس کا عزا ہے کیوں
وہ باعثِ نشاطِ عزیزاں کدھر گیا
لگتی نہیں ہے کس لیے جی کو چمن کی سیر
شمشاد زیب بخشِ گلستاں کدھر گیا
دنیا سے کچھ لگاؤ نہ تھا زندگی میں گر
سرمستِ جامِ بادۂ عرفاں کدھر گیا
ملنے کا مجھ سے وعدہ کیا تھا وہ کیا ہوا
آنے کا میرے پاس وہ پیماں کدھر گیا
کھونٹی پہ سبحہ لٹکی ہے لپٹی ہے جا نماز
رکھا ہوا ہے رحل پہ قرآں کدھر گیا
احباب ذکر کرتے ہیں شمشاد بیگ کا
حیرت سے منہ نہ کیوں کہ تکوں ایک ایک کا

واں گردش آنکھ کو تھی یہاں انقلاب تھا
واں جاں کنی تھی اور مجھے اضطراب تھا

تا صبح مجھ پہ گزریں قیامت عقوبتیں
شب تھی الٰہی یا کوئی روزِ عذاب تھا

وہ آنکھ بند کر کے عدم کو پہنچ گیا
یاں دل کو چین اور نہ آنکھوں میں خواب تھا

یاں بدحواسیوں میں نہ تھا بات کا بھی ہوش
واں منکر و نکیر و سوال و جواب تھا

واں کھل گئی تھی قبر میں کھڑکی بہشت کی
مسدود ہر طرف سے یاں فتحِ باب تھا

واں پیچ و تابِ دہر سے بالکل نجات تھی
میں مبتلائے فکرِ جہانِ خراب تھا

اس کو اتارتے تھے وہاں لوگ قبر میں
پنہاں مری نظر سے یہاں آفتاب تھا

چھڑ کا لحد میں اس کی عزیزوں نے واں گلاب
گھر پر یہاں نزولِ بلا بےحساب تھا

یاں حشر تک نہ دل سے مٹے گا یہ واقعہ
افسانۂ حیات وہاں ایک خواب تھا

طاعت سبب نہ کیوں کہ ہو عفوِ گناہ کا
کیوں کر نہ جائے خلد میں رضوان خطاب تھا

آنسو جو چشمِ نم سے ٹپکتا ہے سرخ ہے
دل تھا الٰہی سینے میں یا خونِ ناب تھا

دل بیٹھ جائے گا غم اٹھایا نہ جائے گا
بھائی کا داغ ہے، یہ مٹایا نہ جائے گا

سینہ تمام سوزِ جگر نے جلا دیا
مژگانِ تر نے عنصرِ آبی بہا دیا
خوابِ نشاط تلخ کیا ، صرصرِ فنا
صد حیف کس کو گود میں لا کر سلا دیا
تو نے مٹائی گلشنِ عالم کی روشنی
تو نے چراغِ ہستیِ رضواں بجھا دیا
عیش و نشاط چل دیے کہہ کہہ کے خیر باد
رنج و محن نے نقشِ تمنا مٹا دیا
ہاتھوں نے چاکِ جیب و گریباں کیا قبول
قدموں نے شغلِ دشت نوردی لگا دیا
ہر قطرۂ سرشک بنا پیکرِ محیط
نالے نے ایک صاعقہ مجھ پر گرا دیا
محسوس گو نہیں ہے مگر بارِ غم تو دیکھ
زانوے فکر پر مرے سر کو جھکا دیا
افغانِ عرش رس کی شرر باریاں نہ پوچھ
تاروں میں ہر شرار کو اس نے ملا دیا
دعوے تھے ضبطِ آہ کے آخر کو آہ نے
کچھ نفخ صور سے بھی نفس کو بڑھا دیا
یا رب ! وہ کیا ہوئیں مری رنگیں نوائیاں
کیوں اس کے بدلے نالۂ شیون صدا دیا
اس واقعے سے بڑھ گئی گردش کچھ اور چرخ
کہہ تو سہی کہ تجھ کو زمانے نے کیا دیا
جانِ عزیز کیوں نہ گئی روزگار حیف
کس کو کہوں عزیز تر از جاں ہزار حیف

بھائی کو مرتے دم بھی نہ دیکھا غضب ہوا
دہلی دکن سے جا نہ سکا کیا غضب ہوا

کہتے تھے جس کو قوتِ بازو نہیں رہا
آفت میں ہم گھرے رہے تنہا غضب ہوا

وہ پھول میرے دامنِ مقصود سے گرا
مشکل کسی چمن سے ہے چننا غضب ہوا

وہ گوہرِ مراد گیا میرے ہاتھ سے
بحرِ جہاں میں جو نہیں پیدا غضب ہوا

گل ہو گیا چراغِ شبستانِ آرزو
بھڑکا ہے دل میں داغِ تمنا غضب ہوا

گھیرا کسوفِ مرگ نے کس آفتاب کو
روشن نہیں ہے دیدۂ بینا غضب ہوا

اے فرطِ گریہ ہوگئیں آنکھیں مری سفید
تاریک ہے جہان یہ کیسا غضب ہوا

پہلے کی آگ سینے میں تھی کچھ دبی ہوئی
بھڑکا نفس کے ساتھ ہی شعلہ غضب ہوا

جوشِ غم و ہجومِ بلا کا غم آج کیا
دل سے مٹا ترددِ فردا غضب ہوا

فریاد برہمیِ جہاں کا سبب نہ ہو
قابو میں اب نہیں دلِ شیدا غضب ہوا

خوش ہوں زبانِ ناطقہ ہو جائے لال اگر
کب تک کہے کوئی کہ خدایا غضب ہوا

مٹ بھی سکے یہ داغ تو دل سے مٹائیں کیوں
دنیا سے اپنے ساتھ اسے لے نہ جائیں کیوں

یارب نجات کیوں کہ مری اس محن سے ہے
غربت میں دل لگے نہیں ، نفرت وطن سے ہے

چھپتا ہے نور شمع کا فانوس میں کہیں
داغِ درونِ سینہ عیاں پیرہن سے ہے

اس واقعے نے مجھ کو دکھائے ہیں وہ عذاب
شرمندہ گور بھی مرے بیت الحزن سے ہے

بستر پہ لیٹنا بھی ہے نشتر پہ لوٹنا
نکلا مثالِ خار ہر اک مو بدن سے ہے

سوزِ دروں نے کیا جگر و دل جلا دیے
بو کچھ جلی جلی مجھے آتی دہن سے ہے

عالم تمام ماتمِ رضواں سے بھر گیا
آتی صدائے شیونِ بلبل چمن سے ہے

ہے چشمِ انتظار میں چھائی ہوئی نہاں .
جتنی کہ آشکار سفیدی کفن سے ہے

اب ضبط کرنے کو جگر و دل کہاں سے لاؤں
پہلے زباں پہ نالہ مرے ہر سخن سے ہے

کہتے ہیں خاک ہو نہ سکے تجھ سے ایک ہم
یہ چھیڑ ضد دلانے کو چرخِ کہن سے ہے

عمِّ شہید پاس بنے گا مزار کیا
مٹی الٰہی کیا مری خاکِ دکن سے ہے

میں نے سفر میں یہ خبرِ جاں گزا سنی
رہبر کی اب تلاش ، نہ ڈر راہ زن سے ہے

---

۱ - نیاز بہادر خاں کہ مزارِ شاں در حوالیِ حیدر آباد است - (سالک)

دریا بھی کم ھے دیدۂ پر نم کے واسطے
مجھ سے ھزار چاھییں اس غم کے واسطے

———

بیگانۂ وفا ھوئے کیوں تم نے کیا کیا
احباب سے جدا ھوئے کیوں تم نے کیا کیا

بیماریوں کو اپنی چھپاتے رھے عبث
خود دشمنِ شفا ھوئے کیوں تم نے کیا کیا

آتے نہیں ھیں اکبر و حیدر بھی یاد کیا
دنیا سے رہ اگر ھوئے کیوں تم کیا کیا

آنے کا وعدہ مجھ سے کیا اور پھر نہ آئے
بر عکس مدعا ھوئے کیوں تم نے کیا کیا

آگاہ تھے نہ بحرِ محیطِ فنا سے کیا
خود اس میں آشنا ھوئے کیوں تم نے کیا کیا

کرنی تھی اور بندگیِ حق میں زندگی
مرنے کو پارسا ھوئے کیوں تم نے کیا کیا

یوں چل دیے کہ ملنے کی امید کھو گئے
اس طرح سے خفا ھوئے کیوں تم نے کیا کیا

راہِ فنا بتا گئے جانا پڑا ضرور
سالک کے رہ نما ھوئے کیوں تم نے کیا کیا

واقف تھے میرے کثرتِ اندوہ سے تو پھر
یوں اور غم فزا ھوئے کیوں تم نے کیا کیا

دشوار تھا عزیز و احبّا سے چھوٹنا
اس غم میں مبتلا ھوئے کیوں تم نے کیا کیا

دل سے مٹا کے یاد نہ اٹھے جہان سے
اس طرح سے جدا ہوئے کیوں تم نے کیا کیا
صورت نظر میں ، ذکر ہے جاری زبان سے
اٹھتے جہاں سے یوں کہ نہ اٹھے جہان سے

پرسش میں ہے کہ ہے ہدفِ آسماں کہاں
جاتا ہے آج دیکھیے تیرِ فغاں کہاں
اس غم میں ضبطِ گریہ و فریاد کیوں کہ ہو
جب وہ نہیں تو پاسِ زمین و زماں کہاں
خاطر ہو مضطرب تو قرار آئے کس طرح
دل کو نہ ہو سکون تو آرامِ جاں کہاں
چین آئے گا اسے صفِ محشر میں دیکھ کر
چھوڑے گا دیکھیے یہ غمِ جاوداں کہاں
تالو سے ایک دم نہیں لگتی فغاں کے ساتھ
اس رنج کا بیاں کریں ہم زباں کہاں
لب گفتگوے مرگِ برادر سے ہیں فگار
اب ہم کہاں ، شکایتِ ہجرِ بتاں کہاں
گر کیجیے تلاش تو کیوں کر پتا ملے
راہِ عدم ہے اس میں قدم کا نشاں کہاں
کہتے ہیں باغِ خلد میں رضواں کو لے گئے
اب ہم گناہ گاروں کو وہ گلستاں کہاں
اس واقعے کی شرح نہ پوچھ اے ندیم تو
ہم سے بیان ہوتی ہے یہ داستاں کہاں

وہ بھر رہا ہے دم کو سرافیل صور میں
پہنچا ہے شورِ ماتمِ مرگِ جواں کہاں

پھروں نجات ملتی نہیں اضطراب سے
اب سینے میں ہمارے دلِ شادماں کہاں

اے مرگ آ اشارے کہاں تک کیا کروں
قابو میں ہاتھ ہے نہ زباں کیا دعا کروں

کیا احتیاج شرح کی، کیا حاجتِ بیاں
دل میں جو غم نہاں ہے وہ صورت سے ہے عیاں

شیون ہے یہ برادرِ نیکو خصال کا
ہر ایک نالہ کیوں نہ ہو برہم کنِ جہاں

ہے نوحہ ایک شاعرِ عالی بیان کا
ہر لفظِ شعر کیوں نہ بنے غم کی داستاں

ماتم ہے ایک ناثرِ رنگیں مقال کا
آنکھوں سے جوئے خوں نہ ہو کس طرح سے رواں

مرنا ہے ایک صالحِ طاعت گزار کا
بزمِ عزا میں کیوں کہ نہ شامل ہوں قدسیاں

جاتی ہے نعش رہ روِ راہِ صواب کی
کندھا دیے ہوئے ہوں نہ کیوں اہلِ آسماں

باقی رہا نہ دینے کو کیا اور کوئی رنج
کیوں چرخِ پیر تو نے دیا ماتمِ جواں

چھریاں جگر میں چبھتی ہیں روتا ہوں کب سے خوں
مہندی لگائے بیٹھی ہے کیا مرگِ ناگہاں

وہ بھائی جس کو دیکھ کے نور آئے آنکھ میں
وہ بھائی جس سے مل کے طبیعت ہو شادماں
دل کیا کہ لاکھ دل سے گرامی سوا مجھے
اک جان کیا، عزیز تر از صد ہزار جاں
زندوں کے حال و قال سے قطعِ نظر سہی
اس نوحے میں مرا ہے نظیری ہی ہم زباں
آفاق پُر دریغ و جہاں پُر ملامت است
ایں روزِ مرگ نیست کہ روزِ قیامت است

جز مرگ اس الم سے ہو مجھ کو قرار کیا
حد انتظار کی نہیں، پھر انتظار کیا
ناکردہ عقد کیوں گئے آغوشِ گور میں
تھی ناپسند نکہتِ زلف و کنار کیا
اس غم میں غم نہیں ہے سفید و سیاہ کا
اب چاہتی ہے گردشِ لیل و نہار کیا
پھر کر عدم سے کوئی بھی آیا کہ آئے وہ
اب چاہتی ہے اے نکہ، انتظار کیا
کیا پوچھتے ہو فرصتِ روز جزا ہے دور
اک دفترِ طویل کا ہو اختصار کیا
اس غم نے ہوش کھوئے ہیں ایسے کہ روئداد
سو بار پوچھیے تو کہوں لاکھ بار کیا؟
کھویا گیا نتیجۂ عیش و نشاط عمر
پھر ہو تسلیِ دلِ اُمیدوار کیا

کچھ تو جوان و پیر کا رکھنا تھا امتیاز
اے موت تو نے مجھ کو کیا شرمسار کیا

دیکھا نہ ایک قوتِ بازو کو بھی مرے
ہونا تھا اور تجھ سے بھلا روزگار کیا

اُس کو ملا کے خاک میں فریاد سے مری
آرام پائے گا فلکِ بدشعار کیا

پہلے مجھے ڈبو کے، ڈبو اک جہان کو
اندیشہ اب ہے اے مژۂ اشک بار کیا

اس واقعے میں کم ہے جہاں تک کہ روئیے
اتنا تو روئیے کہ جہاں کو ڈبوئیے

ہر دم نہ کس طرح مرے لب پر فغاں رہے
یہ کیوں کہ دیکھوں وہ نہ رہے اور[1] جہاں رہے

چندے جو رہ گئے یہی نالے تو یاد رکھ
ہم خاک میں ملا کے تجھے آسماں رہے

مٹتا نہیں لگاؤ وطن کا غریب کو
اندوہ و رنج ہی میں رہے ہم جہاں رہے

رضواں ریاضِ خلد میں کب کا پہنچ چکا
ہم ڈھونڈھتے ہوئے ہی قدم کا نشاں رہے

یہ داستان وہ ہے جہاں تک کہ سامعیں
سنتے رہیں تو آنکھوں سے آنسو رواں رہے

پھندا گلے میں کیوں نہ پڑے جوشِ گریہ سے
یہ قصہ وہ ہے جس کے بیاں میں زباں رہے

---

۱ - 'اور' بروزن 'فع' (مرتب)

اس گفتگو کو چاہیے دل ، سنگ و خشت سے
ہے ورنہ یہ محال کہ بس میں زباں رہے
یہ لحظہ لحظہ مجھ کو دلاتا ہے اس کی یاد
دل سے عزیز کیوں نہ غمِ جاوداں رہے
عاجز بیاں سے ہوں وہ خموشی دے اے خدا
تاثیر جس کی غیرتِ شورِ فغاں رہے
اے موت یوں کشا کشِ رنج و انشاط کھو
کچھ سود کی خوشی ہو ، نہ فکرِ زیاں رہے
بڑھتا ھی جائے ضعف مگر ایک لمحہ بھر
میں مانگ لوں دعا یہ زباں میں تواں رہے
میں دل سے خواستگار ہوں عفوِ اللہ کا
جنت ہو گھر برادرِ رضواں پناہ کا

ترجیع بند [مرثیہ]

در نوحہ سرائی وفات جناب اوستادی نجم‌الدولہ دبیرالملک میرزا اسد اللہ خاں بہادر نظام جنگ غالب

شب کو اختر شمار ہونا تھا
روز آنکھوں میں تار ہونا تھا
اب کہاں گل فشانیِ مضموں
خامہ حسرت نگار ہونا تھا
شب ، شبِ انتظار بنی تھی
روز ، روزِ شمار ہونا تھا

حشر برپا ہوا تو خوب ہوا
یہ بھی اے روزگار ہونا تھا
کیوں بر آئے مری کوئی امید
نا امیدی شعار ہونا تھا
نفسِ چند کیوں رہے باقی
دہر میں شرمسار ہونا تھا
ہر ستم میرے واسطے اے چرخ
خنجرِ آب دار ہونا تھا
تیغِ بیداد تیز ہونی تھی
ور مجھ پر ہی وار ہونا تھا
نغمہ سنجِ نشاط کیا ہونا
زیبِ لب بار بار ہونا تھا
رشکِ عرفی و فخرِ طالب مرد
اسد اللہ خان غالب مرد

اب نہیں ہوش میں رہا کوئی
کیا مرا حال پوچھتا کوئی
کوئی آزارِ چرخ کا گلہ مند
شاکیِ بخت نارسا کوئی
چشمِ تر سے ہے کوئی طوفاں خیز
ضبط سے ہے بھرا ہوا کوئی
ہے کسی کی فغاں شرر افشاں
سوزِ پنہاں سے جل گیا کوئی

جو نہ مانگے کبھی کوئی مہجور
لب پہ لاتا ہے وہ دعا کوئی
اپنے عالم میں مبتلا ہے جہاں
کوئی دشمن نہ آشنا کوئی
نہیں چھٹنے کے زندگانی تک
غم کی سمجھا نہ انتہا کوئی
راز اتنا تو کھول دے مجھ پر
نہیں اسرار داں ملا کوئی
اب یہ کیوں آسماں کو ہے گردش
فتنہ اس سے بھی ہے سوا کوئی
رشک عرفی و فخرِ طالب مرد
اسد اللہ خان غالب مرد

جس میں رہتا تھا ہائے جلوۂ یار
ہے وہی آنکھ غم سے طوفاں بار
تھا سکوں میں جو مرکزِ خاکی
نہیں اس دل کو مثلِ برق قرار
جان لب پر کبھی نہ آئی تھی
اب لبوں سے بھی ہو گئی بیزار
اب وہ پیمانۂ حیات ہوا
زیبِ کف تھا جو ساغرِ سرشار
یک نفس زندگی محال ہوئی
کاش آساں ہو مردنِ دشوار

رات بد تر ہے روزِ ماتم سے
روز ظلمت میں غیرتِ شبِ تار
مرگ کا اب خدا سے طالب ہوں
پہلے کیا کیا تھی مانگنے میں عار
زہر کھانے میں خوف تھا کیا کیا
اب سمجھتا ہوں چارۂ آزار
سببِ گریہ پوچھتے ہیں لوگ
مجھ کو کہنا پڑا یہی ناچار
رشکِ عرفی و فخرِ طالب مرد
اسد اللہ خان غالب مرد

نہ کروں گا علاجِ دردِ جگر
زندگی موت سے نہیں بہتر
دلِ گم گشتہ کا کہوں کیا حال
کہ مجھے جان کی نہیں ہے خبر
سطحۂ خاک کی الہی خیر
آج رکتے نہیں ہیں دیدۂ تر
شمعِ بزمِ سخن کی خاموشی
دے گئی نالہاے صور اثر
یہ کس آتش زباں کا مرنا آہ
کر گیا برق سے سوا مضطر
کشتِ امید ہو گئی تاراج
خرمنِ صبر پر چلی صرصر

نخلِ حرماں میں تازگی آئی
شجرِ آرزو ہوا بے بر

مجھ پہ سو بار حشر بھی گزرا
پر نہ اس حادثے سے تھا بڑھ کر

ہو گیا ہے مرا یہ تکیہ کلام
پہلے ہر بات سے یہ ہے لب پر

رشکِ عرفی و فخرِ طالب مرد
اسد اللہ خاں غالب مرد

خضرِ راہِ سخن جہاں سے گیا
ہادیِ راہ، کارواں سے گیا

مرگ کا زندگی میں تھا کھٹکا
یہ بھی غم ہائے جاوداں سے گیا

شعلے ہر بات میں نکلتے ہیں
ضبط اب سوزشِ نہاں سے گیا

شکر ہے موت جلد اگر آ جائے
شکوہ اب مرگِ ناگہاں سے گیا

دہر ہی پر نہیں ہے. رونقِ دہر
باعثِ زیبِ دہر یاں سے گیا

گل ہیں لیکن نہیں بہارِ نظر
رنگ گویا کہ گلستاں سے گیا

دل ہے لیکن نہیں ہے دل کو قرار
صبر گویا کہ اپنی جاں سے گیا

رات بد تر ہے روزِ ماتم سے
روز ظلمت میں غیرتِ شبِ تار
مرگ کا اب خدا سے طالب ہوں
پہلے کیا کیا تھی مانگنے میں عار
زہر کھانے میں خوف تھا کیا کیا
اب سمجھتا ہوں چارۂ آزار
سببِ گریہ پوچھتے ہیں لوگ
مجھ کو کہنا پڑا یہی ناچار
رشکِ عرفی و فخرِ طالب مرد
اسد اللہ خان غالب مرد

نہ کروں گا علاجِ دردِ جگر
زندگی موت سے نہیں بہتر
دلِ گم گشتہ کا کہوں کیا حال
کہ مجھے جان کی نہیں ہے خبر
سطحۂ خاک کی الٰہی خیر
آج رکتے نہیں ہیں دیدۂ تر
شمعِ بزمِ سخن کی خاموشی
دے گئی نالہائے صور اثر
یہ کس آتش زباں کا مرنا آہ
کر گیا برق سے سوا مضطر
کشتِ امید ہو گئی تاراج
خرمنِ صبر پر چلی صرصر

نخلِ حرماں میں تازگی آئی
شجرِ آرزو ہوا بے بر
مجھ پہ سو بار حشر بھی گزرا
پر نہ اس حادثے سے تھا بڑھ کر
ہو گیا ہے مرا یہ تکیہ کلام
پہلے ہر بات سے یہ ہے لب پر
رشکِ عرفی و فخرِ طالب مرد
اسد اللہ خان غالب مرد

خضرِ راہِ سخن جہاں سے گیا
ہادیِ راہ، کارواں سے گیا
مرگ کا زندگی میں تھا کھٹکا
یہ بھی غم ہائے جاوداں سے گیا
شعلے ہر بات میں نکلتے ہیں
ضبط اب سوزشِ نہاں سے گیا
شکر ہے موت جلد اگر آ جائے
شکوہ اب مرگِ ناگہاں سے گیا
دہر ہی پر نہیں ہے رونقِ دہر
باعثِ زیبِ دہر یاں سے گیا
گل ہیں لیکن نہیں بہارِ نظر
رنگ گویا کہ گلستاں سے گیا
دل ہے لیکن نہیں ہے دل کو قرار
صبر گویا کہ اپنی جاں سے گیا

رات بد تر ہے روزِ ماتم سے
روز ظلمت میں غیرتِ شبِ تار
مرگ کا اب خدا سے طالب ہوں
پہلے کیا کیا تھی مانگنے میں عار
زہر کھانے میں خوف تھا کیا کیا
اب سمجھتا ہوں چارۂ آزار
سببِ گریہ پوچھتے ہیں لوگ
مجھ کو کہنا پڑا یہی ناچار
رشکِ عرفی و فخرِ طالب مرد
اسد اللہ خان غالب مرد

نہ کروں گا علاجِ دردِ جگر
زندگی موت سے نہیں بہتر
دلِ گم گشتہ کا کہوں کیا حال
کہ مجھے جان کی نہیں ہے خبر
مطحۂ خاک کی الٰہی خیر
آج رکتے نہیں ہیں دیدۂ تر
شمعِ بزمِ سخن کی خاموشی
دے گئی نالہاے صور اثر
یہ کس آتش زباں کا مرنا آہ
کر گیا برق سے سوا مضطر
کشتِ امید ہو گئی تاراج
خرمنِ صبر پر چلی صرصر

نخلِ حرماں میں تازگی آئی
شجرِ آرزو ھوا بے بر
مجھ پہ سو بار حشر بھی گزرا
پر نہ اس حادثے سے تھا بڑھ کر
ھو گیا ہے مرا یہ تکیہ کلام
پہلے ھر بات سے یہ ہے لب پر
رشکِ عرفی و فخرِ طالب مرد
اسد اللہ خان غالب مرد

خضرِ راہِ سخن جہاں سے گیا
ھادیِ راہ، کارواں سے گیا
مرگ کا زندگی میں تھا کھٹکا
یہ بھی غم ھائے جاوداں سے گیا
شعلے ھر بات میں نکلتے ھیں
ضبط اب سوزشِ نہاں سے گیا
شکر ہے موت جلد اگر آ جائے
شکوہ اب مرگِ ناگہاں سے گیا
دہر ھی پر نہیں ہے رونقِ دہر
باعثِ زیبِ دہر یاں سے گیا
گل ھیں لیکن نہیں بہارِ نظر
رنگ گویا کہ گلستاں سے گیا
دل ہے لیکن نہیں ہے دل کو قرار
صبر گویا کہ اپنی جاں سے گیا

خاک میں مل گیا عروجِ سخن
مہر معنی کے آسماں سے گیا
یاد ہے وہ عذوبتِ گفتار
اب سخن کا مزا زباں سے گیا
رشکِ عرفی و فخرِ طالب مرد
اسد اللہ خان غالب مرد

غمِ استاد ہے اگر یہ ہی
یا خدا کیوں کہ زندگی ہوگی
مبتلائے الم ہوں ، کیا جانوں
عیش کیا شے ہے اور خوشی کیسی
دم بہ دم اپنے حال پر رونا
اور رونے پہ گاہ گاہ ہنسی
میں ہوں اور رنجِ بےکسی افسوس
وہ بھی دن تھے کہ خوش گزرتی تھی
ایک دن دہر میں مری فریاد
ہائے ہو جائے گی کہانی سی
آسماں گر پڑے تو گرنے دو
سر پر اک بوجھ اپنے یہ بھی سہی
شق اگر ہو زمیں تو ہو جائے
میں ہوں پیوند کاش جیتے جی
کیجیے نالہ اور مر رہیے
زندگی کی ہے کائنات یہی

کیا کہوں کون مر گیا سالک
آپ کہتے ہیں طالب و عرفی
رشکِ عرفی و فخرِ طالب مرد
اسد اللہ خان غالب مرد

سلام

(۱)

دی حر نے جان مجرئی اعدا کے سامنے
لی ایک جاے عرشِ معلیٰ کے سامنے
پوچھیں گے ان سے حسرتِ اہلِ حرم کو ہم
جو تشنہ کام بیٹھے ہوں دریا کے سامنے
آیا مہِ سپہرِ امامت خسوف میں
اک فوج شامیوں کی ہے تنہا کے سامنے
محتاجِ غسل کب ہیں شہیدانِ کربلا
خوں میں نہا کے جائیں گے زہرا کے سامنے
گردش کو تیری اے فلکِ پیر کیا کروں
آیا نہ پھر کے کوئی سکینا کے سامنے
ہے شاہِ بے سپاہ مگر ہے سپہ فگن
ٹھہریں گے کیا لعیں شہِ والا کے سامنے
تسلیم کیش اور رضا پیشہ ہے حسین
تقدیر کس کو لے گئی اعدا کے سامنے
ہونے کو ہے قیامتِ صغریٰ جہان میں
اکبر کی نعش آتی ہے صغریٰ کے سامنے

چھائی ہے مثلِ ابرِ سیاہ سیاہ رو
فوجِ خزاں ہے گلشنِ زہراؑ کے سامنے

صورت نے ذوالفقار کی اثباتِ لا کیا
موجود کون ہے شہِ والا کے سامنے

سالک یہ اہلِ شام بھی کیا تیرہ روز تھے
عقبیٰ لٹائی دولتِ دنیا کے سامنے

---

(۲)

مجرئی شہ کا بیاں ہونے کو ہے
چشمِ تر کا امتحاں ہونے کو ہے

دفن شاہِ انس و جاں ہونے کو ہے
اب تہ و بالا جہاں ہونے کو ہے

تشنہ کامی شہ کی پھر یاد آ گئی
پھر تنفّس آتش فشاں ہونے کو ہے

شاہ کے غم کا بیاں کرنے کو ہوں
بے زبانی بھی زباں ہونے کو ہے

پھر ہے مجلس میں بیانِ اہلِ بیت
صورِ محشر پھر فغاں ہونے کو ہے

کوفے[۱] کو مقتل بناتی ہے قضا
آج مسلم[۲] میہماں ہونے کو ہے

---

۱ - کوفہ (عراق کا) ایک شہر - جنگ قادسیہ کے بعد حضرت عمر کے حکم سے یہاں چھاؤنی ڈالی گئی - (جامع اللغات جلد ۳ صفحہ ۱۷۳)

۲ - مسلم : حضرت عقیل کے فرزند ، امام حسین کے چچا زاد بھائی - کوفے میں عبیداللہ ابن زیاد کے حکم سے شہید کیے گئے - (جامع اللغات)

خیمے سے میداں کو جاتے ہیں حسین
بے کسی اب پاسباں ہونے کو ہے

نعشِ اکبر کو لیے آتے ہیں شاہ
ماتمِ مرگِ جواں ہونے کو ہے

آ گیا میداں میں ہم شکلِ نبی[1]
یہ نشانی بے نشاں ہونے کو ہے

شادیِ قاسم[2] کا ذکر آیا یہاں
طبع کچھ ناشاداں ہونے کو ہے

ایک کے بعد ایک ہوتا ہے شہید
داستاں پر داستاں ہونے کو ہے

دیکھ لی شامِ غریبی شاہ نے
صبحِ محشر کب عیاں ہونے کو ہے

اب ہوا جاتا ہے بے چوب و طناب
خیمۂ شہ آسماں ہونے کو ہے

بے ردا اہلِ حرم کو دیکھ کر
ماہ کا جامہ کتاں ہونے کو ہے

خاک اڑانے کو ہیں شہ کے ماتمی
یہ زمیں اب لامکاں ہونے کو ہے

لے چلے ہیں شام کو سر شاہ کا
آفتابِ دیں نہاں ہونے کو ہے

---

۱ - مراد حضرت علی اکبر ابن امام حسین ۔

۲ - قاسم : حضرت امام حسن کے فرزند ۔ امام حسین کے ہمراہ میدان کربلا میں شہید ہوئے ۔ (جامع اللغات جلد ۴ صفحہ ۳)

ق

جب وطن سے کاروانِ اہلِ بیت
ہم رکابِ شہ رواں ہونے کو ہے

وہ جوانانِ حسین و خوب رو
جو ہر اک رستم تواں ہونے کو ہے

ہیں یہ وہ گل بن کہ جن کے سایے میں
سدرہ و طوبیٰ نہاں ہونے کو ہے

کوئی کہتا تھا یہ ہیں دُرِّ یتیم
ان کی قیمت اب گراں ہونے کو ہے

کوئی کہتا تھا کہ ہیں وہ نونہال
جو ہر اک سروِ چماں ہونے کو ہے

کہہ رہی تھی دیکھ کر اُن کو قضا
اس گلستاں کو خزاں ہونے کو ہے

ہے لبِ **سالک** پہ مدحِ اہلِ بیت
قدسیوں کا ہم زباں ہونے کو ہے

مثنوی

در تاریخ انتقالِ دختر نواب میر یاور علی خاں شہاب جنگ صدرالمہام علاقۂ متفرقات سرکار عالی ـ مختمل بر صنعت توشیح که از صدر[1] و ابتدا[2] ہر شعر عبارت محصورۂ خطوطِ وحدانی برمی آید ـ سہ[3] شنبه پنجم جمادی الاولیٰ یک هزار و دو صد و نود هجری

ستم اے روزگارِ کیں پرور
ہائے ٹکڑے کیا ہے تو نے جگر

شکووں سے تیرے لب ہوئے ہیں فگار
نالے کرنے پڑے مجھے ناچار

بادۂ غم وہ جام میں ہے مرے
ہوش کھوئے جو ایک عالم کے

پالتا ہے جسے بغل میں تو
نیند آتی ہے موت کی اُس کو

جو نظر آئے مہدِ عشرت میں
مہد سے لے کے پھینکے تربت میں

جو ہے نالاں ہے تیرے جوروں سے
میں تو میں پوچھ اس کو اوروں سے

---

۱ - صدر ، رکن اول مصرع اولی ـ مصرع اولیٰ کے رکن اول کا حرف سالک نے لیا ہے مثلاً س ، ش وغیرہ (مرتب)
۲ - ابتدا ، رکن اول مصرع ثانی کے رکن اول کا حرف 'سالک' نے لیا ہے مثلاً ہ ، ن وغیرہ (مرتب)
۳ - بیسویں شعر پر خطوط وحدانی کی عبارت ختم ہو جاتی ہے ـ (مرتب)

آج جو سبز ہیں چمن میں نہال
دیکھتے ہیں کل اُن کو ہم پامال

یاد کرتے پرانے قصے ہم
اب کے افسانے کچھ جو ہوتے کم

لے یہ صدمہ نیا دیا تو نے
اور فتنہ بپا کیا تو نے

واجب اے کینہ جو نہ تھا تجھ کو
لازم اے فتنہ خو نہ تھا تجھ کو

یہ ادا دیکھ اور صدرِ مہام
یہ جفا دیکھ اور صدرِ مہام

کس جگر گوشے کو کیا تہِ خاک
ہائے کس کا جگر کیا ہے چاک

زحمتِ مرگ اور وہ کم سن
آہ تھے مہدِ امن و عیش کے دن

راہ نادیدہ اور راہِ عدم
واہ تنہا روی کے آس پہ الم

دست پروردِ عیش و عشرت ہائے
وادیِ سہم ناک میں یوں جائے

صغرِ سن اور یہ سفر افسوس
دوریِ راہ و راہ بر افسوس

وہ قمر جو ابھی افق میں تھا
ناگہاں پردۂ زمیں میں چھپا

وہ نہالِ ریاضِ جاہ و جلال
دیکھتے دیکھتے ہوا پامال

ھائے تاریخ کیا لکھوں سالک
جی پہ صدمہ ہے کیا کہوں سالک

رات دن میں ہوں اور ماتم دیکھ
یہ سرِ رنج و صدمۂ غم دیکھ

۲۰۰+۹۰ ۱۰۰۰=۱۲۹۰ھ

اب نہیں گو کہ طاقتِ گفتار
رہ گئے بات سے لبِ اظہار

لیکن اظہارِ مدّعا ہے ضرور
کیا کروں اس بیان میں ہوں مجبور

کہ یہ اشعار آئے جو لب پر
طرزِ توشیح ان میں ہے مضمر

صدرِ اشعار و ابتدا دونوں
کھول دیتے ہیں مدّعا دونوں

حرف حرف ان کا جمع یک جا ہو
فقرۂ نثر تاکہ پیدا ہو

یوم و تاریخ و ماہ و سال اس سے
راز دانانِ نکتہ داں پہ کھلے

آشکارا ہو اور نہاں ہو سن
لفظی و معنوی عیاں ہو سن

کیوں یہ بیہودہ میں نے کی گفتار
خود ہے ممدوح واقفِ اسرار

جامِ گیتی نما ہے دل اس کا
آئنہ بن گیا ہے دل اس کا

میرے دل میں جو راز مضمر ہے
جانتا ہوں وہاں زباں پر ہے
یارب اس رنج و غم کا دے بدلا
کوئی فرزند کر نرینہ عطا
تا قیامت رہے وہ پاک گہر
نازِ پروردِ لطف و مہرِ پدر

(سہرے)

بہ تقریب شادی سری مہاراؤ راجا شودان سنگھ[۱] بہادر والیِ الور

فخر سے چرخ کے پہنچا ہے برابر سہرا
راؤ راجہ کا ہے کیوں کر نہ چڑھے سر سہرا
ایک عالم جو تری بارگہِ حسن میں ہے
مرجعِ اہلِ جہاں ہے یہ مقرر سہرا
بخت کی دیکھ بلندی کہ کہاں پہنچا ہے
آج ہے افسرِ نوشہ کے برابر سہرا
مہر نے اپنے مقابل جو کیے تارِ شعاع
آپ انصاف سے بولا کہ ہے بہتر سہرا
رخِ نوشاہ پہ کیا نور ہے چشم بددور
بن گیا مہرِ جہاں تاب کا منظر سہرا

---

۱ ۔ شیو دھیان سنگھ ۔

اس کی بو باس نہ کس طرح سے ہو مشک نشاں
پاس رکھتا ہے بہت زلفِ معنبر سہرا
صرف کر خوب گُہرہاے مضامیں سالک
جائے گا نذرِ مہاراج کو الور سہرا

(بہ تقریب شادی حکیم عبدالمجید خاں خلف حکیم
غلام محمود خاں دھلوی)

پاے بوسی کو جھک گیا سہرا
ہے بہت رُتبہ آشنا سہرا
یہ بھی ہے اک تضاد کی صورت
بندھ کے نوشاہ پر کِھلا سہرا
حُسنِ نوشاہ دیکھ کر زرِ گل
نذر کرتا ہے رونما سہرا
کھانے آیا ہوائیں جنبش کی
تا سرِ دامنِ قبا سہرا
بس کہ نیچی ہیں شرم سے نظریں
بن گیا پردۂ حیا سہرا
عجز سے جُھک کے مانگتا تھا آج
طولِ شب کے لیے دعا سہرا
صبح مرجھا گیا جدا ہو کر
اس کے رُخ پر ہی مبتلا سہرا
لائے عبدالمجید خاں کے لیے
سالک اکثر سخن سرا سہرا

میں نے بھی لکھ لیے ہیں چند اشعار
مجھ کو کہنا ہے دوسرا سہرا

(بہ تقریب شادی حکیم محمد واصل خان خلف
حکیم غلام محمود خان دہلوی)

آج یہ کس کے سر بندھا سہرا
تاجِ خسرو سے بڑھ گیا سہرا

ہے وہ اقبال مند واصل خاں
جس کے سر پر ہے بخت کا سہرا

نور نوشاہ پر برستا ہے
سہرے پر اور ہی جدا سہرا

سعیِ خورشید ہو گئی مشکور
زر کے تاروں سے جو بنا سہرا

صلۂ کوششِ نسیم ملا
یعنی پھولوں سے ہے گندھا سہرا

چشمِ بد کے لیے نقاب کی شکل
رُخِ نوشاہ پر بنا سہرا

دیکھ حسرت سے افسرِ پرویز
تجھ سے افزوں ہے خوش نما سہرا

سہرے پر یوں عیاں تجلیِ حُسن
جس طرح رخ پہ ہے پڑا سہرا

پائی یہ بو گلوں نے کب لیکن
زلفِ مشکیں سے ہے بسا سہرا
رخ ہے خورشید اور[1] گہر شبنم
صبح ہوتے ہی اٹھ گیا سہرا
گلِ خنداں نہیں یہ سہرے میں
آج سالک ہے ہنس رہا سہرا

(بہ تقریبِ شادی محمد سلیمان)

لیے ساتھ عشرت کا ساماں ہے سہرا
ترے سر محمدؐ سلیماں ہے سہرا
ترے رخ پہ کیوں بن گیا ہے نقاب
مگر چشمِ بد کا نگہباں ہے سہرا
جدائی ترے رخ سے ہے ناگوار
ہوا سے نہایت پریشاں ہے سہرا
قدم چومنے کا ہے دونوں کو قصد
اُدھر زلف ادھر تا بہ داماں ہے سہرا
نہیں ہیں یہ سہرے میں گل ہائے خنداں
وفورِ مسرت سے خنداں ہے سہرا
بھرا ہے گہرہائے خنداں سے آج
یہ کس بحرِ خوبی کا داماں ہے سہرا
مبارک مبارک کہیں کیوں نہ آج
بہت سے دلوں کا یہ ارماں ہے سہرا

---

۱ - 'اور' بروزن فع.-(مرتب)

نظر ہے زمانے کی ازبس کہ اس پر
یہ سہرے پہ تازہ نمایاں ہے سہرا

چمک تارِ مقیش کی کون دیکھے
کہ جلوے میں اپنے ہی پنہاں ہے سہرا

اٹھا آرسی[۱] اور مصحف کے وقت
چڑھا تیرے سر اور نازاں ہے سہرا

بنایا ہے رضواں نے خوب اس کو سالک
وگرنہ بنانا کچھ آساں ہے سہرا ؟

---

۱ - آرسی مصحف : مذکر ، ہندوستان کے بعض مسلمانوں کی رسم - نکاح کے بعد دلہن کے گھر میں دولھا کو بلاتے ہیں اور دولھا دلہن کو آمنے سامنے سر سے سر ملا کر بٹھلا کر اور سرخ دوشالہ یا دوپٹہ دلہن کے سر پر ڈال کر آئینہ اور قرآن شریف سورۂ اخلاص کے مقام پر کھول کر بیچ میں رکھ دیتے ہیں - عورتیں دولھا سے اصرار کرتی ہیں کہ دیکھو اور کہو : "بی بی میں تمھارا غلام ، آنکھیں کھولو"۔ دولھا کہنے میں تامل اور اغماض کرتا ہے ، آخر اُس سے دھینگا دھینگی کہوا ہی لیتی ہیں - دلہن جب اس پر بھی شرم سے آنکھیں نہیں کھولتی ہے تو منت سماجت کرکے سمجھاتے ہیں کہ آنکھیں کھول کر بی بی آئینہ دیکھ لو - جب دلہن ذرا ذرا آنکھیں کھول دیتی ہے تو دولھا کہہ اُٹھتا ہے کہ آنکھیں کھول دیں اور اپنے ہاتھ کی انگوٹھی دلہن کے ہاتھ میں پہنا دیتا ہے -

(نوراللغات ، حصہ اول ، صفحہ ۹۱ ، طبع کراچی)

به تقریب تسمیه خوانی فرزند ارجمند نواب میر ابراهیم علی خاں

گراتا ہے جو یہ زرتار بسم‌اللہ کا سہرا
مگر کرتا ہے زر ایثار بسم‌اللہ کا سہرا

بھرے ہیں عارضِ نوشاہ میں خورشید کے جلوے
بنا ہے مطلعِ انوار بسم‌اللہ کا سہرا

یہ لڑیاں موتیوں کی ہیں کہ اک رحمت برستی ہے
مگر ہے ابرِ گوہر بار بسم اللہ کا سہرا

خدا کا نام ہے اس میں شریکِ ورد کر زاہد
پڑھا جائے اگر سو بار بسم اللہ کا سہرا

رخِ نوشاہ سے اٹھا تو جو کچھ طور پر گزرا
کرے گا بزم پر اظہار بسم اللہ کا سہرا

بسی ہے انجمن کیا انتشارِ نکہتِ گل سے
ہے رشکِ گلشنِ فرخار بسم اللہ کا سہرا

رخِ نوشاہ پر سہرا ہے اور سہرے پہ ہے گویا
هجومِ کثرتِ انظار بسم اللہ کا سہرا

پہنچ جائیں گے اس کے یُمن سے منزل پہ ہم سالک
لکھا ہے ریل میں اے یار بسم اللہ کا سہرا

قطعات

قطعۂ مدحیه

که به تقریبِ سال‌گره مہاراو راجه شودان[1] سنگھ بہادر والی الور پیکر پزیر نگارش گشته

یه کس کی سال گره کی ہے آج بزمِ طرب
که کارِ خلق سے کھلتی ہے روزگار گره
سپہر مرتبه شیودان سنگھ جو گا ہے
لگائے کیسۂ زر پر نه زینہار گره
مگر یه اُس کی برس گانٹھ کا جو رشته ہے
که جس میں اور لگاتے ہیں بے شمار گره
یه رشته حضرتِ یوسف کے پیرہن کا ہے
اور اُن کے بندِ قبا کی ہے اُستوار گره
سمجھ لیا ہے سرِ سال نے اسے انعام
ہوئی جو صورتِ دستار آشکار گره
نه کیوں که لوگ اسے موتیوں کا ہار کہیں
که ہے به منزلۂ دُرِّ شاہوار گره
شعاعِ مہر نے کھایا حسد جو رشتے پر
تو چشمِ بد کے لیے بن گئی حصار گره
نسیم صبح کو ہوتا ہے غنچے کا دھوکا
دکھا رہی ہے عجب رنگ سے بہار گره

---

۱ - شیودھیان سنگھ -

گرہ میں خضر کی تھی ایک نقد عمرِ ابد
یہ دوسری ہوئی دنیا میں مایہ دار گرہ

دعائے طولِ بقا دینے آئیں گے ہر سال
یہ دی ہے خضر نے اب بہرِ یادگار گرہ

شمار سے ہیں سوا کہکشاں کے پاس نجوم
یقین ہے پائے یہ رشتہ بھی بےشمار گرہ

برابری نہ ہو اس رشتے کی ، اگر دیں بھی
ملا کے طولِ امل اور زلفِ یار گرہ

یہ رشتے میں ہے درازی اور اس پہ کیا ہے عجب
هجوم سے ہو گرہ پر اگر سوار گرہ

زبس کہ رشتے میں آنے کی آرزو میں ہے
ہمیشہ بےخود و بےصبر و بے قرار گرہ

بسانِ دانۂ تسبیح وقتِ خواندنِ ورد
عجب نہیں ہے کہ دوڑے بہ روے تار گرہ

نہ کیوں کہ سب سے زیادہ یہ مایہ دار بنے
گرہ میں لائی ہے بس نقدِ اختیار گرہ

یہ میم مژدۂ عیش و نشاط کی صورت
ہوئی ہے مژدہ دہِ امنِ روزگار گرہ

شمار میں ہے یہ اٹھارھویں گرہ سالک
دعا یہ مانگ کہ دی جائیں بے شمار گرہ

ایضاً

اے حاتمِ زمانہ زباں پر ہے میری نام
شیو دان سنگھ خسروِ دارا نشاں ترا
دی ہے خدا نے میرے دہن میں زباں گو
پر اس زباں سے کیوں کہ نہ ہوں مدح خواں ترا
تو وہ کہ مجھ سے لاکھ اگر ہوں سخن گزار
زنہار ایک سے بھی نہ ہووے بیاں ترا
رفعت میں لامکاں ہے کہ ہے عرش سے اُدھر
کیا جانے آسماں ، کہاں ہے مکاں ترا
اک ایک ذرہ غیرتِ خورشید ہے یہاں
مشرق ہزار مہر کا ہے آستاں ترا
ہے فرقِ صنعِ خالق و مخلوق آشکار
بہتر ہے جامِ جم سے دلِ رازداں ترا
یہ حسنِ خلق مہرِ سلیماں سے کم نہیں
فرماں پزیر کیوں کہ نہ ہو اک جہاں ترا
تو جس طرف سے گزرے ہزاروں ہی سر جھکیں
بنتا ہے نقشِ سجدہ قدم کا نشاں ترا
پرویز کس طرح نہ ہو تلخی کشِ فراق
شیریں جو ایک بار سنے کچھ بیاں ترا
نکلیں کسی روش سے نہ پھر حوریانِ عدن
آنے کو منع گر نہ کرے پاسباں ترا
کیوں کر کمی ہو دست گہِ فیضِ عام میں
تو مہربانِ خلق و خدا مہرباں ترا

اللہ ہی گر رکھے تو رہے آبروے بحر
دستِ کرم ہوا ہے یہ گوہر فشاں ترا

جمشید محنتوں سے بناتا نہ جام کو
آتا جو ہاتھ جام مئے ارغواں ترا

خوابِ گراں تو بختِ عدو کو ترے دیا
کیوں کہ نہ ہوشیار رہے پاسباں ترا

عمرِ ابد جو خضر کو دی ہے تو اس لیے
اک پیرِ نیک خواہ رہے ہر زماں ترا

دنیا میں مہر و ماہ کی جب تک ہے روشنی
روشن رہے یہ نیّرِ بختِ جواں ترا

ہر سال اس طرح سے ہو جشنِ گرہ سعید
قائم جہاں میں نام رہے جاوداں ترا

بہ تقریب سال گرہ فرزند اقبال پیوند مہاراو راجہ شودان سنگھ بہادر والیِ الور

زمانِ عمر مہاراج لعل جی سالک
دراز زندگیِ خضر سے بھی بڑھ کر ہو

ملے وہ علم کہ جس علم پر عمل ہو انھیں
ملے وہ حلم کہ جو کوہ سے گراں تر ہو

وہ جاہ جس پہ حسد کھائے خسروِ پرویز
وہ بخت جس سے خجل طالعِ سکندر ہو

وہ رائے حق سے عطا ہو کہ روشنی جس کی
بسانِ مہرِ جہاں تاب خلق پرور ہو

صفت کرم کی ملے وہ کہ یمن سے جس کے
دہش کے وقت اگر ہو اقل تو اکثر ہو
وہ قصرِ دولت و اقبال کو ملے رفعت
کہ جس میں چرخِ چہارم بھی ایک منظر ہو
یہ رشتہ جس میں گرہ آج دی گئی سالک
ہزار دانۂ تسبیح کے برابر ہو

قطعہ

به مدح نواب میر یاور علی خاں بہادر شہاب جنگ صدر المہام
متفرقات ممالک محروسۂ سرکار نظام

خاک میں ہوں ملا ہوا لیکن
رتبہ کیوں آسماں سے برتر ہے
سر جھکائے ہوئے مرے آگے
گاہ جم ہے، گہے سکندر ہے
خلق کرتی ہے کیوں مری تعظیم
کیا زبونیِ بختِ جوہر ہے
لے گئے ساتھ 'اب' 'عم' (و) 'اجداد'
اب نہ دولت نہ جاہ، نہ فر ہے
پہلے تھا جس میں بادۂ گل گوں
آج خالی پڑا وہ ساغر ہے
جس میں رہتے تھے جلسہ ہائے نشاط
اب مصیبت کدہ وہی گھر ہے

نہیں آتا سمجھ میں کچھ زنہار
کیوں تباھی مری موقّر ھے

نذر دیتا ھوں عید کی کس کو
کس کا دیدار روح پرور ھے

کس کے پابوس کا شرف پایا
کس کے آگے جھکا ھوا سر ھے

صدرِ بزمِ وقار صدرِ مہام
جس کی تمکیں بیاں سے باھر ھے

بزم میں کہیے خسروِ پرویز
رزم میں رستمِ دلاور ھے

روشنی وہ کلام میں اُس کے
جس سے شرمندہ مہرِانور ھے

اُس کی ھر بات میں ھے وہ اعجاز
ابن مریم کو رشک جس پر ھے

پاس ھے اپنے نام کا اس کو
بندگانِ خدا کا یاور ھے

میرا مطلب بر آئے گا کہ دعا
میرے لب پر ھجوم آور ھے

اُس کو ھر روز، روز عید بنے
تا قمر زیبِ چرخِ اخضر ھے

اُس کے دشمن کو روزِ بد ہو نصیب
تا سپہرِ بریں کو چکّر ھے

———

قطعہ

بہ طلب کشتۂ مرجان بہ خدمت
جناب حکیم محمود خاں دام افاضتہم

ہیں وہ محمود[1] خاں عیسیٰ دم
جن سے پائیں مریض اکثر جان
ذکر کیا ہے یہاں ارسطو[2] کا
کچھ فلاطوں[3] سے اُن کو بہتر جان
نبض پر جس کی ہاتھ رکھ دیں وہ
نیم جاں ہو تو جائے پا کر جان
نسخہ اُن کا ہے نسخۂ صحت
اور تبرید[4] روح پرور جان
اُن کو دستِ شفا ہے ارزانی[5]
اُن کا ہر نسخہ 'طبِ اکبر' جان
فیضِ عام اُن کا عام ہے ہر جائے
خاص سالک نہ ایک مجھ پر جان

---

۱ - حکیم صادق علی خاں (متوفی ۱۲۶۳ھ) کے فرزند اور دہلی کے مشہور حکیم - (مرتب)

۲ - مشہور یونانی حکیم ، 'افلاطون' کا شاگرد اور 'سکندر' کا استاد (۳۸۴-۳۲۲) (دیکھیے جامع اللغات جلد ۱ صفحہ ۱۶۸)

۳ - مشہور یونانی فلسفہ داں اور مصنف ، 'سقراط' کا شاگرد (۴۲۷-۳۴۷) (جامع اللغات جلد ۱ ، صفحہ ۲۱۹)

۴ - ٹھنڈی دوا ، وہ دوا یا شربت جو تپ کے پہلے تین دن اور مسہل کے بعد اُس کی حرارت کو کم کرنے کے لیے دیتے ہیں -
(جامع اللغات جلد ۲ ، صفحہ ۱۸۵)

۵ - اس شعر میں تلمیح ہے - حکیم ارزانی مشہور حکیم گزرے ہیں - 'طب اکبر' اُن کی تصنیف ہے -

کیوں نہ درخواست میری ہوگی قبول
کیوں نہ بھیجیں گے کشتۂ[1] مرجان

قطعہ

بہ عالم گوشہ نشینی از بیم مخبراں بہ محمد تفضل حسین خان کوکب در الور[2] نوشتہ شد

کوکبِ دوست نوازا و ملاذِ سالک
تم سے کرنا ہے یہ اظہارِ تمنا مجھ کو
کیا کہوں حالتِ بے تابیِ شوقِ دیدار
بیٹھے بیٹھے جو خیال آپ کا آیا مجھ کو

---

۱ ۔ مذکر ۔ پھنکی ہوئی دھات جیسے کشتہ سیماب (نوراللغات جلد سوم صفحہ ۷۸۱) مرجان جس کو مونگا بھی کہتے ہیں ، دھات نہیں از ، قسم حجریات ہے ۔ حکما اس کو پھونک کر سفوف بنا لیتے ہیں اور یہ کشتہ مرجان کہلاتا ہے ۔ (مرتب)

۲ ۔ الور (ہند) ۱۔ راجپوتانہ میں ایک ریاست ۔ رقبہ ۳۱۴۱ (۷۰۲) آمدنی پچپن لاکھ روپیہ سالانہ ۔ ۲ ۔ اس ریاست کا دارالخلافہ (۴۵) ۔(جامع اللغات جلد اول صفحہ ۲۶۵) ۔ تقسیم بر صغیر پاک و ہند کے بعد یہ ریاست ختم ہو چکی ہے ۔ جنگ آزادی (۱۸۵۷ع) سے پہلے ہندو راجہ متعصب نہ تھے اور وطن پرست تھے ۔ مسلمان ارباب علم و فن کی قدردانی کرتے تھے ۔ جنگ آزادی کی ناکامی پر (ستمبر ۱۸۵۷ع) دلی والوں پر مصائب کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ صہبائی جیسے عالم شہید ہوئے ، آزردہ اور شیفتہ جیسے اکابرین دہلی گرفتار ہوئے ۔ پوری آبادی کو شہر بدر کر دیا گیا ۔ سالک بھی اس قیامت صغریٰ میں 'الور' میں پناہ گزیں ہوئے ۔ اب انگریزی حکومت کے مخبر، شرفا کو گرفتار

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

دلِ بے تاب نے بستر پہ لٹایا کیا کیا
دیدۂ تر نے بٹھایا لبِ دریا مجھ کو
دستِ وحشت نے مرا جیب و گریباں تاکا
دشت گردی کا کیا پاؤں نے ایما مجھ کو
دن کو وہ فتنے ہیں مجھ پر کہ جو محشر میں نہ ہوں
شب وہ آفت ہے کہ ہے روز ہی اچھتا مجھ کو
قافلہ قافلہ ہیں رنج و الم میرے ساتھ
اور پھر اہلِ جہاں کہتے ہیں تنہا مجھ کو
پاؤں میں غور سے دیکھا تو نہیں ہے زنجیر
اور اس پر نہیں رفتار کا یارا مجھ کو
طوق کا بوجھ بھی گردن میں نہیں ہے لیکن
سر اٹھانے میں ہے اندیشہ فلک کا مجھ کو
نہیں دیکھا تھا سو تقدیر سے یوں پیش آیا
گھر میں بیٹھے ہوئے زنداں کا تماشا مجھ کو
غرض اس سب سے ہے یہ بات کہ بلواؤ مجھے
اور جو بلوانے میں نقصان ہو پیدا مجھ کو
بھیجیے لکھ کے جو احوال ہوا ہو معلوم
کچھ تو تسکیں کا مری کیجیے ایما مجھ کو

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ)

کراتے اور وہ بغاوت کے الزام میں بے گناہ پھانسی پاتے ۔ مخبر کو فی کس دو روپیہ صلہ ملتا ۔ یہ قطعہ ۵۸ - ۱۸۵۹ء کے مابین لکھا گیا ہے اور سالک نے کوکب سے دہلی آنے کے بارے میں مشورہ طلب کیا ہے ۔ (مرتب)

جانتے ہو کہ میں آوارہ و بازاری ہوں
مرتبہ حضرتِ یوسف کا نہ دینا مجھ کو

قطعہ

(مدح کوکب)

جس کو ہم آسماں سمجھتے ہیں
رفعتِ عزّ و شانِ کوکب ہے
جس کو ہندوے[1] چرخ کہتے ہیں
بندۂ بندگانِ کوکب ہے
کیوں نہ ہو اتقیا گزیں برجیس[2]
قاضیِ شرع دانِ کوکب ہے
سب پہ چھائی ہے ہیبتِ مرّیخ
پاس اس کے سنانِ کوکب ہے
مہر کیوں کر نہ اس قدر چمکے
ذرۂ آستانِ کوکب ہے
زہرہ پر کیوں نہ ہو مدارِ سرور
مطربِ نغمہ خوانِ کوکب ہے

---

۱ - ہندوے چرخ ، ہندوے فلک (ف) مذکر ، ستارۂ زحل ، جو سیاہ رنگ کا ساتویں آسمان پر ہے - (نوراللغات جلد ۴ صفحہ ۸۷۹)
۲ - برجیس - (ف) (بہ کسر اول و سوم معرب برجیس بہ فتح اول کا ہے) مذکر - ستارے کا نام جو چھٹے آسمان پر ہے ۔ اس کو مشتری اور قاضیِ فلک بھی کہتے ہیں - (نوراللغات ج ۱ صفحہ ٦٠٩)

نام جس کا رکھا دبیرِ سپہر
حاسدِ منشیانِ کوکب ہے

قدسیوں سے ہے رسم و راہ کہ ماہ
پیکِ نامہ رسان کوکب ہے

کرہ آتش کا فصلِ سرما میں
مجمرِ عود دانِ کوکب ہے

پردۂ زمہریر کو دیکھو
بہرِ گرما مکانِ کوکب ہے

بادِ شرق و جنوب و غرب و شمال
نفسِ باغبانِ کوکب ہے

ابرِ نیساں کو رشک ہے جس کا
کفِ گوہر فشانِ کوکب ہے

کرۂ خاک و آب کا کیا ذکر
لا مکاں آستانِ کوکب ہے

فوق سے تحت تک غرض سالک
ہر جگہ ذکرِ شانِ کوکب ہے

قطعہ

به فرمائش دوستے به تعریف فلفل سرخ

فلفلِ سرخ بھی ہے خوانِ زمیں پر اک چیز
اس کی تعریف میں جو کچھ کہ ہے شایاں کہیے

لبِ پاں خوردۂ معشوق سے نسبت دیجے
سرِ انگشتِ حنا بستۂ خوباں کہیے

بے تکلف قدِ گل‌رنگ لباساں لکھیے
سدِ شنجرفیِ یاقوت رقم خاں کہیے

سبز رنگی میں سزاوار ہے جو کیجیے فرض
سبز فولاد کا نوساختہ پیکاں کہیے

سرخ رنگی میں نہ کہیے کہ اسے کیا لکھیے
خنجرِ تر شدۂ خونِ شہیداں کہیے

سببِ سرخیِ منقار بیاں گر کیجے
تو اسے لقمۂ طوطیِ سخن داں کہیے

دیکھ لیجے جو لٹکتے ہوئے اُلٹا اس کو
سبزۂ حلقۂ گوشِ چمنستاں کہیے

سر نگوں شاخ میں ہے مثل حیا مندوں کے
ہاتھ آ جائے تو اک شوخِ ستم راں کہیے

دانت رکھتے ہیں بہت اس پہ حریصانِ جہاں
اس کو ہم لذتِ بوسِ لبِ جاناں کہیے

رکھیے گر ہاتھ پہ دو تین اُٹھا کر سالک
ہاتھ کو رشک دہِ پنجۂ مرجاں کہیے

———

قطعہ[1]

در بیان کثرت اموات کہ بعد زمانۂ غدر واقع ۱۲۷۳ ھجری روداده

زورِ بازارِ موت دیکھ کہ چین
ملک‌الموت کو نہیں اک دم
نہیں[2] کس جائے ڈھیر مُردوں کا
نہیں کس لب پہ نالۂ پیہم
نہیں تل دھرنے کی زمیں میں جگہ
مُردے کا دفن ہے اگرچہ اہم[3]
خاک آسودگانِ پیشیں پر
یہ نئی طرح[4] کا ہوا ہے ستم
ایک کی قبر میں گئے سو اور
تنگیٔ جا سے[5] لڑتے ہیں باہم

---

۱ - فغان دہلی مطبوعہ چشمۂ فیض دہلی ۱۲۹۹ھ صفحہ ۵۵ میں ترتیب بدلی ہوئی ہے اور پہلا شعر یہ ہے:

شہر دہلی ہوا ہے کیوں خالی
کیوں مٹی یاں سے صورت آدم

چھٹے شعر کا مصرع ثانی بجنسہ اس شعر کا مصرع ثانی ہے - مصرع اولیٰ کلیات میں نہیں ہے -

۲ - ڈھیر کس جا نہیں ہے مردوں کا
کس زباں پر فغاں نہیں پیہم (فغان دہلی، صفحہ ۵۵)

۳ - ہو بلا سے اہم (فغان دہلی صفحہ ۵۵)

۴ - طور (فغان دہلی صفحہ ۵۵)

۵ - پہ - (فغانِ دہلی صفحہ ۵۵)

کیا رہیں گے یہاں وحوش و طیور
کیوں مٹی یاں سے صورتِ آدم

قافلے قافلے چلے کیوں لوگ
کب ہے اتنا وسیع ملکِ عدم

نہیں جاتی مگر عدم کو یہ خلق
اور ہی نکتہ اس میں ہے مبہم

کرۂ خاک و باد و آتش و آب
فرطِ خلقت سے ہو گئے تھے کم

روئے اپنی کمی پہ جب[1] چاروں
ہو گیا رحمِ خالقِ عالم

دے دیے آن کو لے کے خلقت سے
کچھ عناصر جو مل گئے[2] تھے بہم

قطعات تاریخی

(قطعۂ تاریخِ وفات عظیم الدین)

فراز آمد عظیم الدین را مرگ
دلِ احباب زیں غم شد دو نیم آہ

چوں پرسیدند سالِ مرگش از من
کشیدم آہ از ریخِ عظیم آہ

۱۲۷۳ — ۶ = ۱۲۶۷ھ

---

۱ - یہ - (فغان دہلی صفحہ ۵۵)
۲ - رہے - (فغان دہلی صفحہ ۵۵)

قطعۂ تاریخ وفات زبدۃالعارفین حضرت محمد نصیرالدین معروف کالے صاحب قدس سرہ العزیز

از مرگِ نصیر دین فخری
پوشید سیہ بہ غم جہانے
یک سوئے بود صدائے شیون
از سوئے دگر رسد فغانے
ما نیز گریستیم و گفتیم
پیوست بہ حق خدائے دانے

قطعہ

(تاریخ وفات عارف ، مومن ، تسکین)

برس دن میں مرے یہ تین شاعر
کہ جو تھے حضرتِ دھلی کے ساکن
نہ ہاتھ آئی کوئی تاریخِ رحلت
رھی فکر اس کی سالک کو بہت دن
کہا دل نے کہ داخل ہو گئے سب
ارم[۲۴۱] ، میں عارف[۳۵۱] و تسکین[۵۴۰] و مومن[۱۳۶]

١٢٦٨ھ

قطعۂ تاریخِ وفات مرزا زین‌العابدین خاں عارف

جب کہ زین‌العابدیں خاں مر گئے
آگے آنکھوں کے اندھیرا آ گیا
ہم پہ برپا اک قیامت ہو گئی
اس سپہرِ فتنہ جو کا کیا گیا

یوں کہی سالک نے تاریخِ وفات
روئے دل[۴] پر داغ هجراں "۱۲٦۴" چھا گیا
۱۲٦۸ھ

قطعهٔ تاریخِ وفات میرکاظم علی سجاده نشین حضرت سلیم چشتی
رحمة الله علیه

ز دار فنا رختِ هستی به بست
قضا گفت افسوس کاظم علی
به جستیم سالِ وفات و سروش
به ما گفت "افسوس کاظم علی"
۱۲٦۸ھ

قطعه

(تاریخ بنائے مسجد محمد شکور)

آن کریم‌الصفات پاک سرشت
آن محمد شکور نیک نهاد
تا بنا کرد مسجدِ عالی
فارغ آمد ز بندِ فکرِ معاد
سال تعمیر گفتم از تهِ دل[۳۰]
کعبهٔ ثانی است نو بنیاد
۱۲۷۲ = ۱۲۴۲ + ۳۰

قطعہ

(تاریخ بنائے مسجد اسلام خاں)

عجب مسجد بنی اسلام خاں کی
پڑی یہ دین کی گویا کہ بنیاد
لکھی تعمیر کی سالک نے تاریخ
عبادت خانۂ اسلام آباد

۱۲۷۳ھ

قطعہ تاریخ تعمیرِ مکان نواب غوث محمد خاں شوکت جنگ بہادر والی جاورہ

ہوئی تمام جو تعمیر قصر شوکت جنگ
توکہہ کے سالِ بنا لائے شاعران دہر
ادب کے ساتھ یہ میں نے بھی نذر کی تاریخ
مکان قصر جناں اور سلسبیل ہے نہر

۱۲۷۳ھ

قطعہ

(تاریخ خود کشی میر جان)

بنمود میر جانِ حزیں آہ خود کشی
جاں داد خوں بہ گردن او ماندہ صد دریغ
تاریخِ این ملال چہ گویم کہ خود نہاد
از بہر سال واقعہ گردن۲۷۳ بہ زیر تیغ ۱۰۰۰

۱۲۷۳ھ

قطعه

(تاریخ وفات ثناء اللہ)

ہے غضب رحلتِ ثناءاللہ
تو نے اے چرخ کی یہ کیا بے داد
خانۂ دوستاں ہے غم خانہ
دشمنوں کا ہے گھر نشاط آباد
مجھ کو سالِ وفات کی تھی فکر
ہاتفِ غیب نے کیا ارشاد
جان لے جب کہ نکلی جانِ[۱] عزیز ۱۳۸
ملی بے شبہ اے خجستہ نہاد
خاک۶۲۱ میں خاک۶۲۱ اور آگ۲۱ میں آگ۲۱
پانی۶۳ میں پانی۶۳ اور باد۷ میں باد۷
گر کہے کوئی کیا ہوئی تاریخ
تو یہ کہہ اُس سے اے سخن نقّاد
یہ عناصر کیے جو میں نے بیاں
ایک کے ایک پر بڑھا اعداد
جتنے جانِ عزیز[۲] کے ہیں عدد
کھو دے اور سالِ مرگ کر ایجاد
۱۲۷۶ھ

---

۱ - 'جان عزیز' کے ۱۳۸ عدد ہوتے ہیں ، کلیات سالک مطبوعہ (صفحہ ۲۶٦) میں ۱۳۷ غلط لکھے ہیں - (مرتب)

۲ - ۱۳۲۴ میں سے ۱۳۸ جان عزیز کے منفی ہوں گے ۔

قطعه
(ولادت فرزند فتح جنگ)

حق نے فرزندِ با سعادت آج
میرے مخدوم کو کیا ہے عطا
نیک خواہوں کی تھک گئی ہے زباں
مانگتے مانگتے اسی کی دعا
لو بڑھاپے کے ساتھ آئی مراد
یاس و حرماں کا نقش دل سے مٹا
خشک کشتِ امید تھی بالکل
پھل گلستانِ آرزو میں نہ تھا
میں نے بھی سالک اس خوشی کا سال
''نخلِ[1] امیدِ فتح جنگ'' لکھا
۱۲۹۶ھ

قطعۂ تاریخ میلادِ فرزند سید محمد حسین تحصیل دار چونیہ

چوں محمد حسین را فرزند
کرد اکرام خالقِ اکرم
گفت سالِ ولادتش سالک
از سرِ ہوش نیرِ اعظم
۵ + ۱۲۷۱ = ۱۲۷۶ھ

---

۱ - ''نخل امید فتح جنگ'' سے اعداد ۱۲۹۶ھ برامد ہوتے ہیں لیکن کلیات سالک (صفحہ ۲۶۷) میں اس کے اعداد ۱۲۷۶ھ لکھے ہیں جو درست نہیں - (مرتب)

قطعہ

(تاریخ ولادت فرزند محمد نعیم خاں)

کیا محمد نعیم خاں کو دیا
حق نے فرزندِ نیک خو سالک
فکر کیوں ہے کہ نام تاریخی
"نعمت اللہ خاں" کہو سالک

۱۲۷۷ھ

قطعہ

تاریخ بنائے مسجد نور محمد خاں

کس قدر خوش نما ہے یہ مسجد
جس سے شرمندہ مسجدِ اقصیٰ
سال زاہد نہ پوچھ سالک سے
آپ تُو خانۂ خدا میں آ

۱۷ + ۱۲۶۱ = ۱۲۷۸ھ

قطعہ

(تاریخ فوت جواہر لال جوہری)

ہجومِ خلق در بازار دیدم
کہ ہر یک بر زباں افسوس می برد
یکے گفتہ کہ رنجِ جوہری ہست
بگفتم چیست نامِ او و چوں مُرد

چنیں گفتا کہ بشنو سالک از من
جواہر[1] لال الماسِ قضا خورد
۲۳۶ + ۱۰۳۳ = ۱۲۷۹ھ

قطعۂ

تاریخ طبع ''شرح دساتیر'' مصنفۂ
مولوی نجف علی صاحب ساکن جھجر

ناثرے کز فقرۂ نثرش بود نثری[2] خجل
شاعرے کز[3] شعرِ نغزِ اوست شعری[4] شرمسار
جوہرِ صد گونہ فطرت ہست در طبعش نہاں
رازِ صد علم و ہنر از فکرِ او شد آشکار

---

۱ 'جواہر لال' کے اعداد ۲۷٦ ہوتے ہیں لیکن 'سالک' نے 'ل' کے اعداد ۳۰ خارج کر دیے اور صرف ۲۴٦ اعداد 'الماس قضا' کے ۱۰۳۳ میں شامل کرکے ۱۲۷۹ھ سن ہجری برآمد کیے ہیں۔ (مرتب)

۲۔ 'نثری' اصل متن (کلیات سالک صفحہ ۲٦۸) میں ہے۔ شاید سہو کتابت ہو اور نثرہ ہو۔ غیاث‌اللغات میں 'نثرہ' بہ معنی منزل ہشتم قمر ہے۔ ملاحظہ ہو:
نثرہ۔ بالفتح منزل ہشتم از منازل قمرو آں دو ستارہ است از قدر چہارم نزدیک دگر در برج اسد از صراح و آئین اکبری و در یکے از رسائل معتبرۂ ہیئت و تنجیم نوشتہ کہ نثرہ چوں پارۂ ابر است برمینۂ سرطان
(بقیہ حواشی اگلے صفحے پر)

فیضِ تدقیقاتِ او چون ابر باشد نفع بخش
حکمِ تحقیقاتِ او در ملکِ معنی استوار
عالمے را صیتِ علمِ او گرفته در بغل
دشنهٔ تیز است بہرِ حاسدانِ هرزه کار
لعب او سقراط را آموزگارِ حکمت است
سرّ او بقراط را در سینه چون دل در کنار

(پچھلے صفحے کے بقیه حواشی)

درمیان چهار کوکب بر شکل مربع منحرف ـ (غیاث‌اللغات صفحه ۳۶۷ طبع لکھنئو) لیکن مؤلف هفت قلزم نے اسے نثره زاے فارسی سے پڑھا ہے وه لکھتا ہے :

نثره ـ به فتح اول و زاے پارسی و ظهور هاے مدوره شاخ درختے را گویند که بسیار لطیف و نازک برآمده باشد و ورق طلا و نقره را نیز گویند که به‌هیئت برگ گل بریده باشد و برسر بادشاهان و نوداماداں نثارکنند و نام ستارهٔ هم هست از ثوابت و آن چهار ستارهٔ است که به سرطان تعلق دارد و چوبے که سقف خانه را بدان پوشند به ضم نون به معنی تعویذ و افسون آمده ـ

(هفت قلزم جلد ششم صفحه ۳۷)

۲ ـ اصل 'گر' (کلیات سالک صفحه ۲۶۸) (مرتب)

۳ ـ شعری بالکسر و راے مهمله مفتوح بر وزن حربا مگر در استعمال فارسی راے مهمله مکسور کرده بروزن دهلی خوانند و آن ستارهٔ روشن است که بعد ازجوزا برآید چنان‌چه در آخر زمستان سر شام بر فلک نمایان می‌شود دو شعری هستند یکے را شعری عبور خوانند به فتح عین به واسطه آن که از حجره عبور کرده است و آن بسیار روشن است و دیگرے را شعری غمیصا نامند ، به جهت آن که گویا او خواهر سهیل است ازو دور افتاده ـــ و هر جا که فقط شعری مذکور شود مراد از شعری عبور باشد ـــ (غیاث‌اللغات صفحه ۲۹۳)

یاوہ گوئی ہاست با وے دعویٔ فضل و ہنر
آمدن دانست (کذا) پیشش ہر مہین آموزگار

خواہشِ مدحت طرازی کم نمی گردد ولے
تابِ گفتارم نماند است و صفاتش بے شمار

این کتابے زد رقم تا پارسی را شد اساس
یادگارے ہم بماند در جہانِ بے مدار

نیست این مجموعہ را ہرگز درین عالم نظیر
رحمتِ حق بر مصنف باد و ماند پائدار

گفتہ ام این قطعہ را سالک بہ طرزِ دل فریب
تا[1] نہ گویم شرح مضمونش نیابی آشکار

بنگر از ہر مصرعِ اول تو حرفِ اولین
گر بود نامِ مصنف را دلِ تو خواستار

حرفِ آخر ہم ازان گیر و ببین اعدادِ او
یک ہزار و دو صد و ہشتاد ہجری در شمار

اولین حرفے بگیر از آخرین ہر مصرعے
نامِ این مجموعۂ بے مثل را آسان برار

ور تو می جوئی نشان از عیسوی تاریخ نیز
آخرِ ہر مصرعِ آخر بگیر و یاد آر

چون حسابِ آن کنی و چون نہ بینی سالمش
جان نہ بینم در تنِ خود از کمیِ شصت و چار

---

۱ - 'تا' اصل متن میں غلط - (مرتب)

اگر[1] ز درگاہ خدا جانے[2] عطا گردد مرا
افگنم در خویش و در تاریخ هم آرم بکار
۱۲۸۰ھ - ۱۸۶۴ع

قطعه

(تاریخ بناے مسجد و چاہ و سرا و باغ خرم علی خاں)

مسجد و چاہ و سرا و باغ کی
جب رکھی خرّم علی خاں نے بنا
مسجد و چاہ و سرا و باغ ہے
۱۲۸۰ھ =۱۰۰۳+۲۶۱+۹+۱۰۷
سالِ تعمیر اس کا سالک نے لکھا

---

۱ - اول نو شعروں کے مصرع اولی کے حروف اولین ن ، ج ، ف ، ع ، ل ی ، خ ، ا ، ن ہوتے ہیں۔ اس سے مصنف شرح دساتیر کا نام نجف علی بن جاتا ہے - مصرع اولی کے حروف آخرین ل ، ن ، ش ، ل ، ت ، ر ے ، س ، ر ہیں ، جن کے اعداد ۱۲۸۰ ہوتے ہیں اور مصرع ثانی کے حروف اولین ش ، ر ، ح ، د ، س ، ا ، ت ، ی ، ر ہیں ، اس کا مجموعه 'شرح دساتیر' ہے۔ مصرع آخر کا حرف آخر 'ر' ہے جو تعداد میں نو ہیں اور ان کا مجموعه اعداد ۱۸۰۰ ہوتا ہے 'جانے' کے اعداد شامل کرنے سے۱۸۶۴ع سنین عیسوی برآمد ہوتے ہیں (مرتب)

۲ - 'جانے' کے عدد ۶۶ اصل متن میں غلط ہیں ۶۴عدد ہوتے ہیں (مرتب)

قطعهٔ تاریخِ وفات دختر نیک اختر ، محمد تفضل حسین خان مرحوم
کوکب تخلص

سالک ز وفاتِ احمدی بیگم آه
هر لحظه دمے شرر فشانست مرا
تاریخِ وفاتِ او سروشے از غیب
گفت آه دریغِ بر زبان ست مرا

۱۲۲۰ + ۶۰ = ۱۲۸۰ھ

قطعهٔ
(تاریخِ وفات دختران کوکب)

ز فضل‌الله خاں باید که پرسی
چه می‌پرسی ز سالک حالِ این غم
دو دختر مرد کوکب را به یک ماه
شد اندوهِ دو دختر سالِ این غم

۱۲۸۰ھ

قطعه
(صحت از درد شقیقه ظهورالحسن)

شفیقِ من که غمین بود از مرض سالک
شقیقه داشت سرش را ز هشت ماه گران
شفا به فرقِ ظهورالحسن رسید و بگفت

۳۸۱ + ۹۰۰ = ۱۲۸۱ھ

که سالِ صحتِ او را نموده‌ایم عیان

قطعه
(تاریخِ وفات آثم)

آوخ آوخ که سوے ملک عدم
رہ نہ دیدہ شتافتہ آثم
سالکِ غم زدہ رقم زد سال
قصرِ فردوس یافتہ آثم
۷۳۰ + ۵۵۱ = ۱۲۸۱ھ

قطعۂ تاریخِ تعمیرِ مسجدِ جامع سہارن پوری

للہ الحمد که شد مسجدِ جامع تعمیر
یافت[1] این قصبه زیمنِ حرمش معموری
قصبۂ گنبدِ والاش که چشمش مرساد
رفعت آن جا که ازو مہر کند مستوری
نه توان کرد نشیمن به منارش طائر
لائق آن است که عنقا بکند عصفوری
عبدِ رب، عالمِ بے مثل و فقیہِ یکتا
سعی موفور نمود از مددِ جمہوری
دیدم این سالِ بنا بر سرِ بالش سالک
مسجدِ قوتِ اسلام سہارن پوری
۲ + ۱۲۷۹ = ۱۲۸۱ھ

---

۱ - اصل متن میں 'یا قب' غلط ہے - (مرتب)

قطعه

(مسجد جامع سہارن پور)

رکھی گئی جو مسجدِ جامع کی یاں بنا
امداد مومنینِ جہاں سے طلب ہوئی
وہ شیخ عبدِ رب کہ فقیہِ یگانہ ہے
اُس سے ہوئی جو سعی بشر سے وہ کب ہوئی
سالِ بنا یہ سالکِ دل خستہ نے کہا
تائید مومنین کی تائیدِ رب ہوئی

۱۲۸۱ھ

قطعه

(تاریخ وفات ابوتراب خاں)

خانِ ذی شاں بہ خاک رفت افسوس
چہ ستم کرد گردشِ افلاک
ہر یکے نالہا بہ لب دارد
ہر یکے از الم گریباں چاک
نہ بود دل کہ مضطرب نہ بود
نہ بود دیدہ کو نہ شد غم ناک
سالِ ایں صدمہ گفتہ ام سالک
شد نہاں بوتراب خاں تہِ خاک

۱۲۶۲ + ۲۰ = ۱۲۸۲ھ

قطعہ

(تاریخِ وفات یوسف میرزا)

افسوس یوسف میرزا جاں داد در فرخ نگر
سالک دریں غم ہر کسے گریاں بود بر حالِ او
چوں نعش او از بہر دفن آمد دریں جا گفتہ شد
''تابوت[1] یوسف میرزا'' آمد بہ ''دہلی'' سال او
۱۲۳۳ + ۴۹ = ۱۲۸۲ھ

قطعہ

(تاریخ ترجمہ بوستان خیال از خواجہ بدر الدین دہلوی)

زہے دبیرِ سخن فہم خواجہ بدرالدین
کہ می کند بہ بزرگی دبیرِ چرخ ادب
ز فکر ترجمۂ ایں کتاب فارغ شد
نمود از منِ آشفتہ سالِ طبع طلب

---

۱ - اصل متن (کلیات سالک صفحہ ۱۷۲) میں 'تابوت یوسف میرزا' ہے، یعنی سالک نے ۱۲۳۳ اعداد شمار کیے ہیں اور 'دہلی' کے اعداد ۴۹ شامل کرکے ۱۲۸۲ھ تاریخ وفات برآمد کی ہے - حالانکہ 'تابوت یوسف میرزا' کے اعداد ۱۲۲۳ ہوتے ہیں - اس غلطی کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ 'سالک نے' 'تابوتے یوسف میرزا' لکھا ہو اور اسی بنا پر ۱۲۳۳ عدد لیے ہوں - ایسی صورت میں کسرہ کی اضافت کی جگہ 'ے' کا اضافہ کرکے ۱۲۳۳ عدد نکالے ہوں - مطبوعہ نسخہ کلیات میں 'تابوت' میں 'ے' نہیں ہے - میں نے متن میں تبدیلی نہیں کی ہے - البتہ اعداد مکتوبہ کی تصحیح کر دی ہے - صحیح تاریخ وفات ۱۲۸۲ھ معلوم ہوتی ہے - ایسی صورت میں 'تابوتے یوسف میرزا' مان کر 'دہلی' کے اعداد شامل کرکے صحیح تاریخ برآمد ہوگی - (مرتب)

ز ماه و سال نشان دادم و چنیں گفتم
هزار و دو صد و هشتاد و دو ، ماه رجب

۱۲۸۲ھ

قطعه

(تاریخِ عطاے خلعتِ هفت پارچه به مرزا اسد الله خان غالب)

اسد الله خان بهادر را
رهبری کرد بخت و اقبالش
داد خلعت گورنرِ پنجاب
مهربانی نمود بر حالش
عیسوی گفتم از سرِ عشرت
"خلعتِ هفت پارچه سالش"

۷۰ + ۱۷۹۶ = ۱۸۶۶ع

قطعه

(تاریخ بناے مکان میر عبد الله خان)

ببیں ایں قصرِ عالی را که با کیواں بود همسر
فضاے صحن وسعت مسکنِ او را جناں گفتم
نه شد تاریخِ تعمیرش ز پیرِ عقل خود سالک
"مکانِ[۱] نو بناے میر عبدالله خاں" گفتم

۱۲۸۳ھ

---

۱ - 'مکان نو بناے میر عبدالله خاں' کے اعداد ۱۲۷۳ھ هوتے هیں اور اصل متن (کلیات سالک صفحه ۲۷۱) میں ۱۲۸۳ عدد لکھے هیں -
(باقی حاشیه اگلے صفحے پر)

قطعہ

(تاریخ وفات میر افضل حسن)

مردنِ دوست ناگہاں سالک
خاطرم را بہ صدمہ کرد حزیں

لغزشے خورد پا و افتادہ
میر افضل حسن[1] بہ روے زمیں

۱۲۷۶ + ۷ = ۱۲۸۳ھ

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ)

اس طرح دس عدد کم ہوتے ہیں ۔ سالک نے 'مکانے' میں 'ے' مان کر دس عدد شامل کیے ہوں یا 'بنایے' میں دو یاے مان کر دس عدد اضافہ کیے ہوں یا 'پیر عقل خود' کے فقرے میں تعمیہ ہو اور دس عدد اس میں سے شامل کیے ہوں ۔ (مرتب)

۱ - 'میر افضل حسن' کے اعداد ۱۲۷۹ ہوتے ہیں ۔ ''کلیات سالک'' (مطبوعہ صفحہ ۲۷۱) میں ۱۲۷۶ عدد لکھے ہیں اور 'زمین' کی 'ز' کے ۷ عدد جمع کرکے ۱۲۸۳ سنین وفات برآمد کیے ہیں حالانکہ ۱۲۸۶ عدد ہوتے ہیں ۔ در اصل مصرع اول میں تخرجہ کا اشارہ کیا گیا ہے۔ 'پا' کے ۳ عدد خارج کرکے صحیح سنین ۱۲۸۳ھ برآمد ہوتے ہیں لیکن مطبوعہ نسخے میں لفظ 'پا' کے اعداد نظر انداز کیے گئے ہیں اس لیے بہ ظاہر غلطی نظر آتی ہے ۔ (مرتب)

قطعۂ تاریخ وفات نواب امین الدین خاں بہادر رئیس لوہارو

امین الدین احمد خاں بہادر[1]
ز دنیا رفت و شد فردوس مسکن

سروش از بہر تاریخ وفاتش
نوشتہ نام والایش بہ مدفن

۱۱۱۲ + ۱۷۴ = ۱۲۸۶ھ

قطعہ

(تاریخ جشن خلعت مسندنشینی راجہ شیودھان سنگھ) والی الور

والی الور شہنشہ مرتبت
آپ پر اقبال و دولت ہو فدا

مہر پر تنویر[2] کو دیکھے کوئی
آستاں پر آپ کے ہے جبہہ سا

خلعت مسند نشینی کا یہ جشن
جشن جمشیدی سے بھی کچھ بڑھ گیا

حاسدوں کو اس قدر ہے رنج و غم
حشر تک دل میں رہے گا جاں گزا

---

۱ - 'امین الدین احمد خاں بہادر' کے عدد ۱۱۱۲ ہوتے ہیں - مطبوعہ نسخہ ''کلیات سالک'' میں ۱۱۰۹ اور مجموعی اعداد ۱۲۸۳ غلط ہیں - ۱۲۸۶ھ سال وفات صحیح ہے [۱۱۱۲ + ۱۷۴ = ۱۲۸۶ھ]

۲ - 'تنور' اصل متن میں غلط ہے - (مرتب)

اس ھمایوں جشن کا سالک نے سال
خلعت[1] مسعود لکھا ہے بجا
١٢٨٠ + ٦ = ١٢٨٦ھ

قطعہ

(تاریخ ولادت فرزند تفضل حسین خاں کوکب)

یافت فرخ پسرے کوکب فرخندہ نژاد
بخت خوش طالع مسعود مبارک باشد
زاتش مجمر دل ھاے حسوداں امروز
بزم را سوختن عود مبارک باشد
سال ایں مژدہ بہ گفتم ز سر سور و سرور
جلوۂ[2] شاھد و مقصود مبارک باشد
١٢٨٨ھ

---

١ - 'خلعت مسعود' کے عدد ١٢٨٠ ھوتے ھیں 'بجا'، کے عدد ۴ اصل متن میں ھیں - اس صورت 'بہ جا' میں سے ب کو خارج کریں گے اور مطابق اصل متن ١٢٨۴ھ سنین خلعت مسند نشینی قرار پائیں گے لیکن ب کو خارج کرنے کے وجوہ نہیں ھیں - میں نے 'بجا' کے ٦ عدد مان کر ١٢٨٦ھ قرار دیے ھیں - (مرتب)

٢ - 'جلوۂ شاھد و مقصود مبارک باشد' یہ مصرع مطابق اصل متن (کلیات سالک صفحہ ٢٧٣) ہے - 'و' زائد معلوم ھوتا ہے - اس مصرع کے عدد واو کے ساتھ ١١٦٨ ھوتے ھیں اور واو کے ٦ عدد خارج کرکے ١١٦٢ ، اس طرح پہلی صورت میں تاریخ ١٢٨٨ھ ھوگی اور آخری صورت میں ١٢٨٢ھ (مرتب) -

قطعه تاریخ تولد نواب محمد رضا علی خاں (عاقل خلف اصغر علی خاں اصغر شاگرد مومن)

چناں یافت فرزندِ فرزانہ عاقل
کہ از دیدنِ او جہاں است خورسند
بہ عمرِ خضر جاوداں زندہ مالد
بہ بخت سکندر بود مرتبت مند
ظہورش بود خرمی زاد سالش
بہ جا گفت سالک کہ فرخندہ فرزند

۴ + ۱۲۸۰ = ۱۲۸۴ھ

قطعه

(تاریخ طباعت ترجمۂ بوستانِ خیال خواجہ بدرالدین)

چوں ہنر مند خواجہ بدرالدین
کہ بود شمعِ دودمانِ خیال
فارسی را لباس اردو داد
بہرِ تزئینِ داستانِ خیال
داد در مطبعِ رضا خانش
کرد در جسمِ طبع جانِ خیال
بے سرِ جہد سال او سالک
گفت[1] مطبوع بوستانِ خیال

۱۲۸۷—۳ = ۱۲۸۴ھ

---

۱ - مصرع ثانی کے نیچے اعداد ۱۱۸۲ (کلیات سالک صفحہ ۲۷۳) اصل متن میں لکھے ہیں - حالانکہ صحیح اعداد ۱۲۸۷ ہیں اور ج کے ۳ عدد خارج کرنے کے بعد ۱۲۸۴ رہ جاتے ہیں - (مرتب)

قطعه

(تاریخ وفات سید نظام الدین حسن)

جہاں سے اٹھ گیا افسوس جس روز
حقیقت دان حق جوے دل آگاہ
تو اس مبرور کی سالک نے تاریخ
کہی "سید نظام الدین حسن" آہ
۱۲۸۴ھ

قطعه

(تاریخ وفات مرزا اسد اللہ خاں غالب)

اسد اللہ خاں بہادر کا
بھر گیا کیوں حیات کا ساغر
اس ضعیفی و ناتوانی میں
کیوں عدم کی طرف کیا ھے سفر
حیف اے آسمانِ ناھنجار
واے اے روزگارِ کیں پرور
ھاے وہ تاج دارِ ملکِ سخن
ھاے وہ اوستادِ اهلِ ھنر
اس کے غم میں ھوا ھے ماتم عام
پھر نہ کیوں کر سیاہ ھو دفتر

گم رہانِ رہِ معانی کا
آج دنیا سے گم ہوا ہے خضر
پاؤں رکھنا سنبھال کر سالک
اب طریقِ سخن سے بے رہبر
کس کو اہل زمانہ جانیں گے
بہترینِ زمانہ سے بہتر
اُن کے اوصاف کیا رقم ہوں کہ ہیں
میرے حدِّ بیان سے باہر
فکر اُن کی گئی ہے واں کہ جہاں
طائرِ[1] سدرہ کا رہے شہپر
اُن کے اندیشے کی بلندی سے
قصرِ معنی ہے آسماں منظر
نثر دیکھو تو معدنِ معنی
نظم دیکھو تو رشکِ عقدِ گہر
اُن کے اجمال سے عیاں توضیح
اُن کے انداز میں ادا مضمر
ہائے وہ لطف یاد آتے ہیں
جی میں ہوتی ہے کاوشِ نشتر
مجھ کو سودا نہیں کہ اس غم میں
در و دیوار سے نہ پھوڑوں سر
کور ہو جائے بس ابھی یارب
گر نہ دریا بہائے دیدۂ تر

---

۱ - مراد حضرت جبرئیل - (مرتب)

ھوں نہ اس غم سے جس کے سو ٹکڑے
میرے سینے میں ھے کہاں وہ جگر
مجھ سے کیا پوچھتے ھو سال وفات
ھوش کب ھیں بجا کہ ھوں مضطر
دیکھ لو رنج حسرت دوری
دل نومید پر ھجوم آور
۱۱۴۱ + ۱۴۴ = ۱۲۸۵ھ

قطعه ایضاً

غم[1] مرگ دبیرالملک عام است
سپہر ابواب غم در دہر بکشاد
ریاحین سخن پژمردہ گشتند
خیابان معانی رفت برباد
ز دل پرسیدم از سال وفاتش
بہ سالک داغ نجم الدولہ بنہاد
۱۱۱ + ۱۱۷۴ = ۱۲۸۵ھ
نظر کردم سر ہر مصرعے را
بنائے عیسوی تاریخ افتاد
۱۸۶۹ع

---

۱ - ۳ شعروں کے حروف غ ، ر ، ز ، س ، خ ، ب ، کے مجموعی اعداد ۱۸۶۹ ھوتے ھیں اور یہی غالب کا سال وفات ھے ۔ (مرتب)

قطعه

(تاریخِ وفات غالب)

صدمۂ مرگِ حضرتِ غالب
سببِ رنجِ خاص و عام ہوا
اور اسی سال میں چھپی یہ کتاب[1]
طبع کا اس کی انصرام ہوا
خوب ہے سالِ طبع و سالِ وفات
آج اون[2] کا سخن تمام ہوا

۱۲۸۵ھ

قطعہ تاریخ وفات فرزند سید احمد ، سالم تخلص

قہر کیا کر دیا یہ چیچک نے
آفت اطفال کی یہ بے شک ہے
مرگِ فرزندِ حضرت سالم
صدمۂ جاں گزاے ہر یک ہے

---

۱ - کتاب سے مراد اگر ''ھنجار سالک'' ہے تو اُس کی طباعت نومبر ۱۸۷۱ع میں مکمل ہوئی ہے ۔ یہ ہوسکتا ہے کہ سالک ۱۸۶۹ع میں ''ھنجار سالک'' کی ترتیب سے فارغ ہوگئے ہوں اور پریس کے سپرد مسودہ کر دیا ہو اور تکمیل طباعت ۱۸۷۱ع میں ہوئی ہو ۔ اس لیے وہ قطعہ تاریخ وفات کو تبدیل نہ کر سکے۔ کسی اور کتاب کا پتا نہ چل سکا جو ۱۸۶۹ع میں طبع ہوئی ہو ۔

۲ - 'اون' کے عدد ۵۷ 'سالک' نے لیے ہیں اسی لیے واو کو خارج نہیں کیا جا سکا ۔ (مرتب)

سر افسوس سے لکھی تاریخ
دل پہ صد حیف داغ چیچک ہے[1]
۱+۱۲۸۹=۱۲۹۰ھ

قطعہ

تاریخ وفات جناب مولوی محمد صدر الدین خاں مرحوم

صدر آرائے دین و مفتیِ شہر
کہ جسے لاکھ نے یگانہ کہا
سب نے اُس کی وفات کو سن کر
رنج و اندوہ کا فسانہ کہا
سال اس واقعے کا سالک نے
"مر گیا فاضلِ زمانہ" کہا
۱۲۸۵

قطعہ (ایضاً)

آں صدرِ دین و فخرِ جہاں مفتیِ زماں
ہمت بہ رہ نوردیِ ملکِ بقا گماشت
صد رنج و غم بہ جان عزیزان و اقربا
صد داغِ ہجر بر دلِ احبابِ خود گذاشت

---

۱ - اصل متن (کلیات سالک صفحہ ۲۷۵) میں مصرع کے نیچے اعداد ۱۲۸۵ لکھے ہیں لیکن صحیح اعداد ۱۲۸۹ ہوتے ہیں۔ افسوس کے الف کا ایک عدد جمع کرکے ۱۲۹۰ ہو جاتے ہیں، اس لیے ۱۲۸۵ میرے نزدیک غلط ہیں۔ (مرتب)

سالک ز سالِ مرگ و شمارِ سنینِ عمر
"هشتاد و یک بماند بگیتی" چنیں نگاشت
۱۲۸۵ھ

قطعه تاریخ انتقال فرزند محمد تفضل حسین خاں کوکب

غمِ مرگِ پسر دادی به کوکب
نه کردی رحم اے گردوں به حالش

ثمر خوردن نه داد از باغِ هستی
به خاک آورد از پا نونهالش

گلے نا رسته از شاخ و خزاں دید
مہے طالع نه گشت و شد زوالش

شبِ تاراست روزِ او تو گوئی
نهاں گشت از نظر مهرِ جمالش

خرامش چیست زیں هم بے خبر بود
شگفتے رو نموده انتقالش

چو خوابِ مرگ آں بے شیر را برد
مبارک باد بر کوثر زلالش

چه می پرسی ز سالک سال ایں غم
که جمعیّت نه باشد در خیالش

مگر از غیب می آید صدائے
"بمرد افضل حسین" این است سالش
۱۲۸۵ھ

قطعه

صد شکر شد فراهم ایں گنجِ فضل و دانش
در دہر یافت گویا گنجِ معاد خواجه
تاریخ اختتامش گفت ایں چنیں سروشے
تکذیبِ قول بے جا در دل نہاد خواجه

۱۲۸۴ - ۱۲۸۵ھ ؟

قطعۂ تاریخ به تقریب جشنِ مسند نشینی مہاراو راجه شودان سنگھ بہادر والیِ الور

وہ سلیماں مرتبت شودان سنگھ آقا مرے
حاتم دوراں اگر ان کو کہوں تو ہے بجا
غیب سے ملتی ہے یوں ہر کام میں ان کو مدد
ماہ کو خورشید سے جس طرح حاصل ہو ضیا
آج وہ حق نے دکھایا ہے خوشی کا دن انہیں
عمر بھر جمشید نے آنکھوں سے جو دیکھا نہ تھا
کس قدر ہے خرمی افزا گلستانِ مراد
کس قدر شیریں ثمر لایا نہالِ مدعا
نور آگیں ہو گئی شمع شبستانِ جلال
بزمِ رنگیں بن گیا ہر گوشۂ دولت سرا
یعنی فرزندِ سعادت مند نے پایا ظہور
دی مبارک باد کی بخت ھمایاں نے صدا
خضر نے آ کر حیاتِ جاودانی نذر کی
پیش کش لایا سکندر طالع و بخت رسا

طالبِ انعام رقاصِ فلک ہے بعدِ رقص
مشتری نے دی سعادت ، ماہ بولا مرحبا
نغمہ سنجِ تہنیت اہلِ زمیں کو دیکھ کر
عالم بالا سے قدسی کہہ رہے ہیں حبذا
ہو رہی ہے اس خوشی میں زرفشانی اس قدر
بن گئی ہیں سائلوں کی جھولیاں کانِ طلا
میں نے چاہا سمت و تاریخِ ہجری ہو رقم
دیکھ کر حیراں سروشِ غیب نے مجھ سے کہا
"ہے[1] مبارک بزمِ جشنِ فرخی سرکار کو"

۱۹۲۶

سمت اس کا یہ ہے اب ہجری کا دوں تجھ کو پتا
دیکھ بزم و جشنِ عشرت خیز کے آغاز کو

۲ + ۳ +

فیض و لطف و مکرمت کی پھر نظر کر انتہا

۸۰۰ + ۸۰ + ۳۰۰ = ۱۲۸۵ھ

من کے تاریخیں کیا میں نے ادا اس کا سپاس
ہاتھ اٹھائے اپنے آقا کے لیے بہرِ دعا
تا رہیں دنیا میں عیش و عشرت و لطف و سرور
تا رہیں گیتی میں درد و کلفت و رنج و بلا
عیش و عشرت سے رہیں احباب اُن کے شاد کام
درد و کلفت میں رہیں بد خواہ اُن کے مبتلا

---

۱ - اصل متن میں اس مصرعے کے تحت ۱۹۲۶ اعداد لکھے ہیں - پورے مصرع کے اعداد ۲۰۷۷ ہوتے ہیں - اس مصرع میں تخرجے کا پتا نہیں چلتا اس لیے درستی نہیں ہو سکی - (مرتب)

قطعہ تاریخ وفات نواب محمد امین اللہ خان المعروف بمنشی امو جان

رفت بہ خلدِ بریں نائبِ الور دریغ
بر دلِ اہلِ جہان باعث افسردگیست
بر لبِ ہر کس بود شیون ماتم فزا
سالک افسردہ نیز در غمِ او خون گریست
ہان ز سرِ آسودگی نیست مرا اندکے
اے دلِ غمگیں مپرس سالِ وفاتش کہ چیست
حرفِ نقط دار بین گفتہ 'سعدی' نگر
زندۂ[1] جاوید گشت ہر کہ نکو نام زیست

۱۲۸۶ھ

قطعہ

(تاریخِ وفات میرزا حاجی)

میرزا حاجی ز دنیا رفت آہ
دوستاں را داد اندوہ و ملال
جستم از پیرِ خرد سالِ وفات
گفت 'داغ میرزا حاجی' ست سال

۱۲۸۵ھ

---

۱ - حروف نقطہ مصرع ثانی میں ز (۷) ن (۵۰) ج (۳) ی (۱۰) ش (۳۰۰) ت (۴۰۰) ن (۵۰) ن (۵۰) ز (۷) ی (۱۰) ت (۴۰۰) پر ہیں ۔ ان کے مجموعی اعداد ۱۲۸۷ ہوتے ہیں ۔ اصل متن میں ۱۲۸۶ھ غلط ہیں ۔ ایک عدد کے تخرجے کا کہیں اشارہ نہیں ہے ۔ (مرتب)

قطعہ

(تاریخ طبع ترجمہ بوستان خیال خواجہ بدر الدین)

خواجہ بدر الدین والا مرتبت
دل کش و مرغوب ہے یہ ترجمہ
میں نے سالک سے جو پوچھا سالِ طبع
وہ یہ بولا خوب ہے یہ ترجمہ

۱۲۸٦ھ

قطعہ تاریخ وفات مرزا شہاب الدین احمد خاں ثاقب تخلص فرزند ارجمند نواب ضیاء الدین احمد خاں بہادر

از صدمۂ مرگِ ثاقبِ والا جاہ
ہر سو ست صدائے نالہائے جاں کاہ
تاریخِ وفاتِ او چنیں سالک گفت
روز ششم مہ محرم صد آہ

۱۲۸٦ھ

قطعہ تاریخ اسیر شدن شاہ فرانس بہ جنگِ جرمن

آفت ہے اک بلا ہے زمانے کا انقلاب
جس کی نظر میں رنگ کچھ اس کا سما گیا
وہ ایک جانتا ہے قباد و کلیم کو
نظروں سے امتیازِ امیر و گدا گیا
دیکھو سوائے نام کے اب کچھ پتا نہیں
قیصر جو قصر وقت میں اپنے بنا گیا

مقدور ہو تو آج سلیماں سے پوچھیے
ہم راہ تیرے جز عملِ نیک کیا گیا

پابند جس کے حکم سے تھی فوج بے قیاس
یوں بخت واژگوں اسے دم میں پھنسا گیا

وہ حشمت فرانس وہ اقبال جس کا ذکر
کس جائے دہر میں نہ گیا جا بہ جا گیا

عبرت کا ہے مقام کہ وہ شاہ ذی وقار
ہو کر اسیر نام کو اپنے مٹا گیا

از بس کہ ہے یہ واقعہ اس سال میں عجیب
تاریخ اس کی سالکِ غمگیں سنا گیا

''شاہ فرانس'' کو سر ''پیرس'' نہیں ہے اب
''جنگ'' پروشیا میں گرفتار آ گیا

۶۹۷ − ۲ = ۶۹۵ + ۵۹۲ = ۱۲۸۷ھ

قطعه

(تاریخ وفات قدرت اللہ بیگ خاں)

''قدرت اللہ بیگ خاں'' بگذاشت[۱]
''منزل بے مدار دنیا'' را
''سالک'' او را بہ جنّت الماوا
دادہ حق در مقام اعلا جا

۱۲۸۷ھ

---

۱ - ''قدرت اللہ بیگ خاں'' کے ۱۰۵۳ اعداد میں سے ''منزل بے مدار دنیا'' کے ۹۰۰۹ عدد منفی ہوں گے - اس کے حاصل ۱۰۰۴ میں ''مقام اعلا'' کے ۲۸۳ اعداد شامل ہو کر ۱۲۸۷ھ تاریخ برآمد ہوگی - (مرتب)

قطعه

(تاریخ طبع قرآن مجید که به اندازه تقطیع تعویذ طبع شده بود)

طبع شد قرآن به تصحیح تمام
این هم از اعجاز قرآن یافتم
می فزاید دیدلش نور بصر
دیدم و بر دیده احسان یافتم
حرز باید گفت هریک نقطه اش
سال[1] او تعویذ قرآن یافتم

۱۲۸۷ھ

قطعۂ تاریخ بنائے مسجد نواب محمد ابراهیم خاں

آں سمی خلیل و نیک نهاد
آں نظر کردۂ خدائے کریم
مسجدے طرح کرد وقف نمود
اجر برداشت و ثواب عظیم
گفت تاریخ این بنا سالک
"باد خرم مقام ابراهیم"

۱۲۸۷ھ

---

۱ - اس سے تاریخ ۱۲۸۷ھ برآمد کی گئی ہے - اصل متن میں یہی درج ہے - اعداد "تعویذ قرآن" ۱۵۳۷ ہوتے ہیں - میں اس کی وضاحت سے قاصر ہوں - (مرتب) -

قطعه

(تاریخِ بنائے باغ ہزاری لال)

ہزاری لال باغے کرد بنیاد
سزاوار است با جنت مثالش
سروشِ غیب گفت از من کہ سالک
بگو ''باغ ہزاری لال'' سالش
۱۲۸۷ھ

قطعہ (بنائے باغ)

یوں تو سارا باغ ہے جنّت نظیر
حوض اس میں ہے نہایت خوش نما
دیکھ کر سالک نے نو تعمیر اسے
''ثانیِ کوثر'' لکھا سالِ بنا
۱۲۸۷ھ

قطعه

(تاریخ تالیف تذکرہ نادر الاذکار شعرائے دکن از درگاہ پرشاد نادر)

ز رشح کلکِ نادر نقشِ نادر
تراوید و میسر گشت کامش
برائے سال تالیفِ از سرِ فہم
نہادہ نادر الاذکار نامش
۸۰+۱۲۰۸ = ۱۲۸۸ھ

قطعه تاریخ عقد مولوی محمد عبد الرحیم خاں بیدل

ہوئی تقریب ِ جشن ِ عقد ِ بیدل
سروش ِ غیب نے مجھ کو صدا دی
کہ لکھ تو بھی تہ ِ دل سے یہ تاریخ
مبارک کدخدای کی ہو شادی
۱۲۸۸ = ۱۲۵۸ + ۳۰ ھ

قطعہ (ایضاً)

بیدل ِ نیک ِ خو کی شادی کا
آج دنیا میں شور ہے بے حد
اس کی تاریخ پائی سالک نے
بعد تکر زمانۂ ممتد
رکھیں یا رب عروس او نوشاہ
+ ۳۶۲ + ۳۳۶
سر الفت سے اتفاق اہد
۱۲۸۸ = ۵۸۹ + ۱ ھ

قطعہ

(تاریخ تالیف اخلاق کاشی)

منشی ِ بے مثل کاشی ناتھ نے
ترجمہ لکھا ہے کیسا بے مثال

کیوں نہ ہو اخلاق کاشی اس کا نام
یہ بھی اک حسن طبیعت پر ہے دال

کیا بتائی ہیں سراسر دقتیں
عام کو اب ہے سمجھنا کیا محال

غور سے دیکھیں اسے اہلِ جہاں
تا کہ ہو ہر کام کا اچھا مآل

عیسوی تاریخ جس کی ہے یہی
''نسخۂ اخلاق کاشی'' میں ہے سال

١٧٧٨ + ٩١

١٨٦٩ع

قطعہ تاریخ کدخدائی حکیم عبدالمجید خاں و حکیم واصل خاں فرزندان حکیم غلام محمود خاں صاحب

خاں عبدالمجید واصل خاں
دونوں محمود خاں کے ہیں فرزند

کدخدا ہوگئے یہ دونوں جب
سن کے سارا جہاں ہوا خورسند

ہاتف غیب نے کہا سالک
کیوں ہے فکر و تلاش کا پابند

کہہ دے یوں غایت خوشی سے سال
١٠ +
''کد خدایِ دو سعادت مند''
١٢٧٨ = ١٢٨٨ھ

قطعہ (تاریخ کدخدائی حکیم عبدالمجید خاں)

وہ فرخندہ خو خان عبدالمجید
جبیں جس کی مطلع ہے اقبال کا
کیا اس کی شادی کی تقریب نے
زمانے کا ہر گوشہ عبرت سرا
لکھا اس خوشی کا یہ سالک نے سال
"ملے زہرہ و مشتری ایک جا"

۱۲۸۸ھ

قطعہ تاریخ کدخدائی میرزا احمد سعید خاں خلف نواب ضیاء الدین احمد خاں بہادر نیر، رخشاں

نیر رخشاں وہ گردوں اقتدار
جن کو مہرِ پُر ضیا کہتا ہوں میں
مظہرِ خلق و کرم لکھتا ہوں میں
مصدرِ جود و سخا کہتا ہوں میں
اس کو بحرِ لطف کہنا ہے بجا
پھر یہ کہتا ہوں کہ کیا کہتا ہوں میں
آپ ہی کچھ دل میں ہو کر منفعل
لاکھ دریا سے سوا کہتا ہوں میں
پوچھتے ہیں تجھ سے کیا اہل جہاں
مژدۂ راحت فزا کہتا ہوں میں
اس کے فرزندِ سعادت مند کو
کدخدا حق نے کیا کہتا ہوں میں

انعقادِ بزمِ عشرت خیز کو
جشنِ بہجت انتما کہتا ہوں میں
دور پھینکا اس سے تونے کیوں مجھے
اے فلک تجھ کو برا کہتا ہوں میں
کیا ہوا آنکھوں سے گر دیکھا نہیں
دل شریکِ بزم تھا کہتا ہوں میں
بس کہ اس شادی کی عشرت عام ہے
''عشرتِ شادی بجا'' کہتا ہوں میں

۱۲۸۹ھ

قطعۂ تاریخ مکتب نشینیِ فرزندِ میر ابراھیم علی خاں فدا خلف میر اکبر علی خاں مغفور

فدا وہ شمع افروزِ شبستانِ مودت ہے
کہ دیکھا ہے جسے رونق دہِ بزمِ صفا میں نے
یہ فرزندِ سعادت مند کی اس کے ہے بسم اللہ
یہ جلسہ جشنِ خسرو سے بھی کچھ پایا سوا میں نے
اسی محفل کا اک اک ذرّہ وہ خورشیدِ تاباں ہے
کہ جس کی شرم سے خود مہر کو مانا سہا میں نے
ھمایوں سال اس تقریب کا سالک نے جو پوچھا
''مبارک مجلسِ مکتب نشینی ہو'' کہا میں نے

۱۲۸۹ھ

قطعه

(تاریخِ ولادت فرزند میاں داد خاں سیاح شاگرد غالب)

خدا نے حضرتِ سیاح کو دیا فرزند
ہوا ہے خاطرِ سالک کو خرمی افزا
سنا یہ مژدۂ جاں بخش جب تو اس کا سال
''نہالِ تازۂ کشتِ امید ہے'' یہ کہا

۱۲۸۹ھ

قطعہ

(تاریخِ ترجمۂ اخلاقِ محسنی از گلزاری ناتھ)

گلزاری ناتھ سالک دیرینہ دوست میرے
انشا میں بے بدل ہیں فنِ سخن میں یکتا
اخلاقِ محسنی کا کیا ترجمہ کیا ہے
مغلق نہیں عبارت معنی کا رنگ اچھا
پاکیزہ اصطلاحیں ہر اک محل پہ لکھیں
سارے محاوروں کو اچھی طرح سے برتا
اکثر سخنوروں سے سن سن کے سال میں نے
تاریخِ عیسوی کو پیرِ خرد سے پوچھا
اس نے دیا یہ مصرع مجھ کو زروے بخشش

+ ۲
''کیا ترجمہ ہے نادر اخلاقِ محسنی کا''

۱۸۷۰ = ۱۸۷۲ع

قطعه

تاریخِ ولادت فرزند مولوی محمد عبدالرحیم خاں بیدل

عالم یہ کیا ہے فصلِ گُل نے
ہے سطحِ زمیں بہار تزئیں

گر روکشِ آفتاب گُل ہے
چشمک زنِ حسنِ مہ ہے نسریں

لالے سے ہیں کوہ کوہ لب ریز
پھولے ہیں چمن چمن ریاحیں

غش زلفِ بتاں سے آئے کس کو
ہے بس کہ دماغ عطر آگیں

کیوں کر نہ ہو یہ خوشی جہاں میں
کیوں کر نہ ہو باغِ دہر رنگیں

پایا ہے مرے شفیق نے آج
"فرزند، خلف سعادت آئیں"

لکھتا ہوں وہ سالِ عیسوی میں
ہر لب پہ ہو جس سے شورِ تحسیں

بیدل کو دیا خدا نے سالک
٣٦ +
"فرزند نرینۂ نخستیں"

١٨٢٦ = ١٨٧٢ ع

قطعهٔ تاریخ تولد فرزند ارجمند آغا سید علی طوبلی[1] تخلص شوستری

پیش کش حضرت سید علی ست
زادهٔ فکرم که طرب زا بود
آن که بود دیدهٔ او حق نگر
آن که دلش معرفت آرا بود
ابر گہر بار بود کلک او
رشحهٔ او گوہر یکتا بود
پور گرامی گہرش داده اند
در دل احباب تمنا بود
عمر درازی کشدش هم چو خضر
مرتبه برتر ز ثریا بود
علم بیاموزد و عامل شود
حلم در اندوزد و دانا بود
مصرع تاریخ ظهورش ببیں
خرمی[2] گلشن طوبلی بود
۱۲۸۹ھ

---

۱ - سالک کے طوبلی سے ذاتی تعلقات حیدر آباد دکن میں ۱۲۸۹ھ میں استوار ہو چکے تھے - یہ قطعه اس کی شہادت دے رہا ہے - (مرتب)

۲ - اس مصرع میں طوبلی کے عدد سالک نے ۲۷ لیے ہیں اور ۱۲۸۹ھ تاریخ ھجری برآمد کی ہے - طوبلی کے آخر میں الف مقصورہ ہے ، اس کے اعداد ۱۸ ہوتے ہیں اور مجموعی اعداد ۱۲۸۰ لیکن سالک نے 'ی' مان کر ۲۷ عدد لیے ہیں - قافیے کے مطابق حرف آخر طوبا میں الف ہے - سالک کی نظر میں شاید اس تصرف کا کوئی جواز ہو ، میری رائے میں درست نہیں - (مرتب)

قطعه

(تاریخِ ترجمۂ بوستانِ خیال)

این قصۂ پارسی زبان را
ر شحِ قلمِ خیال گوئی
در ریختہ اش سنین و تاریخ
از: ترجمۂ خیال جوئی

۱۲۸۹

قطعه

تاریخ وفات دختر و ولادت فرزند حافظ محمد غلام دست‌گیر[۱] مبین تخلص خلف حافظ قطب الدین مشیر شاگرد شاہ نصیر)

مبینِ خستہ جاں را دخترے مرد
دلش مجروح گشت و سینہ افگار
خدا دادش پس از یک روز فرزند
بدل شد با طرب‌ها رنج و آزار
ز سالِ عیسوی سالک چہ پرسی
"غمِ دنیا و شادی توام" انگار

۱۸۷۳ع

---

۱ - تفصیل دیکھیے : [صفحہ ۱۸م و ۱۹م گلستان سخن طبع اول ۱۲۷۱ھ - صفحہ ۱۰م سخن شعرا از عبدالغفور نساخ تالیف ۱۲۸۱ھ] -

قطعۂ تاریخ وفات محمد عثمان خاں مدارالمہام ریاست رام پور کہ بہ دست افغانے زخم کزلک برداشت

خان ِ گردوں ـ مرتبت عثمان خاں
جس کی عظمت کا ہے گردوں خود گواہ
کس طرح محصور ہوں اُس کی صفات
لکھ نہیں سکتا کوئی بے اشتباہ
یہ صفت کافی ہے اس کے واسطے
تھا وزیرِ رام پور اور[2] نیک خواہ

---

۱ ـ محمد عثمان خاں قیس تخلص نواب کلب علی خاں (خلد آشیاں) والی رام پور کے عہد (۱۲۸۱ھ تا ۱۳۰۴ھ مطابق اپریل ۱۸۶۵ع تا مارچ ۱۸۸۷ع) میں مدارالمہام تھے ـ پہلے کتابوں کی تجارت کرتے تھے ـ خلد آشیاں سے تعارف تھا ـ اُن کے والی ریاست ہونے پر ترقی کر کے مدارالمہام بنے ـ مزاج میں درشتی تھی ـ جامع مسجد رام پور میں محفل عید میلادالنبی کا اہتمام (۱۲ ربیع الاول ۱۲۹۰ھ) کر رہے تھے ـ ہاتھ میں چھڑی تھی ، اس سے لوگوں کو پیچھے ہٹا رہے تھے ـ ایک بوڑھا پیچھے ہٹتے ہوئے مسجد کے حوض میں گر پڑا ، مجمع ہنس پڑا ، اُس کا بیٹا مشتعل ہو گیا اور چاقو سے حملہ کیا ، زخمی ہو گئے ـ عثمان خاں جاں بر نہ ہو سکے ـ یہ علمی مذاق رکھتے تھے ـ شرح قصائد بدر چاچ اور گلبن اکبر ان کی تالیفات ہیں ـ سالک کے اس قطع سے واضح ہوتا ہے کہ عثمان خاں سے اُس کے تعلقات تھے ـ یا خلد آشیاں کی خوشنودی کے لیے یہ قطعۂ تاریخ وفات کہا جو عثمان خاں کے مرنے سے بہت زیادہ متاثر تھے ـ (اخبار الصنادید ، جلد دوم مؤلفہ نجم الغنی خاں میں تفصیل ملاحظہ ہو) ـ (مرتب)

۲ ـ بر وزن فع ـ (مرتب)

کزلکِ بیداد کی اے چرخ تیز
اور ڈبوئی اُس کے خوں میں واہ واہ

ہو سکا آخر نہ جاں بر زخم سے
لی سرائے دہر سے جنت کی راہ

کیوں نہ آنکھوں سے بہے دریاے خوں
کیوں نہ نظروں میں رہے عالم سیاہ

سال مجھ سے اس غمِ جاں کاہ کا
پوچھتا کیا ہے کہوں کیا تجھ سے آہ

لکھ رکھا ہے میں نے سالک قلب پر
+ ۱۳۲
دیکھ لے قتلِ قتیل بے گناہ
۱۱۵۸ = ۱۲۹۰ھ

قطعہ

(تاریخ صحت لطف علی خاں)

کیا کروں لطفِ علی خاں کی ثنا
شکر سے اُس کے ھیں سب رطب اللساں

لطف اُس کا دہر میں ساری ہے یوں
جس طرح انسان کے تن میں رواں

بارِ خجلت سے دوتا ہے کیوں فلک
سن لیا کیا اس کی رفعت کا بیاں

اس کی صحت نے کیا تقسیم آج
رنجِ حسّاد اور عیشِ دوستاں
اس نویدِ روح افزا کے لیے
ڈھونڈھتا تھا سال ہر پیر و جواں
میں نے بھی سن کر یہ سالک سے کہا
''مژدہ گوے تندرستی ہے جہاں''

۱۲۹۰ھ

تاریخ ولادت یادگار اصغر مولوی محمد عنایت الرحمن خاں صاحب معتمد صدر المہام متفرقات علاقہ تعلیمات سرکار عالی

شکر احسانِ حق کہ ایں مولود
۳ + ۳۰
یافت خانِ عنایتِ رحماں
عارفے ، کاملے ، خدادانے
نگرانِ عنایتِ رحماں

۱۲۳۶
سرو پایش بدید و سالش گفت
ہست شانِ عنایتِ رحماں[1]

۱۲۹۰ (؟)

---

۱ - یہ قطعہ اصل متن کے مطابق ہے - اس میں تعمیہ یا تخرجہ ظاہر نہیں ہوتا - ''ہست شان عنایت رحماں'' کے عدد ۱۶۳۶ ہوتے ہیں - سالک نے مصرع کے اوپر ۱۲۳۶ عدد لکھے ہیں - اگر اس مصرع
(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

کزلکِ بیداد کی اے چرخ تیز
اور ڈبوئی اُس کے خوں میں واہ واہ

ہو سکا آخر نہ جاں بر زخم سے
لی سرائے دہر سے جنت کی راہ

کیوں نہ آنکھوں سے بہے دریائے خوں
کیوں نہ نظروں میں رہے عالم سیاہ

سال مجھ سے اس غمِ جاں کاہ کا
پوچھتا کیا ہے کہوں کیا تجھ سے آہ

لکھ رکھا ہے میں نے سالک قلب پر
+ ۱۳۲
دیکھ لے قتلِ قتیل بے گناہ
۱۱۵۸ = ۱۲۹۰ھ

قطعہ

(تاریخ صحت لطف علی خاں)

کیا کروں لطفِ علی خاں کی ثنا
شکر سے اُس کے ہیں سب رطب اللساں

لطف اُس کا دہر میں ساری ہے یوں
جس طرح انسان کے تن میں رواں

بارِ خجلت سے دوتا ہے کیوں فلک
سن لیا کیا اس کی رفعت کا بیاں

آس کی صحت نے کیا تقسیم آج
رنجِ حسّاد اور عیشِ دوستاں
اس نویدِ روح افزا کے لیے
ڈھونڈھتا تھا سال ہر پیر و جواں
میں نے بھی سن کر یہ سالک سے کہا
"مژدہ گوے تندرستی ہے جہاں"
۱۲۹۰ھ

تاریخ ولادت یادگار اصغر مولوی محمد عنایت الرحمن خاں صاحب معتمد صدر المہام متفرقات علاقہ تعلیمات سرکار عالی

شکر احسانِ حق کہ ایں مولود
۴ + ۳۰
یافت خانِ عنایتِ رحماں
عارفے ، کاملے ، خدادانے
نگرانِ عنایتِ رحماں
۱۲۳۶
سرو پایش بدید و سالش گفت
ہست شانِ عنایتِ رحماں[1]
۱۲۹۰ (؟)

---

۱ - یہ قطعہ اصل متن کے مطابق ہے - اس میں تعمیہ یا تخرجہ ظاہر نہیں ہوتا - "ہست شان عنایت رحماں" کے عدد ۱۶۳۶ ہوتے ہیں - سالک، نے مصرع کے اوپر ۱۲۳۶ عدد لکھے ہیں - اگر اس مصرع
(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

تاریخ وفات محمد تفضل حسین خان کوکب

اے دریغا کوکب فرخندہ خو
آفتاب آسمان جاہ و فر

گلشن اوصاف را تازہ نہال
قلزم اخلاق را یکتا گہر

موے او صد نافہ اندر جیب داشت
روے او در جیب صد نور سحر

داد عیش و کامرانی داد و بست
زیں جہاں سوے بقا رخت سفر

در غمش سالک گریباں چاک کرد
ریخت صد عماں خوں از چشم تر

از لبش برداشت مہر خامشی[1]
شورش فریاد ، محروم اثر

جستجو کرد و بہ دست آورد و ریخت
سوتس الماس بر زخم جگر

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کے حرف آغاز اور آخر جمع کیے جائیں تو ۱۲۷۵ ہوتے ہیں ۔ اگر ہست کو خارج کر دیں تو ۱۱۸۱ عدد رہ جاتے ہیں ۔ ہاں ت کے ۴۰۰ عدد خارج کیے جائیں تب ۱۲۳۶ رہ جائیں گے مگر اس طرف اشارہ نہیں ملتا ۔ (مرتب)

۱ ۔ اصل متن میں "خاموشی" ۔ (مرتب)

گفتمش سال وفاتش چیست گفت
چون نویسم سالِ آن خاکم بسر
۱۲۹۰ھ

قطعه (ایضاً)

چون تفضل حسین خان افسوس
دہر ناپائدار را بگذاشت
"آغا مرزا" کہ نامِ تاریخی
۱۲۵۰ھ
بہرِ سالِ ظہورِ خود می داشت
ہم بہ سالِ وفاتِ او آن را
کلک سالک سر مزار نگاشت
۱۲۵۰ + ۴۰ = ۱۲۹۰ھ

قطعه (ایضاً)

گفتم اے چرخ مرگِ کوکب را
تو روا داشتی ستم کردی
گفت سالش بگو و گریاں باش
گفتم ازوے کہ سخت بے دردی
۱۲۹۰ھ

قطعہ (ایضاً)

کوکب روشن روان را چون فراز آمد اجل
از غم این مرگ شد سر در گریبانم فرو
آہ آن والا نہاد و آہ آن نیکو نژاد
آہ آن فرخ صفات و آہ آن فرخندہ خو
پُر نہ شد جام تمنایش ز صہبائے نشاط
آسمان مانندِ خود واژون نمود او را سبو
ہرچہ در کف داشت گوئی ہمتش بر کف نہ داشت
ہرچہ در دل داشت از دل بر نیاید آرزو
از سرِ دل سوزیش من یافتم سالِ وفات
۴
بہرۂ نایافت از مہرِ پدر صد حیف او[1]
۱۲۹۰ھ

قطعہ

زین جہان رفت و بجا شد سالک
طاعتی یافتہ قصرِ فردوس

---

۱ - یہ شعر اصل متن میں (کلیات سالک صفحہ ۲۸۹) کے مطابق نقل کیا گیا ہے - مصرع ثانی سے اعداد ۱۳۱۲ برآمد ہوتے ہیں - دال کے ۴ عدد جمع کرنے سے ۱۳۱۶ ہو جاتے ہیں - تاریخ وفات ۱۲۹۰ھ ہے - اس کا تخرجہ واضح نہیں - ہاں خلاف مضمون شعر اگر ''بہرہ'' کے عدد ۲۱۲ مصرع ثانی سے خارج کر دیں تو ۱۲۰۰ رہ جائیں گے - اس میں من کے ۹۰ عدد شامل کریں تو ۱۲۹۰ ہو جاتے ہیں - (مرتب)

حقِ او بود کہ[1] گفتم تاریخ
"متقی یافتہ" قصرِ فردوس
۵۵۰ + ۷۴۰ = ۱۲۹۰ھ

تاریخ وفات میر حیدر حسین خان عرف میر نواب

رختِ ہستی کشید سوے بقا
میر نوّاب زیں جہاں اے واے
بود حیدر حسین خاں نامش
یاد آید بہر زماں اے واے
گفت سالِ وفاتِ او سالک
"مرگ حیدرحسین خاں اے واے"
۱۲۹۰ھ

تاریخ وفات مرزا یوسف علی خاں عزیز

کلیم مرتبہ یوسف علی عزیز سخن
کہ ظاہر است ز خوبی نظم اذلالش
چہ نظم حاویِ اقسامِ نظم بایدگفت
کسے نیافت چنیں دفترے ز امثالش
معیل بود و عسیرالمعاش تا تقدیر
کشید از وطن آخر بہ‌سوے بھوپالش

---

۱ - اس مصرع سے اعداد ۱۲۸۹ برآمد ہوتے ہیں - اصل متن میں مصرع کے اعداد ۱۲۹۰ لکھے ہیں - (مرتب)

نه گشته کام دل آن جا روا هنوز افسوس
که دست مرگ رساشد به دامنِ حالش
به فکر سال همی[1] بوده ام که سالک گفت
عزیز یوسف مصرِ سخن بگو سالش
۱۲۹۰ھ

تاریخ تعمیر چاه بنا کردهٔ خواجه فرحت الله خان

نهاده فرحت الله خان بنائے
که از کوثر بود آبِ زلالش
دل از من جست و من بادل بگفتم
+۳۴
چهِ شیریں بنائے خواجه سالش
۱۲۵۶ = ۱۲۹۰ھ

قطعه

(تاریخ مسجد بنا کردهٔ نیاز احمد)

چوں نیاز احمدِ خجسته صفات
مسجدے را نهاده نو بنیاد
گفت سالِ بنائے او سالک
مسجدِ دل کشائے خیر آباد
۱۲۹۰ھ

---

۱ - اصل متن ''همی بوده ام'' - (مرتب)

قطعه تاریخ وفات نواب عبدالرسول خان

مرگ عبدالرسول خان افسوس
داغ بر سینهٔ فگار گذاشت
خلف خویش را که بیتاب است
ناشکیبا و بے قرار گذاشت
خود ز عالم گذشته ، عالم را
با دل و جان سوگوار گذاشت
خامهٔ سالک سرامیمه
نقش تاریخ یادگار گذاشت
رفت عبدالرسول خان به ارم
۱۰۵۴ + ۲۳۱
سر دنیاے بے مدار گذاشت
۴ — = ۱۲۹۰ھ

قطعه تاریخ ولادت فرزند مولوی محمد زکی الدین خان صاحب

پسر یافت از حق جناب زکی
جمالش کند زهره را مشتری
همانا شگون سعادت بود
که پیداست سالش ز نیک اختری
۱۲۹۱ھ

قطعه تاریخ وفات مولوی هدایت الله صاحب جالیسری

آں فقیهِ زماں به حق پیوست
هیچ دانست دہر را و بهشت
گفت با سالکِ سراسیمه
سال رحلت سروش پاک سرشت
هادیِ دیں هدایت الله را
+ ۵۷۰
حق عطا کرده است جاے بهشت
۷۲۱ = ۱۲۹۱ھ

تاریخ وفات حکیم غلام مرتضیٰ خاں صاحب مرحوم و مغفور

مرتضیٰ خاں حکیم حاذقِ عصر
کش نه بود است در زمانه سهیم
آں مسیحا دمے که ناز کند
به فلاطوں اگر دهد تعلیم
آوخ آوخ که آں یگانۀ دہر
کرد امروز جاں به حقِ تسلیم
ایں چه آفت پدید کرد فلک
ایں چه غم داد روزگارِ لئیم
چه عجب گر به ماتمش به رسد
شورِ اهل جهاں به عرشِ عظیم

لب فگار است و ناله ها باقیست
چشم خون بار و دل به سینه دونیم
گفتم از سالک آن حکیم دریغ
گفت سالش بگو ''دریغ حکیم''
۱۲۹۲ھ

قطعه (ایضاً)

مرتضٰی خان شد ازیں دار فنا
سالِ ایں واقعه جوئی تو اگر
''مرقدِ حاذقِ هند'' است برین
۱۲۱۲ +
به سرِ فاتحه سالکت بگزر
۱۲۹۲ھ = ۸۰

قطعه (تهنیت عیدالاضحیٰ به میر یاور علی خان شهاب جنگ)

شهاب جنگ بهادر که طالع او را
فزوں ز نیر اعظم ضیا مبارک باد
سرور و عشرت جاوید بادش ارزانی
به نظم سنجی سالک ثنا مبارک باد
به سال تهنیت عید شد رقم که مدام
''نشاط'' بمره ''عیدالضحیٰ مبارک'' باد
۳۶۰ + ۹۳۳ = ۱۲۹۳ھ

---

۱ - ''عیدالضحیٰ'' کے آخر میں سالک نے ''ی'' مان کر دس عدد لیے هیں - (مرتب)

قطعه
(تاریخ تصویر شاگرد پیشہ)

نوکروں کی کھنچی ھے کیا تصویر
ایک کاغذ پہ سب کی ھے تمثال
خامۂ نقش بند سالک نے[1]
"نقش شاگرد پیشہ" لکھا سال

۱۲۹۲ ھ

قطعہ تاریخ وفات خواجہ کرامت اللہ پانی پتی کرامت تخلص

گزشت از دارِ دنیا خواجۂ ما
بہ ہر سو صد فغاں شد آہ امروز
مگر از صوفی صافی نہادے
تہی زیں خاک داں شد آہ امروز
دم وقت وداع شیخ محرم
دمے بر من گراں شد آہ امروز
ز مرگش صدمۂ صد مرگ گوئی
بہ ہر پیر و جواں شد آہ امروز
بہ سالک گفتم ایں سال وفاتش
کرامت از جہاں شد آہ امروز

۱۲۹۲ ھ

---

۱ - اس مصرع کے نیچے اصل متن میں ۱۲۹۲ غلط لکھے ھیں - دوسرے مصرعے سے تاریخ نکلتی ھے - (مرتب)

قطعه انشاے مصنفه مولوی محمد زین العابدن عرف سلطان میاں

چوں سلطان اقلیم معنی نبشته
کتابے که رنگیں بود چوں نگارے
ز سالک شنیدیم تاریخ طبعش
همی گفت انشاے معنی نثارے

۱۲۹۳ ھ

قطعه تاریخ وفات مرزا باقر علی خاں کامل خلف زین العابدین خاں عارف ، فرزند نسبتی نواب ضیاء الدین احمد خاں بہادر نیر رخشاں

یادگارِ عارفِ مرحوم تھا
کس کو مارا تونے دوراں حیف ہے
کیوں دکھایا تونے اس کو روز بد
جس سے روشن تھی شبستاں حیف ہے
اس کے وابستوں کے دل میں رہ گئے
دیکھ ، کیسے کیسے ارماں حیف ہے
حسن اس کا ماہِ کامل سے دوچند
چھپ گیا وہ مہرِ رخشاں حیف ہے
یہ ہی نوحه ہے یہی تاریخ من
نوجواں باقر علی خاں حیف ہے

۱۲۹۳ ھ

قطعهٔ تاریخ تولد فرزند سید حبیب شاه برادر خرد سید فضل شاه صاحب

یافته چون حبیب شاه پسر
شمع اقبال و جاه می دانم
سایه گستر به فرق او سالک
شان فضل الله می دانم
از ظهورش چنان منور شد
شام خود را پگاه می دانم
ماند این فخر دودهٔ آدم
در جهان دیر گاه می دانم
سال میلاد و نام نامی او
"ذاکر الله شاه" می دانم

۱۲۹۳ھ

تاریخ وفات مرزا شمشاد علی بیگ رضوان برادر خرد راقم

روزے که برادر از جهان رفت
گفتیم که واے ، واے رضوان
از "عالم بے مدار" بگذشت
— ۳۹۸
گردید به خلد جائے رضوان
۶۳۴ + ۱۰۵۷ = ۱۲۹۳ھ

قطعہٗ تاریخ وفات فرزند دل بند حافظ محمد عبد الغفور تجلی تخلص

روشن روش جناب تجلی کی آنکھ میں
کیوں چرخ تو نے تیرہ کیا روزگار کو
پھولا پھلا وہ اس کا گلستان انبساط
بدلا خزاں سے کس لیے اس کی بہار کو
کیوں اس کو تو نے رنج وفات پسر دیا
مایوس یوں بھی کرتے ہیں امیدوار کو
کشتی نہ ڈوب جائے تری دیکھ ہوشیار
اب روک اس کے دیدۂ خونابہ بار کو
لب پر ہے نالہائے جفا سوز کا ہجوم
پاتے ہیں لامکاں سے پرے ہم شرار کو
کیا جانے تو نہ دوست ترا نے کوئی عزیز
سالک سے پوچھ رنجِ دلِ سوگوار کو
تاریخ اس وفات کی ہے داغِ ناگزیر
آئے پسند کیوں نہ دلِ داغ دار کو

۱۲۹۳ھ

(قطعہ) ایضاً

آں پایہ فزائے خرد و عقل و تجلی
کز مرگ پسر زندگی او شدہ مشکل
از کزلکِ غم چوں جگرو دل ہمہ خونست
تاریخ بہ جوئید زلختِ جگر و دل

۱۲۹۳ھ

(قطعه) ایضاً

صدمۂ حضرتِ تجلی میں
دل دو نیم است و دیدها نم ناک
چوں نه باشد که اندریں تاریخ
''لاش فرزند'' کرد در تہِ ''خاک''

٦٢١   + ٦٧٢

١٢٩٣ھ

قطعه

(تاریخ طبع شرف نامه ؟ از حکیم احمد)

آں حکیمِ یگانۂ دوراں
آں سخن سنجِ بے عدیل و مثال
ایں شرف نامۂ تمام نمود
گشت مسعودِ دہر در همه حال
فکرِ تاریخ داشتن سالک
گفت بامن دلِ خجسته خصال
نیک بینی اگر به قالبِ ''چاپ''
+ ٦
''نسخۂ نعت احمد'' آمد سال

١٢٨٨ = ١٢٩٤ھ

قطعه

تاریخِ مثنوی صفدر حسین خاں از اولادِ ٹیپو سلطان شہید که به طرزِ مثنوی اہلی شیرازی نوشته

ریاضِ مضامینِ صفدر کو دیکھو
خزاں کو نہیں جس میں کچھ دخل اصلا

یہی نظم ہے جس کو بے مثل کہیے
اسی سے ہوئی خوبیِ نظم پیدا

تراکیب پر اس کی معنیٰ تصدق
معانی تراکیب پر دل سے شیدا

مگر سال اس کا ز روے اشارت
بہار[۱] گلستانِ تجنیس لکھا

۱ + ۱۲۹۲ = ۱۲۹۳ھ

۱- 'بہار گلستان تجنیس' کے اعداد ۱۲۹۲ ہوتے ہیں اور اشارت کے الف کا ایک عدد شامل کرنے سے ۱۲۹۳ھ ہو جاتے ہیں ۔ اصل متن میں مصرعِ ثانی کے نیچے ۱۲۹۴ لکھے ہیں ۔ اگر مصرع اول میں اشارت کی جگہ بشارت کا لفظ مان لیں تو حرف اول ب کے ۲ عدد مل کر ۱۲۹۴ ہو جائیں گے ۔ میں نے متن کی تصحیح کرکے ۱۲۹۳ھ لکھ دیے ہیں ۔ اگر مثنوی ۱۲۹۴ھ میں ختم ہوئی ہے تو پہلے مصرع میں اشارت کی جگہ 'بشارت' ماننا پڑے گا ۔ (مرتب)

قطعۂ تاریخِ طبع قصۂ ''طلسمِ حیرت،، مصنفۂ غلام رسول فوق تخلص کہ حسبِ فرمائش نواب اقبال الدولہ بہادر نگارش یافتہ

کروں کیا مدح اس کی ، ہے یہ وہ بینش فزا قصہ
کہ جس کا دیکھنا بھی سرمۂ چشمِ تمنا ہے
ادا اچھی ، معانی خوب ، آہنگِ رسا اچھا
عبارت میں روانی وہ کہ مضموں جس پہ شیدا ہے
لکھا ہے کس امیرِ نامور کے حکمِ عالی سے
کہ اقبالِ سکندر سے فزوں اقبال جس کا ہے
کہوں گر بادشاہِ وقت سن کر نام کو اس کے
تو گویا ایک جزوِ اسم کہتا ہوں ثنا کیا ہے
لکھوں تاریخ کیا اس کی کہ یہ قصہ نہیں سالک
''طلسمِ حیرتِ جادوے فکرِ فوق چھاپا ہے''

۱۲۹۳ھ

قطعۂ تاریخِ وفاتِ میاں شرف الدین خطیبِ مسجد شہر خوشاب کہ بہ زیارتِ پیر رفتند و در راہ وفات یافتند بہ فرمائشِ جناب سید فضل الدین شاہ صاحب

در رہِ پیر داد جاں افسوس
شرفِ دین بُد خطیب شرف الدیں
صبر را در گماں نماند نشاں
ظلم کردی فلک بر اہلِ یقیں

بہر تاریخِ انتقالش یافت
سرِ ہر مصرع سالکِ غمگیں
۱۲۹۴ھ

(قطعه) ایضاً

وہ خطیبِ یگانہ فاضلِ دہر
مثل جس کا کوئی جہاں میں نہیں
عارف و عالم و فقیہِ زماں
ہادیِ و سالکِ طریقِ یقیں
جب ہوا عازمِ زیارتِ پیر
ہو گیا داخلِ بہشتِ بریں
موت اثنائے راہ میں پائی
کیوں نہ کہیے اسے نجات قریں
متی شہرِ خوشاب کی رونق
ذات اس کی تھی باعثِ تزئیں
فکرِ سالِ وفات میں اس کی
کیوں الجھتا ہے سالکِ غمگیں
اک جہاں کی زباں پہ ہے تاریخ
+۳
"وائے وائے انتقالِ شرف الدیں"[1]
۱۲۹۱=۱۲۹۴ھ

---

۱ - اس مصرع کے اعداد سالک نے ۱۲۹۱ مانے ہیں اور مصرع اول میں
(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

قطعۂ تاریخِ تکمیل دیوان فصاحت عنوان بلبلِ گلزارِ معانی محمد سرفراز علی وصفی

عجب نقشِ بدیع انگیخت ازوے
زہے کلکِ سخن پردازِ وصفی
ز سالک جستم و سالش شنیدم
"سخن سرمایۂ اعجازِ وصفی"
۱۲۹۴ھ

قطعہ

(تاریخِ افتادنِ جام مملوکہ میر عالم علی)

تھا یہ وہ جام جس کی خوبی پر
جامِ گیتی نما فدا ، صد حیف
وہ طلاکار آب زر جس کا
زرِ پرویز سے بنا ، صد حیف

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ)
'جہاں' کی ج کے ۳ عدد شامل کرکے سال ۱۲۹۴ھ برآمد کیا ہے ، لیکن مصرعِ ثانی میں دوسرے 'واے' کی ی پڑھنے میں نہیں آتی ہے اور مصرع کی شکل یہ رہتی ہے :
'واے وا انتقال شرف الدین'
تقطیع میں ی ساقط ہو جاتی ہے اور اُس کے دس عدد کم ہو کر ۱۲۸۴ رہ جاتے ہیں - بہر حال اصل متن کے مطابق میں نے مصرع کی صورت قائم رکھی ہے - (مرتب)

وہ بلور اُس کا تھا کہ جس کو مہر
ہو کے حیران دیکھتا صد حیف
میرِ عالم علی کی مِلک سے تھا
غم میں عالم ہے مبتلا صد حیف
اک ملازم کے ھاتھ سے ناگاہ
فرشِ سنگیں پہ گر پڑا صد حیف
آبِ شیریں میں آ گئی تلخی
اب ہے پینے میں کیا مزا صد حیف
سال سالک نے یہ بدیہ کہا
بال ساغر میں آ گیا صد حیف

۳۳ + ۱۲۶۱ = ۱۲۹۴ھ

قطعہ

(تاریخِ وفاتِ احمد حسن خاں)

چو[1] احمد حسن خاں ستودہ صفاتے
ز دھلی بہ بھونگر[2] اقامت گزیدہ
قضا درپیش بود نہ گزاشت او را
شد از دہر رنجِ غریبی کشیدہ

---

۱ - اصل متن 'جو' (مرتب)

۲ - بھونگیر غیر معروف مقام ہے - البتہ مولف جامع اللغات (جلد اول صفحہ ۵۷۲) نے بھونگری قصبۂ ضلع جنوبی ارکاٹ ، بھارت کا حوالہ دیا ہے - ممکن ہے سالک کی مراد اسی قصبے سے ھو اور عدم معلومات کی بنا پر بھونگر لکھا ھو - (مرتب)

بر اہل و عیالش کہ ہم راہ او بود
عجب آفتے در فراقش رسیدہ
ازیں واقعہ چوں خبر شد بہ دہلی
ہمی رنگ از روے ہر کس پریدہ
ز سالک شنیدیم سال وفاتش
غریب الوطن روے دہلی نہ دیدہ
۱۲۹۸ - ۴ = ۱۲۹۴ھ

قطعۂ تاریخ وفات محمد عبدالمجید حیدر آبادی

مرگ عبدالمجید سے سالک
کون ہے جو نہیں ہے گریہ کناں
دن یہ کیا خوب موت کا پایا
جمعہ و روز اول شعبان
بہر تاریخ دی زمیں نے صدا
شیخ عبدالمجید دفن ہے یاں[1]
۱۲۹۴ھ

---

۱ - مصرع سے ۱۲۸۴ عدد برآمد ہوتے ہیں - 'یاں' کا املا اصل متن میں 'یہاں' ہے - اگر سالک نے 'ہ' کے ۵ عدد شامل کیے ہوں تو مجموعہ ۱۲۸۹ ہوگا ، پانچ عدد پھر بھی کم رہیں گے - مصرع اولیٰ میں تعمیہ کا اشارہ ہے - 'دی زمیں نے صدا' اگر 'زمین' (۱۰۷عدد) سے 'صدا' (۹۵) کے عدد خارج کیے جائیں تو بارہ باقی رہیں گے - ۱۲۸۴ میں ۱۲ شامل کرنے سے ۱۲۹۶ برآمد ہوتے ہیں - اصل متن میں وہی قائم رکھے ہیں - (مرتب)

قطعۂ تاریخ

مثنوی مصنفۂ حافظ محمد کریم بخش احقر

مثنوی میں جناب احقر نے
کیا بھری کوٹ کر بلاغت ہے

یہ ادا ہے کہ آئنہ یارب
قصدِ قائل کی اس میں صورت ہے

دیکھ کر، سلسبیل ہو پانی
یہ بیاں میں جو کچھ سلاست ہے

آبِ کوثر میں کب نظر آئے
اس کے مضموں میں جو لطافت ہے

دائرے وہ ہلال ہیں اس کے
مہر کو جن سے کسبِ طلعت ہے

معنیِ آب دار وہ گوہر
دُرِّ شہوار جس کی قیمت ہے

چمنستانِ صفحہ کو دیکھا
آنکھ میں جس سے اک طراوت ہے

میں کروں وصف اس کے کیا سالک
مجھ کو ایسی کہاں طلاقت ہے

بس کہ مملو ہے یہ فصاحت سے
سال بھی ”نسخۂ فصاحت“ ہے

۱۲۹۴ھ

قطعۂ تاریخِ مسجد بنا کردۂ قصابانِ شہرِ احمد آباد

ہے یہ مسجد بنا قصائیوں کی
جس نے دیکھا اسے پسند کیا
سعی سید امیر حسین نے کی
خلد میں ایک قصر مول لیا
سالِ تاریخ اس کا سالکؔ نے
"مسجد بے نظیر" ہے لکھا

۱۲۹۴ھ

قطعۂ تاریخِ وفات زوجۂ میر احمد حسین صاحب بے خود تخلص

وہ اہلِ عصمت و عفت صد افسوس
کہ جس کی موت توامِ بے‌کسی ہے
جہانِ نا دیدہ یوں چھوڑا جہاں کو
بیانِ یہ رنج ہو کیوں کر کسی سے
کیا کاشانۂ دل غم نے تاراج
نہ چھوڑا کچھ متاعِ خرمی سے
لکھوں اس واقعے کی میں بھی تاریخ
اگر فرصت ملے کچھ بے خودی سے
سناؤں حضرتِ بے خود کو سالکؔ
"تہی آغوش" ہو مجبور "جی" سے

۱۳۰۷ — ۱۳ = ۱۲۹۴ھ

قطعه (ایضاً)

وہ عفیفہ کہ جس کے مرنے سے
دیدۂ تر بہائے طوفاں کو

سیدہ وہ کہ جس کے ماتم میں
میں نے دیکھا ہے حور و غلماں کو

چھوڑ کر خُرد سال دخت و پسر
کیوں کہ چھوڑا سرائے امکاں کو

کم نہ تھا قصرِ حضرتِ بے خود
کہ لیا ہے ریاضِ رضواں کو

مہر اولاد کی نہ کچھ بھی رہی
مرنے سے پہلے کیوں کہ انساں کو

چھوڑنا تھا علاقہ دنیا کا
آہ عفت مآبِ دوراں کو

سال اس رنج روح فرسا کا
یوں ملا سالکِ پریشاں کو

دلِ بے خود پہ دیکھتے ہیں ہم
الم و رنج و یاس و حرماں کو

۶۰۰ + ۷۱ + ۲۵۳ + ۷۱ + ۲۹۹ = ۱۲۹۴ھ

قطعۂ تاریخ یافتنِ خطاب نواب میر غلام بابا خاں
لقب خانی و بہادری از سرکار انگلشیہ

ملا لو"ابِ سورت کو ہے سالک
بہت اچھا لقب خانِ بہادر
دبیرِ چرخ نے دفتر میں اپنے
لکھا ہر جا لقب خانِ بہادر
کہا سالک نے بھی سال اس خوشی کا
"طرب افزا لقب خانِ بہادر"

۱۲۹۵ھ

تاریخ وفات حکیم ببر علی خاں

مرگ ببر علی خاں امروز مشتہر شد
بگرفت دبر یاراں ، افسوس موتِ حاذق
دیرینہ دوست بودہ چوں سالک حزیں را
سالِ وفاتِ او را گفتا کہ "فوتِ حاذق"

۱۲۹۵ھ

قطعۂ تاریخ وفات عندلیب چمنستان سخن وری محمد سرفراز علی وصفی

اُٹھ گیا دنیا سے یارب کون سا روشن بیاں
فرطِ غم سے کیوں نظر آنے لگا عالم سیاہ
کیوں ٹپکتا ہے لہو اہلِ جہاں کی آنکھ سے
کیوں ہوا جاتا ہے دل کا حال سینے میں تباہ

اس بزرگی پر ترا اہلِ جہاں سے یہ سلوک
واہ وا ، اے آسمانِ کینہ پرور ، واہ واہ
زینت افزائے شبستانِ سخن ہی جب نہیں
کس طرح بے رونقی ہر گوشے میں پائے نہ راہ
آج ویراں ہو گئی اقلیم معنی گستری
آج بستانِ سخن میں ہے خزاں کی پاے گاہ
سن کر اربابِ عزا کے نالہ و فریاد کو
آسماں فرشِ زمیں سے مانگنے کو ہے پناہ
دیکھ کر منہ اہلِ ماتم کا کہا سالک نے سال
۱ +
سر فرازِ ملکِ معنی ، وصفیِ مرحوم آہ
۱۲۹۴ = ۱۲۹۵ھ

تاریخ وفات خواجہ بدرالدین خاں عرف خواجہ امان مترجم بوستان خیال

سفر ز دارِ فنا کرد خواجہ بدرالدین
زباں بہ معرضِ اظہارِ واقعہ لال است
نہ دیدہ ایست کہ از خونِ دل نہ شد رنگین
نہ سینہ ایست کہ از تیرِ غم نہ غربال است
چہ فتنہ خاستہ از صورت اے فلک امروز
ہمیں کہ سالک غم دیدہ مضطرب حال است
دو حصہ ترجمہ گردید بوستانِ خیال
کہ باغِ ہستیش از سیلِ مرگ پامال است

مپرس از منِ آشفته ، ور تو می‌پرسی
لیاقت خواجه امان آه از اجل سال است
۱۲۹۶ھ

تاریخ طبع دیوان نواب مرزا خان داغ موسوم به گلزار داغ

اب طبع ہو چکا ہے یہ دیوانِ بے نظیر
اب حشر تک مٹے گا نہ نام نفیس داغ
دل نے کہا کہ فکر میں سالک ہو کس لیے
تاریخِ طبع لکھو کلامِ نفیس داغ
۱۲۹۶ھ

قطعہ (ایضاً)

چھپا دیوانِ رنگین داغ کا جب
تو اردوے معلی کا کھلا حال
زبانِ خاص دہلی کی یہی ہے
اسے پاتے ہیں کب اقران و امثال
یہ خوبی دیکھ کر سالک نے لکھا
کلام پاک و صافِ داغ ہے سال
۱۲۹۶ھ

تاریخ شریک کردن حسن خاں باغ نو خرید را در باغ دل افروز

خریدہ باغِ دیگر چوں حسن خاں
نمودہ شاملِ باغِ دل افروز
بگفتا سالِ او رنگیں نوائے
مضاعف شد "بہار دولت" امروز
۶۴۸ + ۶۴۸ = ۱۲۹۶ھ

تاریخ وفات مرزا محی‌الدین بیگ

میرزا صاحب نے جب پائی وفات
پانچ دن کم تھے مہِ شوال میں
ڈھانپ کر منہ روتے ہیں احباب[1] یوں
"داغ کھایا ہے یہ اب کے سال میں"
۱۲۹۶ھ

قطعۂ تاریخ تسمیہ خوانی سعادت مند ازلی سید سرفراز علی فرزند ارجمند سید عبدالحق کہ در ماہ جمادی‌الاخریٰ روداده

یہ تقریب ہمایوں ہے وہ تقریب
کہ وابستہ ہے جس سے شادمانی

---

۱ - احباب کا الف جس کا عدد ۱ دکھایا گیا ہے ، وہ تاریخ میں نہ شامل ہوتا ہے نہ خارج - مصرع ثانی سے پوری تاریخ نکل رہی ہے اس لیے متن سے ۱ حذف کر دیا ہے - (مرتب)

بھرا جوشِ مسرت سے دل ایسا
کہ ہے سینے میں مشکل جائے پانی
پھٹیں کیوں کر نہ دامن سائلوں کے
زرِ ایثار نے کی ہے گرانی
عطا کر پور عبدالحق کو یارب
جہاں کے علم و فن میں نکتہ دانی
سرورِ دائمی سے شادماں رکھ
جنابِ خضر کی دے زندگانی
فلاطوں فطرتی ، بختِ سکندر
شکوہِ خاص و عیشِ جاودانی
لکھا سالک نے وسطِ سال میں سال
نشاط افزا ہو بسم اللہ خوانی

۱ + ۱۲۹۵ = ۱۲۹۶ھ

قطعہ

(تاریخ ولادت پسر میر عبدالجلیل)

نکو منزلت میر عبدالجلیل
ز حق یافت پورے کہ باشد نکو
نوشتیم[1] تاریخ میلاد سالک
"بظلِ پدر دائما ماند او"

۱۲۹۶ھ

---

۱ - اصل متن (کلیات سالک صفحہ ۳۰۲) میں 'نوشیم' ہے۔ تصحیح قیاسی کی گئی ۔ (مرتب)

قطعہ

(تاریخ وفات شرف الدین)

کس محبِ یگانہ کا ماتم
آج برپا ہے زیرِ چرخِ بریں
سالک اس واقعے کی لکھ تاریخ
رنجِ دل سوز ، مرگِ شرف الدین[1]
۱۲۹۵ھ

قطعہ (تاریخ عقد ہاتف)

ہے کس کی بزمِ عقد کا یا رب جہاں میں فیض
عیش و نشاط کو ہے وفور اب کے سال میں
اہلِ سرور کو ہے فراوانیِ سرور
افسردہ دل بھی مست ہوئے اپنے حال میں
جمشید کا نہ جشن ، نہ پرویز کی ہے بزم
آتی نہیں مثال بھی کوئی خیال میں
ہوتی ہے جو جہاں کو خوشی کیا عجب کہ ہو
پیدا اسی زمانۂ عشرت مآل میں
کیا لکھے سال "سالک دل دادہ" خود نہیں
"بزمِ نکاحِ ہاتفِ احساں خصال" میں
۱۳۵۵ - ۵۹ = ۱۲۹۶ھ

---

۱ - اس مصرع کے اعداد ۱۲۹۵ھ ہوتے ہیں - اصل متن میں ۱۲۹۶ لکھے ہیں - پہلے مصرع میں تعمیہ بھی نہیں - اس لیے ۱۲۹۶ھ نظر انداز کیے گئے - ۱۲۹۵ھ تصحیح قیاسی ہے - (مرتب)

قطعه (ایضاً)

هاتفِ خوش خصال را نازم
خلق عاشق بود بر افعالش
سالک اظهارِ عجز چون نه کند
در صفاتش زبان بود لالش
یارب از چشم بد بود محفوظ
فرقِ حسّاد باد پامالش
هم چنیں عیشِ عقد دائم باد
نه پزیرد تغیرے حالش
از سمینش[1] که هاتفِ غیبیست
"عشرتِ دل فریب" شد سالش
۱۲۹۶ھ

قطعه (ایضاً)

جنابِ هاتفِ عالی نسب نے
نشاطِ جاودانِ[2] عقد پائی

---

۱ - اصل متن (کلیات سالک صفحه ۳۰۳) میں 'سمیش' ہے -- سمین با موقع گفتگو کے معنوں میں بھی آتا ہے:
السمین - موٹا - من الکلام : با موقع گفتگو - (صفحه ۳۷۴ مصباح اللغات مرتبه ابوالفضل عبدالحفیظ ناشر مکتبۂ برهان - دهلی)
اگر 'سمیش' پڑھیں تو اس کے معنی 'اُس کا نام' هوں گے - (مرتب)
۲ - اصل متن (کلیات سالک صفحه ۳۰۳) میں 'جاویدان' ہے - (مرتب)

کہا سالک نے سال اس خرمی کا
مبارک[1] فرح افزا کدخدائی

۱۲۹۶ھ

قطعہ (ایضاً)

آج دنیا میں نہیں ہے کوئی
زہد و تقوے میں جوابِ ہاتف
عقد میں بھی تو کیا ترکِ رسوم
رہ گیا یوں بھی ثوابِ ہاتف
سال بھی اس کا لکھا سالک نے
شرعی عقد جنابِ ہاتف

۱۲۹۶ھ

قطعہ تاریخ وفات مولوی غلام امام شہید تخلص

وہ جنابِ غلام امام کہ جو
دل سے تھا واصفِ رسول مجید
نثر اس کی کہ غیرت نثرہٰ
نظم اس کی کہ دید ہے نہ شنید

---

۱ - اصل متن (کلیات سالک صفحہ ۳۰۲) میں مصرع کے تحت ۱۲۹۶ لکھے ہیں - مصرع سے ۱۲۷۹ اعداد برآمد ہوتے ہیں - اگر 'کدخدای' میں ہمزہ مانیں جو ی کی علامت ہے تو اعداد ۱۲۸۹ ہوجاتے ہیں - پہلے مصرع میں تعمیے کا اشارہ نہیں اس لیے ۱۲۹۶ مطابق اصل لکھ دیے ہیں - تصریح سے قاصر ہوں - (مرتب)

آج دنیا سے آٹھ گیا صد حیف
اب کہاں اس طرح کے فردِ فرید
سال اس رنجِ روح فرسا کا
رو کے لکھتا ہے سالکِ نومید
آہ ''ارباب درد'' پر طاری
+ ۴۱۴
پھر ہوا ''ماتم امامِ شہید''
۸۸۲ = ۱۲۹۶ھ

قطعہ (تاریخِ تمثال شریف بیگ)

تصویر کھچی ہے کیا ہی تصویر
بہزاد کے نقش پر ہے ستّا
تمثال شریف بیگ کی ہے
'' تصویر شریف '' سال لکھا
۱۲۹۶ھ

قطعہ (تاریخِ ترقی بیدل ، زکی)

ترقی بیدل و حضرت زکی را
بود وجہ نشاط و عشرت امروز
ترقی خواہ سالک بود گفتا
مضاعف شد ''بہار دولت'' امروز
۱۲۹۶ھ

قطعه تاریخ تعمیر مکان عبدالرحمن خاں صاحب کوتوال چھاؤنی سکندر آباد

زہے تعمیرِ خانِ عبد رحماں
دو تا تاریخ ایں حورنق[1] نشان است
یکے سالک ''تعالی اللہ تعمیر''

۱۲۹۷ھ

دگر ، ''کاشانۂ راحت رساں'' است

۱۲۹۷ھ

قطعه (ایضاً)

ایں منزل دل پزیر را سال
از سالک ہرزہ یافت انجام
آغاز بنا بہ ''قصرخوش'' گشت
بر ''کاخ نکوتر آمد اتمام''

۱۲۹۷ھ

---

۱ - اصل متن (کلیات سالک صفحہ ۳۰۴) میں ''خَوَرْنَق'' ہے ۔ یہ ایک قصر کا نام ہے جو نعمان بن منذر نے بہرام گور کے لیے بنایا تھا ۔ لیکن یہ لفظ شعر میں اپنی حرکات کے ساتھ وزن سے گر جاتا ہے ۔ ہاں اگر واو کو گرا کر ''خرنق'' پڑھیں تو تقطیع ہوسکتی ہے ، یا اسے ''رونق'' پڑھیں تو شعر صحیح ہوجاتا ہے اور اسے تصحیح قیاسی کہا جائے گا ۔
''خورنق'' کی تفصیلی بحث کے لیے ملاحظہ ہو 'فرہنگ عمید' صفحہ ۵۵۰ اور غیاث اللغات مع چراغ ہدایت طبع لکھنؤ سنہ ۱۹۰۰ع صفحہ ۱۶۵ (مرتب)

قطعه (ایضاً)

سالک این خوش بنا عمارت را
بنگر و آسمان اساس بگو
سال تعمیر اگر کسے پرسد
"خانۂ بوستان اساس" بگو

۱۲۹۷ھ

قطعۂ تاریخ کدخدای محمد عبدالوارث خان خلف الصدق فیض محمد خان مرحوم

جشن فرخندۂ این عقد مبارک باشد
انبساط و طرب و عیش ابد ارزانی
هم دعا باشد و هم سال که گفتم سالک
"خلف الصدق" به "نوشاه" "بود ارزانی"

۹۳۵ + ۳۶۲ = ۱۲۹۷ھ

قطعه (ایضاً)

تعالی الله بزمِ عقدِ والا
مبارک انبساط جاودانی
چه می‌خواهی ز سالک سال آن را
"بہارِ[1] کت خدای جلوه" دانی

۱۲۹۷ھ

---

۱ - اس تاریخ سے ۱۲۸۷ھ برآمد ہوتے ہیں ۔ اگر 'کت خدائی' میں دو 'ی' مانیں تو ۱۲۹۷ ہوتے ہیں ۔ سالک نے شاید اسی طرح ۱۱۹۷ قرار دیے ہوں ۔ (مرتب)

قطعه (ایضاً)

یافت از آقائے خود تشریف عقد
"خان عبدالوارث" والا تبار
گفت سالک بے حساب و بے سوال
سال عقد او ز نام او برآر

۱۳۶۵ — ۷۱ — ۹۷ = ۱۲۹۷ھ

قطعه (ایضا)

روشنی بزم عقد والا کی
جس سے خورشید کی ہو خیرہ نگاہ
کیوں نہ ہو شور حبذا پیدا
کیوں لبوں پر نہ ہو تعالی اللہ
حسن نوشاہ اور جمالِ عروس
وہ اگر مہر ہے تو یہ ہے ماہ
سال سالک نے یوں لکھا اس کا
"زہرہ و مشتری بہم ہیں واہ"

۱۲۹۷ھ

قطعہ غیر تاریخی

رمضاں میں جو کوئی کہتا ہے
آپ کیوں میرے گھر نہیں آتے
کیا کہیں آج کل کے ملنے سے
سیر ہوتے نظر نہیں آتے

متفرقات[1]

ہم سے وہ اپنے وعدے پہ یوں آن کر ملے
رخصت کو جس طرح کوئی وقتِ سفر ملے
جانے دے اے تصورِ جاناں نہ کر تلاش
ایسا نہ ہو کہ وہ کہیں دشمن کے گھر ملے
سالک ملیں ہم اُن سے تو کیوں کر ملیں کہ جب
لب سے دعا ملے ، نہ دعا سے اثر ملے

عقل جاتی ہے جب انسان کی قضا آتی ہے
اُن سے کہتا ہوں کہ تم کو بھی جفا آتی ہے

کبھو تو کرنے لگوں تلخ کامیوں کا گلہ
سوالِ بوسہ کی جرأت کہاں زباں کے لیے

قطعہ

میرے محسن ، آقا دونوں
فکروں میں تھے منظوری کی
بارے اس دن کے ملنے نے
کاہش سب کھوئی دوری کی
سالک تاریخ اچھی لکھی
اللہ نے خواہش پوری کی

(صفحہ ۱۲۴ ، ہنجار سالک)

---

۱ ۔ منقول از ''ہنجار سالک ۔''

قطعات تاریخ طباعت کلیات سالک

قطعهٔ تاریخ از نتائج طبع وقاد محمد مرزا خان صاحب متخلص به عابد خلف الصدق حضرت سالک

ہے ولی نعمی کی تصنیفات سے
یہ کتابِ نادر اے دل چھپ گئی

ہیں سخن کی زمزمہ پردازیاں
لو یہ تعلیم عنادل چھپ گئی

کیوں نہ ہاتھوں ہاتھ لیں اہلِ نظر
کس کی یہ سعیِ اناامل چھپ گئی

پہلے تو تھے چند جزو اس کے مگر
اب کلامِ نو کے شامل چھپ گئی

سال کی تھی فکر عابد نے کہا
''دیکھ نظمِ قبلہ کامل چھپ گئی[۱]''

۱۲۹۷ھ

---

۱ - ''گئی'' میں جو ہمزہ ہے ، اسے شمار نہیں کیا گیا ہے ، یعنی ''گئی'' کے ۳۰ عدد لیے ہیں - (مرتب)

قطعۂ تاریخ ریختۂ کلک ناظم شیریں مقال ، ناثر بے مثال ، لقد رائغ سخن راجہ گنیش پرشاد بہادر ملازم سرکار نظام حیدر آباد

اب کے پوری نظم سالک چھپ گئی
مژدہ باد اے ناظرین ذی کمال
اس کا ہر نکتہ ہے جادو سے بھرا
اس کا ہر اک شعر ہے سحرِ حلال
دیکھ مضموں کی چمن پیرائیاں
چھا گیا ہے سدرہ پر نخلِ خیال
غیرتِ عذب البیانی دیکھنا
سن کے چپ ہے طوطیِ شیریں مقال
بس کہ ہے بے مثل یہ مجموعہ شاد
''نسخۂ بے مثل'' لکھا میں نے سال

۱۲۹۷ھ

قطعۂ تاریخ طبع زاد بہاری لال المتخلص بہ مشتاق

یہی ہے نظم اردوے معلٰی
کہ جس کا آج کل سالک ہے مالک
بجا ہے اس کے چھپ جانے کی تاریخ
'' عدیم المثل کلّیات سالک''

۱۲۹۷ھ

ضمیمہ

تقریظات

الف ۔ تقریظ اردوے معلی

ب ۔ تقریظ تذکرۂ نادر الاذکار

ج ۔ تقریظ مفید الاطفال

خاتمۂ کتاب اردوے معالی رختۂ کلکِ بلاغت انتما ،
سخن دانِ بے مثال ، معنی سنجِ نازک خیال ، شاعرِ نغز
گوے دل آویز بیان ، ناثرِ جادو طراز و شیریں زبان ،
مرزا قربان علی بیگ خاں صاحب سالک شاگرد مولانا
غالب مرحوم

(صفحہ ۳۸۰) شیدائیانِ شاہدِ دل فریبِ سخن ہر وقت اس کے خریدار اور شیفتگانِ حسنِ معانی ہر دم اس کے خواست گار رہتے ہیں کہ اچھا کلام جو مطبوعِ طبایعِ ناظرینِ خرد پیشہ اور پسندِ خواطرِ شائقینِ درست اندیشہ ہو ، میسر آئے ۔ صاحب نظرانِ دیدہ ور جن کی آنکھیں شبستانِ معانی کی سیر سے سیر ہوتی ہیں ، مشاہدۂ ماہ پیکرانِ مہر تمثال سے تسلی نہیں پاتے اور رنگیں مشامانِ نکتہ‌پرور جن کے دماغ میں گلستانِ سخن کی بو (صفحہ ۳۸۱) بھر جاتی ہے ، ریاحینِ باغِ ارم کے سونگھنے کو نہیں جاتے اور پھر وہ کلام اور سخن جو نیرِ اعظمِ سپہرِ سخن وری و ماہِ منیرِ آسمانِ معنی‌گستری ، شہسوارِ عرصۂ نکتہ دانی ، یکہ تازِ جادو بیانی ، فرماں روائے کشورِ نازک خیالی ، زینت افزاے اورنگِ بے مثالی ، ناثر نثری رفعت ، شاعر شعری رتبت ، چمن آرے گلستانِ فصاحت ، حدیقہ پیراے خیابانِ بلاغت ، فروغ بخشِ بزمِ آفرینش ، نوردیدۂ بینش ، اُستادِ یگانہ ، مسلم الثبوتِ زمانہ ، رشکِ عرفی و غیرتِ طالب جناب استادی نجم الدولہ ، دبیر الملک ، اسد اللہ خاں بہادر

نظام جنگ غالب کی زبانِ معجز بیان پر آیا ہو اور خامۂ پروین افشان سے نکلا ہو ؛ علی الخصوص یہ سفینۂ بے نظیر و مجموعۂ دل پزیر جس کا ہر حرف باعثِ نظارتِ چشمِ نظارگیان اور ہر لفظ سببِ تازگیِ دیدۂ مشتاقاں ہے ۔ ہر سطر کو دریاے موج خیزِ معانی اور ہر فقرے کو گلزارِ ہمیشہ‌بہارِ رنگیں بیانی کہنا چاہیے ۔ عبارت سے سلسبیل کی سلاست پیدا ، مضامین سے آبِ کوثر کی لطافت ہویدا ۔ کمند اندازِ رسا میں گردنِ معانی شکار ، شیرینیِ ادا پر اداے شیریں لباں نثار ۔ غور کیجیے کہ فراہم آنا اس نسخۂ بے بدل کا اور طبع ہونا اس کتابِ بے مثل کا کیوں کر غنیمت نہ سمجھا جائے ۔ ناظرین کو لطف ارزانی و شائقین کو مذاقِ سخن کی فراوانی مبارک کیوں کر شکرِ فراہمی نہ ادا کیا جائے ۔ ہاں اے سالکِ اندوہ گیں ! کیسا شکر ، یہ کیا کلام ہے ۔ اے بے خبر گریہ و ہنگام ماتم عام ہے :

باید چو شمع در دلِ شب ہا گریستن
سر گرم بودن از تہِ دل یا گریستن

نا سازگار جسم مرا ناگداختن
نا خوش‌گوار چشم مرا ناگریستن

اینست اگر تراوشِ سرچشمۂ حیات
باید بہ عمرِ خضر و مسیحا گریستن

ہنوز یہ نامۂ دل آویز تمام و کمالِ تشریفِ طبع نہ پا چکا تھا کہ سپہرِ بے مہر نے بتاریخ ۲- ذی قعدہ ۱۲۸۵ ہجری جامۂ حیاتِ

جنابِ مغفور و مرحوم کو چاک کیا ۔ ہے ہے آفتابِ علم و کمال کو رنجِ خسوف دکھایا ، ماہتابِ فضل و ہنر کو صدمۂ کسوف میں پھنسایا :

اس ستم گار سے کوئی پوچھے
ہاتھ اس واقعے سے کیا آیا

'گلدستۂ نادر الاذکار' المعروف بہ 'تذکرہ شعرائے دکن' تالیف درگا پرشاد نادر پر سالک نے یہ تقریظ لکھی ہے :

گوہر فشانیِ خامۂ جادو رقم ، بلاغت نشانیِ کلکِ معجز شیم ، بہ تسویدِ عبارتِ فیض بشارت ، جناب فضیلت مآب ، معلی القاب ، مستغنی الخطاب ، اقلیم سخن کے مالک ، میرزا قربان علی بیگ صاحب سالک مدظلہ العالی

پردہ برداشتم ز کار سخن
تا دہد جلوہ گل عذار سخن

خرمیِ چمنِ سیرابِ معانی و تازگیِ گل ہائے شادابِ رنگیں بیانی اس قدر دل کش اور فرح بخش ہے کہ جس کے دیکھنے سے بصارت کو روشنی اور سننے سے سماعت میں ترقی حاصل ہوتی ہے ۔ اگر کلامِ مرغوب کسی کے لب پر آجاتا ہے اور سخنِ خوب کسی کی زبان سے نکل جاتا ہے تو ممکن نہیں راہِ گوش سے دل

میں نہ آتر جائے۔ بالیدگیِ غموم و ہموم نے گو خاطرِ افسردہ میں گنجائش نہ چھوڑی ہو مگر مجال ہے کہ یہ جگہ نہ پائے۔ چند روز کا مذکور ہے کہ یہ آشفتہ دل و سراسیمہ حواس، پریشان خاطر و سراسر اداس سرگردانِ بادیۂ تلاش و تفحص عاصی قربان علی بیگ سالک تخلص زانوے غم پر سر دھرے بیٹھا تھا کہ ایک کتاب پاس دھری نظر آئی۔ دل میں یہ بات سمائی کہ اس کا مطالعہ کیجیے، شاید طبیعت بہلے۔ دیکھا تو تذکرۂ ''نادر الاذکار'' من تالیف یگانۂ محبت و اتحاد منشی درگا پرشاد ہے۔ سبحان اللہ عجب نسخۂ دل پذیر و مجموعۂ بے نظیر پایا۔ چند اوراق کو دیکھا تو ایک گلستانِ بے خزاں نظر آیا۔ فصاحت کا دریا، بلاغت کا معدن، معنی کا جہان، مضامین کا مسکن۔ روانیِ عبارت غیرت فزاے سلسبیل، الفاظ کی تازگی حسد افزاے چمنستانِ خلیل۔ دکن کے شاعروں کا بیان ہے، گویا مینا بازار کی ایک دکان ہے۔ منشی صاحب نے جس قدر سعی و کوشش کی ہے، وہ بیان میں کب آسکتی ہے۔ رنجِ تحقیق تذکرہ نویسوں سے پوچھا چاہیے کہ کیا ہے۔ کہاں کہاں سے کلام منگایا جاتا ہے اور دریافتِ حقیقت میں کیا کیا رنج اٹھایا جاتا ہے۔ حق یہ ہے کہ تھوڑی مدت میں یہ مجموعہ جمع فرمایا ہے کہ ناظرین کو گلدستۂ نظر اور شائقین کو تعویذِ دلِ مضطر ہاتھ آیا ہے۔

یارب نظرِ عیب نگرِ بد بیں سے بچا اور خاطرِ هنر پسندِ اهلِ انصاف میں جگه دے ۔

قطعه تاریخ اتمام کتاب هذا

ز رشح کلک نادر نقش نادر
تراوید و میسر گشت کامش
برائے سال تالیف از سر فهم
+ ۸۰
نهاده ''نادر الاذکار'' نامش
۱۲۰۸ = ۱۲۸۸ھ

تحریر فی التاریخ سلخ شعبان المعظم
۲۸ - نومبر ۱۸۷۱ع
(نادرالاذکار صفحات ۲ ، ۳)

تقریظ رشحۂ قلمِ اعجاز رقم ، امامِ شیریں سخنانِ نازک خیال زبدۂ اربابِ فضل و کمال ، عالی دودمان ، مرزا قربان علی بیگ خاں المتخلص به سالک وکیل مهاراو راجه بهادر والیِ الور خلفِ اکبر نواب عالم بیگ خاں صاحب مرحوم ، عمدۂ تلامذۂ نواب نجم الدوله دبیر الملک مرزا اسد الله خاں غالب نظام جنگ بهادر

نوش دارو که دوائے دلِ بیمار است
سخنِ نکته سرایانِ شکر گفتار است

سخن کا دل نشیں و خاطر نشان ہونا اور مطبوعِ طبایعِ اہلِ جہان ہونا ایک دلیلِ ظاہرہ و حجتِ باہرۂ سلامتیِ ذہن و درستیِ فہمِ سخن سنجانِ نکتہ طراز ہے۔

نظارگیانِ والا نظر جب کلامِ نیک پر نظر کریں گے، عیار طبعِ سخن گو اس طرح سمجھ لیں گے جس طرح اس نسخۂ دل پذیر و کتابِ بے نظیر سے فضل و کمالِ ہنرمند یگانہ، دانش (مند) فرزانہ، عالی خاندان، والا دودمان، ماسٹر منشی وزیر سنگھ راقم تخلص خلف الصدق منشی صاحب سنگھ صاحب، سابق میر منشی مہاراو راجہ بلونت سنگھ بہادر بیکنٹھ باشی والیِ تجارہ کا ہر صغیر و کبیر کی سمجھ میں آتا ہے۔

واقعی یہ ہے کہ منشی صاحب نے عمر گراں مایہ تحصیل علومِ عجیبہ و کسبِ فنونِ غریبہ میں صرف کی اور استعدادِ کامل اور سوادِ خوش حاصل کیا۔ جب یہ کتاب اس صفت کے ساتھ لکھی ہے کہ ہر مصرع کو دو لفظ انگریزی اور دو لفظ اردو سے پیرایہ نظم بخشا اور جو انداز آغاز سے نظم میں رکھا، انجام تک بہ ادائے شیریں ادا کیا؛ کہیں لفظِ غریب نہیں کہ فہمِ سامع پر ناگوار ہو۔ کسی جگہ معانیِ بعید نہیں کہ سمجھنا کسی کو دشوار ہو کہ جس کو سن کر سلاست کا لطف، لطافت کا مزہ آتا ہے، بلاغت کی شان نظر آتی ہے، فصاحت کا رنگ دکھائی دیتا ہے۔ اس کتابِ لاجواب میں جو کہ لفظ انگریزی ہیں، لازم ہے کہ اس کو رہنمائے اہل ہند کہیں اور الفاظ اردو سے رہبر اہل انگلنڈ سمجھیں۔ ایسی تصنیفیں، تسہیلِ تعلیمِ اطفال کو نہایت مفید ہوتی ہیں۔ عجب نہیں تمام عالم میں مثل ''خالق باری'' و ''نصاب الصبیان'' مروج ہو جائے جو کہ اطفال کو مطالعہ اس کا مفید ہوگا، منشی صاحب نے

نام اس کا ''مفید الاطفال'' رکھا ۔ عاجز نے اس نسخے کو اول سے آخر تک دیکھا ، کہیں پالغز شاعری نہیں دیکھی ۔ اس سے ثابت ہے کہ مصنف صاحب قطع نظر اور علوم و فنون کے فن شعر میں بھی دست گاہ کامل رکھتے ہیں اور علمِ عروض و قافیہ کو خوب جانتے ہیں ۔ یا رب یہ مجموعۂ بے نظیر ہمیشہ نگاہِ عیب بیں و نظرِ نکتہ چیں سے بچا رہے !

تصنیفِ وزیر سنگھ دیکھی سالک
اک ایک سے پوچھا گیا اتمام کا سال
فکر ایک کی سالم نہ ہوئی میں نے کہا
نادر ہے یہ نسخۂ مفید الاطفال

۱۲۸۵ ھ

العبد

قربان علی متخلص بہ سالک ، وکیل مہاراو راجہ بہادر
والیِ الور دام اقبالہم

[انگریزی اردو کی نصاب مسمیٰ مفید اطفال مصنفۂ ماسٹر
وزیر سنگھ صاحب مدرس مدرسۂ سرکاری دہلی
مطبع ہندو پرس دہلی ۱۸۷۰ع
صفحات ۵۲ تا ۵۴]۔

مجلس ترقی ادب لاہور